دیوان وسط الحیوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
منّتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

ناظرِ روئے تو صاحب نظرانند و لے
سرِ گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین

اس مقدمہ میں دیوان ہذا کی ہر صنف سخن پر بحث ہی اور اس کے مالہٗ وما علیہ پر غور و خوض کے بعد وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہی کہ عام طور پر پسند آسکے۔ اغلاق و اطناب کو قطعاً ترک کرنے کی کوشش کی گئی ہی اور تفصیل سے زیادہ اجمال میں لطف پیدا کرنے کے لئے کہیں کہیں صرف استشہاد اشعار پر کفایت کی گئی ہی۔

مقدمہ کے دو باب ہیں۔ پہلے میں دیباچہ وسط الحیوٰۃ، دیوان تحفۃ الصغر اور غرۃ الکمال کی مدد سے وسط کی خصوصیات کا ذکر ہی اور دوسرے باب میں دیوان

کی ہر صنف شعر پر مفصل بحث ہی اور یہی باب احقر کی سعی بے حاصل و جانفشانی کی جولانگاہ ہی۔ ع

تا یار کرا خواہد و میلش بکدام ست

پہلا باب

(وسط کی خصوصیات - وجہ ترتیب - اصناف شعر)

وسط الحیوٰۃ امیر خسرو کا دوسرا دیوان ہی۔ اس میں بیس سال سے چونتیس سال کی عمر تک کا کلام ہی۔ وسط کی وہ خصوصیات جو اس کو تحفۃ الصغر (پہلا دیوان) اور غرۃ الکمال (تیسرا دیوان) سے ممتاز کرتی ہیں حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ وسط الحیوٰۃ کی خصوصیت زمانی (اس حیثیت سے یہ دیوان امیر کے کلام کا زبدہ ہے)

۲ ۔ وسط کی خصوصیت تاریخی (باعتبار تضمین تاریخی واقعات کے یہ کلام تاریخ میں ایک محققانہ اور مستند باب کا اضافہ ہی)

۳ ۔ 〃 〃 〃 〃 تضمین علوم و فنون

۴ ۔ 〃 〃 〃 〃 سلاست و روانی اور عذوبت و پختگی

۵ ۔ 〃 〃 〃 〃 رثی (جذبات کی بے کم وکاست تصویر)

۶ ۔ 〃 〃 〃 〃 صنائع و ایجاد صنائع۔

ان خصوصیات کے علاوہ بعض اور خصوصیات بھی ہیں جن کا ذکر اگلے باب میں ہے

لیکن وہ دراصل انھیں خصوصیات پر متفرع ہیں اس لیئے ان کے لئے جداگانہ بحث کی حاجت نہیں -

خصوصیت زمانی | یہ بدیہی ہے کہ عنفوان شباب (جس کی ابتدا عمر کے بیسویں سال سے اور انتہا ۳۲ - ۳۳ ویں سال تک ہی) عمر کا بہترین جز ہوتا ہے

اور اس زمانے میں جذبات کا عروج اور ان کے جوش کا ظہور اس پختگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر اس سے پہلے اور پچھلے دونو زمانوں میں ملنا دشوار ہے - دیکھو بچپن میں آمد، اُپچ، اُمنگ اور بات میں بات پیدا کرنا اک عام بات ہوتی ہے لیکن متانت اور پختگی اور وہ خاص کیفیت جس کو سلاست سے تعبیر کیا جا سکے ابھی نہیں ہوتی - اسی طرح بڑھاپے میں تجربہ اور پختگی تو زیادہ ہوتی ہے لیکن قوت فکریہ کا وفور اور مخیلہ کا جوش باقی نہیں رہتا - صرف شباب بلکہ اول شباب ہی ایک ایسا زمانہ ہے جس کے کارنامے اور تصنیفات بچپن اور بڑھاپے کے کارناموں سے ہر حیثیت سے قابل قدر و وقعت خیال کئے جاتے ہیں ؎

در جوانی سخن جواں باشد ‌ ‌ ‌ ‌ سخنِ پیر ناتواں باشد

دیوان وسط الحیوٰۃ اس حیثیت سے تحفہ اور غرہ دونو سے بہتر کہا جا سکتا ہے چنانچہ خود امیر خسرو نے وسط الحیوٰۃ کے دیباچہ میں مرقومۂ ذیل آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا یہ دیوان بحیثیت زمانی ہر دیوان سے بہتر ہے - وہ نصوص و آثار یہ ہیں :-

نص اول۔ حافظوا علی الصلوات والصّلوٰۃ الوسطیٰ — خبردار ہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے۔

۲ ۔ وکذالک جعلنا کم اُمۃ وسطا — اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی (بہتر) امت بنایا

۳ ۔ من اوسط ما تطعمون اھلیکم — (جو تم کھاتے ہو اس سے اوسط (بہتر) درجہ کا)

۴ ۔ خیر الامور اوسطھا — (کاموں میں بہترین کام ان کا اوسط ہے)

نماز وسطیٰ کی حفاظت اُمتِ محمدیہ کی فضیلت، کفارۂ یمین میں اوسط درجہ کا کھانا کھلانے کے حکم اور جملہ امور میں بہترین امر، اوسط درجہ کا فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کا اوسط افضل ہے، اس قاعدہ سے وسط حیات کی شاعری بھی بقیہ عمر کی شاعری سے افضل ہوگی ؎

گر بخواہی کہ راست آید کار — راست پرسی زمن میانہ نکوست
تو ہم از نقش کار صورت کن — کالفِ راست درمیانۂ اوست

خصوصیت تاریخی وسط الحیوٰۃ کی نہایت نمایاں خصوصیت اس کی تاریخی حیثیت ہے بہ حیثیت قصائد، ترجیعات، قطعات اور مثنویات میں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے جن میں مغلوں کی یورشوں، شکستوں، شہزادہ (خان شہید) محمد ولیعہد سلطنت کی شہادت کیقباد اور سلطان محمود (والی لکھنوتی) کی ملاقات اور طغرل والیِ لکھنوتی (بنگال)، کی ہزیمت و بربادی وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔ اگر کوئی سلطان

غیاث الدین بلبن سے لے کر کیقباد تک کی سوانح تاریخی جمع کرنا چاہے تو اس کو وسط الحیوٰۃ کے کلام سے کافی مدد مل سکتی ہے جو روایۃً و درایۃً ہر طرح قابل قبول ہے۔

اگرچہ شاعر کا یہ فرض نہیں ہوتا کہ وہ اظہار جذبات میں اصول روایت و درایت کا بالقصد لحاظ رکھے، لیکن ایک سچے شاعر کا کمال شاعری یہی ہے کہ اس کے الفاظ اگر ایک طرف جذبات باطنی کی ترجمانی کرتے ہوں تو دوسری طرف واقعات تاریخی کی تصویر ہوں۔ اس لئے کہ جذبات صادقہ حقیقت میں اُن حوادث و وقائع کے نتائج ہیں جو ہر قابل مدح یا ذم یا اندوہناک واقعہ یا وصف سے مشتعل ہو جاتے ہیں اور آخر کار شاعر کی صنعت گری سے شعر بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک شاعر کا کلام جب کہ اس کا مبنیٰ اور منشا واقعات خارجیہ ہوں، تاریخ اور انشا پردازی کا جامع ہو جاتا ہے اور آنے والوں کے لئے واقعات کی صحت پر ایک مضبوط شہادت کا کام دیتا ہے۔ امیر خسرو کی شاعری میں یہ وصف نمایاں ہے۔ چنانچہ صاحب منتخب التواریخ (ملا عبد القادر بدایونی) نے خان شہید (سلطان محمد) کے واقعۂ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے امیر خسروؒ کی ترجیعات رثائی (موجودہ وسط) کو بطور سند واقعہ نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"ایں مرثیہا تا یک ماہ وبیش آں مردم می خواندند و برگشتگان خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند"

چوں کہ اس واقعہ میں امیر خسرو خود بھی شریک تھے اور مغلوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر

اُس وقت معرکۂ حرب سے جدا ہوئے جب کہ شہادت شہزادہ (خان شہید) واقع ہو چکی اور تمام رفقا ایک ایک کر کے کام آچکے، اس لئے امیر کا بیان بے کم وکاست اس واقعہ کی عینی شہادت ہے جو منظوم سحر حلال بن گیا ہے اور تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس ترجیع کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا کز آسماں آمد پدید
آفت ست ایں یا قیامت کز جہاں آمد پدید

راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را
رخنۂ کامسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلسِ یاراں پریشاں شد ز بادِ تندِ دہر
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

ہر مژہ بے دیدنِ ایشاں سنانے شد بچشم
نیزہ بالا خوں ز ہر نوکِ سناں آمد پدید

دل بہ پیچد چوں نہ نامہ رشتۂ صحبت گسست
دُر بریزد چوں خلل در ریسماں آمد پدید

بسکہ آبِ چشمِ خلقے شد رواں از چار سو
پنجابِ دیگر اندر مولتاں آمد پدید

خواستم من تا ز آتش بر زباں آرم سخن
صد زبانِ آتشیں در دہاں آمد پدید

سینۂ خاکی بکندم گریہ بکشاد از دو چشم
چوں زمیں کاویدہ شد آب رواں آمد پدید

جمع شد سیّارہ در چشمم مگر طوفاں شود
چوں برجِ آبی انجم را قراں آمد پدید

گریہ ہم بے پوست روئے می کند با من کزو
پوست از رویم برفت و استخواں آمد پدید

مردماں بودند تاثیرِ قراں را منتظر
اینک اینک خسروا آثارِ آں آمد پدید

من نخواہم جز ہماں جمعیتے ایں کے شود
خود خیال ست ایں بنات النعش ثم ویں کے شود

اس کے محسنات شعری پر تو اگلے باب میں بحث ہوگی۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ تاریخی مواد اس بند میں کہاں تک پایا جاتا ہے اور کیا اس حیثیت کا کوئی ترجیع تحفہ یا غرہ میں موجود ہے؟ پہلے پہلی بات کا جواب لو۔

مغلوں کا یہ حملہ امیر اور اُن کے رفقا و مربّی (خان شہید) کے لیے بلائے آسمانی اور آفتِ ناگہانی تھا۔ گو مغلوں کے پہلے بھی کئی دفعہ حملے ہوئے اور پسپا کر دیئے گئے تھے لیکن یہ حملہ اس سال نہایت شور انگیز اور قیامت خیز تھا جس سے ہندوستان کی سلطنت میں رخنہ پڑ گیا۔ شہزادہ شہید یار احباب متفرق اور تمام مجلس کا رنگ دگرگوں ہو گیا اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ خود ملتان خون کی ندّیوں سے ایک اور پنجاب بن گیا اس حملے میں جو آتش جنگ مشتعل ہوئی اس کے ذکر سے امیر کی زبان قاصر ہے گو مدافعت کی تیاری کی گئی لیکن مغلوں کی آتش باری نے سب قوّت متفرق کر دی اور اسلامی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ ان تمام واقعات کا ذکر صرف اس ایک بند میں موجود ہے اور اپنے جدا ہونے کا بیان بھی نہایت حسرت و یاس کے ساتھ اس شعر میں کیا ہے ؎

من نخوہ اہم جز ہماں جمعیت الخ

اب تحفہ اور غرہ کی ترجیعات پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ اُن میں یہ حیثیت کہاں تک ملحوظ ہے۔ پہلے غرہ کو لو۔ غرۃ الکمال میں ایک ترجیع امیر خسرو نے اپنے فرزند (محمد) کے مرثیہ میں لکھا ہے جس کا ابتدائی بند یہ ہے ؎

یارب ایں شب چہ شب آمد دلِ من گم شد　　　چشمِ تاریک مرا دیدۂ روشن گم شد

دل بصد رخنہ چو غربیل وہ ہمی بیزم خاک | چوں نہ بیزم کہ دریں خاک دُرِ من گم شد
دامن اندر گہرِ دیدہ ہمی بینم کم | من بہ بینم گہرے راکہ ز دامن گم شد
صد ہزاراں گلم از گریہ دمیدست بچشم | لیکن آں گل زکہ یابم کہ ز گلشن گم شد
تن کہ شد خرمنِ آتش بدمش می سوزم | چوں نہ سوزم کہ مرا ماہ ز خرمن گم شد
در میائید دریں خانہ کہ تاریک شدہ ست | کافتابے کہ مرا بود ز روزن گم شد
دیدہ در خار کشیدم ہمہ در تابستاں | ننگرم ہیش کہ بلبل ز نشیمن گم شد
روے من ہیچ مبینید کہ روے آں نیست | کہ مرا صورتِ جاں زآئینۂ تن گم شد

گم شد آں گوہر و از بسکہ پریشاں ہم من | والضحیٰ خواندالحمد ہمی خوانم من

یہ بند اول سے آخر تک پڑھ لو گداز و شکستگی اس بند میں وسط الحیٰوۃ کے بند سے بہت زیادہ ہے۔ زور اور گھلاوٹ کا فرق ہے۔ یہ بیٹے کا مرثیہ ہے وہ شکست جنگ کا مرثیہ ہے فرق ظاہر ہے۔ وہی مناسبت فرق کلام میں ہے وھوالبلاغۃ۔

غرہ کے بعد تحفہ کو لیجیے۔ تحفۃ الصغر میں امیر خسرو نے اپنے نانا عماد الملک بخشی فوج کا ایک ترجیع میں مرثیہ لکھا ہے لیکن تاریخی حیثیت وہاں بھی مفقود ہے۔

اس ترجیع کا پہلا بند یہ ہے ؎

آوخ کہ شمع ہفت فلک در نقاب شد | وافسوس کاں چراغ دو عالم زتاب شد
روشن زمانہ بر صفتِ شام تیرہ گشت | مطلق جہاں مقیدِ رنج و عذاب شد
ہر لعل کاں دو دیدۂ فیروزہ چرخ داشت | یک یک نگینۂ کمرِ آفتاب شد

چندیں ہزار گل کہ شد اندر ہوا نشاند | از آہِ من بشیشۂ گردوں گلاب شد
دیواں گزاشت آصفِ ثانی و بادرا | درخاک رفت ہمچو سلیماں بخواب شد
بحرِ محیط سبزہ و باران دستِ او | بہرِ ہزار چشمۂ گردوں سحاب شد
بے خسروانہ بخشش و شاہانہ ہمتش | رخسارۂ عروسِ کرم در نقاب شد

کو آصفِ زمان و نظیرِ بزرجمہر
واں رائے خردہ دان و ضمیر بزرگ مہر

بیان اوصاف جن کا تعلق متوفی کے مدائح سے ہو مرثیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور بلاشبہ عماد الملک کے مرثیہ میں امیر خسرو نے نہایت کامیابی کے ساتھ ان کو بیان کردیا ہے۔ لیکن ایک مورخ کے ان سوالات کے جواب سے یہ ترجیع خاموش ہے۔

۱ - عماد الملک خطاب تھا یا نام ؟
۲ - خطاب تھا تو اصل نام کیا تھا۔؟
۳ - ان کا سن کیا تھا اور سن پیدائش کیا ؟
۴ - حسب نسب اور مولد و منشا کیا تھے ؟
۵ - لیاقت، کارنامے اور کارہائے نمایاں کیا تھے ؟
۶ - ان کی وفات کس سن میں کس حادثہ سے ہوئی ؟

یہ اور اسی قسم کے اور سوالات وارد ہو سکتے ہیں جن کا جواب تحفہ کے ترجیع میں نہیں پایا جاتا۔ بخلاف وسط الحیوٰۃ کی ترجیع کے کہ تاریخ واقعہ بقید سن و ماہ و

یوم وغیرہ نظم کردی گئی ہے اور قریب قریب کل امور متعلقہ واقعہ بیان کر دیئے گئے ہیں ؎

جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کارزار　　آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار

یعنی واقعہ شہادت خان شہید یوم جمعہ ماہ ذی الحجہ ۶۸۳ھ کے آخر اور ۶۸۴ھ کے شروع میں واقع ہوا۔ وسط میں اس واقعہ کو ترجیعات کے علاوہ قصائد میں بھی امیر خسرو نے نظم کیا ہے۔ ایک قصیدہ ؎

خوش اندر راہ روانِ ولایتِ اسرار

جس کا نام حکم الحکم ہے نہایت طویل ہے اس میں نہایت شاندار حکیمانہ تمہید کے بعد مغلوں کے مظالم اور شہدا کی حالت بشرح وبسط بیان کی گئی ہے اس کی تفصیلی بحث تو اگلے باب میں آئے گی یہاں صرف چند اشعار متعلقہ واقعہ درج کئے جاتے ہیں ؎

ہمیں بلا نگر امسال در حدِ ملتان　　شکست میمنۂ مومن از کفِ کفّار

چگونہ شرح تواں داد آں قیامت را　　کز اں فزع ملک الموت خواستے زنہار

چو جرعہ خونِ شہیداں بگل سرشتہ تمام　　چو گل بروئے اسیران رشتہ بستہ نگار

دو وال بازی سر در شکنجہ فتراک　　شکنجہ کاریِ گردن برشتۂ افسار

اسیر گشتم و زبیم آں کہ خوں ریزد　　نمی نماند زخوں در تنِ نحیف و نزار

حد ملتان سے مراد موضع دیپالپور ہے جہاں شہزادہ خان محمد شہید ہوا ہے اور لشکرِ اسلام کو مغلوں کے ہاتھ سے شکست ہوئی ہے۔ امیر نے اپنا گرفتار ہونا یہاں بھی بیان کیا ہے اور مغلوں کے طرح طرح کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ واقعہ اس طرح نظم کی ہے کہ اس سے

امیر خسرو کی اُس وقت تک کی عمر کا پتا بھی چل جاتا ہے ؎

کنوں کہ شش صد و ہشتاد و چار شد تاریخ

مرا بہ سی و سہ آمد نوید سی و چہار

یعنی ۶۸۴ھ کے شروع میں جب یہ واقعہ پیش آیا امیر کی عمر کے ۳۳ سال گزر چکے تھے اور چونتیسواں سال شروع تھا۔

اسی قصیدے میں جو مغل امیر کو گرفتار کرکے لے جا رہا ہے اس کی حالت یوں بیان کی ہے ؎

فرو نہ کہ مرا پیش کردہ رہ می رفت ۔۔۔ نشستہ بر فرسے چو پلنگ در کہسار

کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل ۔۔۔ فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار

ز ماندگی قدمے گر بماندمے تشنہ ۔۔۔ گہے طغانہ کشیدے بخشم گہ تکمار

یعنی اک چوڑا مُنہ گندہ دہن اور کچّی داڑھی مونچھ والا ظالم مغل مجھے لے جا رہا تھا جو خود تو گھوڑے پر سوار تھا مگر مجھے نہایت تھکا ماندہ اور پیاسا رکھ کر بدیدی سے پیدل گھسیٹ رہا تھا۔

وسط کے قصائد میں شہزادہ خان شہید کی مدائح نہایت شاندار ہیں۔ ان میں اکثر وہ واقعات بیان کئے ہیں جو تاریخی ہیں۔ ایک قصیدے میں امیر نے مغلوں کے بھگا دینے اور ان کو شکست دینے کی بنا پر خان شہید کی یوں مدح کی ہے ؎

شہریارے کا زدرش تا ماہِ تاباں می رسد ۔۔۔ ماہِ تاباں از پئے خدمت شتاباں ہمی رسد

گرچہ در سالے مغل با پڑ بوم و روئے شوم — صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں میرسد

یک دو وقت گریزاں ز تیر کشور گیر شاہ — ریزہ ریزہ می شود آنکہ بکرماں میرسد

یعنی جن مغلوں نے خراسان کی راہ سے حدود ملتان پر حملہ کیا تھا وہ بہت بری طرح شکست کھا کر کرمان کی طرف بھاگ گئے۔

اسی طرح ایک اور قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

دست او شمشیر براو زنگ چنگزخاں زند — چوں بعزم رزم سوئے لشکر آں کافر شود

گر پرند ایشاں ز لشکرہائے پر مور و ملخ — باک نبود مور را در وقت مردن پر شود

یعنی چنگز خانی ٹڈی دل لشکر ممدوح کی فوج ظفر موج کے مقابلہ میں شکست کھا کر بھاگ ہی نہیں گیا بلکہ پردار چیونٹیوں کی طرح ہلاک ہوا ؎

مور ہماں بہ کہ نباشد پرش

ان قصائد میں چوں کہ واقعی فتوح اور اولوالعزمی کی مدح ہے اس لئے زور حقیقی ہے محض لفاظی نہیں ہے۔ محمود اور کیقباد کی ملاقات کے متعلق جو تاریخی قصیدہ وسط میں ہے اس پر اگلے باب میں تبصرہ ہوگا۔ وہیں ملاحظہ ہو۔

ترجیعات اور قصائد کے علاوہ وسط کی مثنویاں بھی تاریخی ہیں جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخی واقعات کا ذکر ہے۔ نام بنام پہلوانانِ جان نثار اور غازیانِ د... کی فہرست دی ہے اور لشکریوں کا حلیہ شکل و شباہت تک نظم کر دیا ہے۔ دہرلیہ اور دیگر پہاڑی مقامات جو لشکر اسلام نے بقیادت شہزادہ خان محمد فتح کئے

ذکر اسی طرح کیا گیا ہے جو صنف مثنوی کے شایاں ہے۔ دوسرے باب میں ان مثنویات پر مفصل تبصرہ ہوگا۔

اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ تحفۃ الصغر اور غرہ کے قصائد و مثنویات میں اس حیثیت (تاریخی) کا وجود کہاں تک ہے۔ اول تحفہ لیجیے۔

تحفہ کے قصائد میں امیر نے بمقتضائے سن زیادہ تر صنایع لفظیہ اور قوتِ فکریہ سے کام لیا ہے اور ابتدائی مشق کے پختہ کرنے کے لئے اساتذۂ ماسبق کے جواب میں قصائد لکھکر اُن کے عناں بہ عناں چلنے کی کوشش کی ہے۔ خاقانی، انوری وغیرہ کے قصائد پر قصائد موجود ہیں اور جس درجہ کے بھی ہیں بلحاظ عمر و وقت قابل تحسین ہیں۔ (دیکھو تبصرہ تحفۃ الصغر) لیکن واقعات تاریخی کے تضمین کا اہتمام قصائد تحفہ میں قطعاً نہیں۔ مثنوی بھی اس میں صرف ایک ہی ہے جس کے کل ۱۶۳ شعر ہیں۔ اُن میں بھی کوئی تاریخی واقعہ نظم نہیں کیا گیا۔ ساری مثنوی کی کائنات صرف یہ ہے کہ قلعہ پٹیالی بدتہذیب اور وحشی افغانوں سے پُر ہیں (جن کی ہجو خوب دل کھول کر کی گئی ہے) اور امیر وہاں بزمرۂ سواراں ملازم ہیں اپنے ماموں (بخشی فوج) سے درخواست کی ہے کہ اس وحشت ناک (قلعہ پٹیالی) کورده سے قبلۃ الاسلام دہلی میں (جہاں اُن کی دل چسپی کے بہت سے سامان ہیں) واپس بلالیا جائے ؎

من کہ در زمرۂ سوارانم ... الخ

پس تحفہ کے قصائد و مثنوی اس حیثیت سے وسط کی مثنویات و قصائد سے

کوئی لگا نہیں کھاتے۔ تحفہ کے بعد غرہ کو لو۔ اس کے قصائد (جیسا کہ واضح ہوگا) یا کیقباد کی مدح میں یا جلال الدین فیروز کے (مواعظ و حکم اور حمد و نعت کو چھوڑ کر) ان میں واقعات تاریخی کے نظم کرنے کا التزام امیر خسرو نے نہیں کیا۔ گو مواعظ و حکم اور حمد و نعت کے قصائد غرۃ الکمال میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے (جن کا ذکر غرہ کے تبصرہ میں آئے گا) ہر اگلے پچھلے دیوان سے شاندار ہیں لیکن تاریخی خصوصیت غرہ کے قصائد میں سے ہے یہ صرف وسط کے کلام کے لئے مخصوص ہے۔ غرہ کی مثنویاں بھی تاریخی واقعات سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں لیکن ان میں سے صرف ایک مثنوی فتح نامہ (یا مفتاح الفتوح) کو تاریخی مثنوی کہا جاسکتا ہے (جس میں بعض تاریخی واقعات پر مجملاً اور ضمناً روشنی پڑتی ہے) لیکن وہاں بھی ترتیب واقعات اور احصائے جزئیات میں محاکات پر تخیلی عنصر غالب ہے۔ ذیل میں اس مثنوی کا کچھ اقتباس وسط کی ایک چھوٹی سی مثنوی سے مقابلہ کے لئے درج کیا جاتا ہے جس سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی۔

از مثنوی وسط الحیوٰۃ	از مثنوی غرۃ الکمال
۱۔ شاہ نیز از مولتاں لشکر کشید	۱۔ زہے فیروز سلطانی کہ در حال
بر کران گہ چو دریا در رسید	برآید چار فتحش در یکے سال
۲۔ لرزہ در کالوے بے فرماں فتاد	۲۔ بفتح اول از تیغ ظفرناک
بندہ شد سر بر خط فرماں نہاد	سر یک ایتر افگندہ در خاک

از مثنوی وسط الحیوٰۃ

۳- مال داد و خدمتِ فرزند نیز
وز عجائب ہائے کہ بسیار چیز

۴- پس پیروزی شہ پیروز رزم
سوئے رائے نگرکوٹ آورد رزم

۵- میر حاجب منگلی آں پیل مست
نامزد گشت و میانِ کار بست

۶- پیل زورانِ دگر پہلوے او
چوں علم پیوستہ بازوے او

۷- تاختن بردند آوردند روے
سوے رائے نگرکوٹ از چار سو

۸- رائے خود فرماں بری را ساز کرد
بندہ گشت و بندگی آغاز کرد

۹- جزیہ چنداں زر کہ نتواں بر کشید
بر کشید و پیش آں لشکر کشید

از مثنوی غرۃ الکمال

۳- چناں فیروزیش بر کوہ زد رنگ
کہ در فیروز کے فیروز شد سنگ

۴- بفتح دوئیں گرد از یکے ضرب
زد دوئیں ایتمر نوکِ سناں حرب

۵- بسوئیں فتح در ہندوستاں تاخت
جہاں از تیرگی دشمن بپرداخت

۶- بہ چارم فتح بر رائے دگر راند
غبارِ بادپا بر جہاں افشاند

۷- چہ باشد چار فتح از دولت این ست
ہزاراں دیگرش در آستین ست

۸- حیاتش باد در فرماں روائی
بہ فیروزی و فرِّ بادشائی

۹- بدستِ بندگانش بستہ تسلیم
کلید دارِ ملکِ ہفت اقلیم

پڑھکر دیکھو ایک میں مواد تاریخ پر مدح (فیروز شاہ) کا غلبہ ہے اور دوسری میں
مدح کی بجائے بیان واقعات پر زور ہے۔ غرہ کی مثنوی کے اشعار میں فیروز شاہ کی مناسبت سے

لفظ فیروزا اور فیروزی میں تخئیلی نکتے بھی زیادہ تر شعر سوم و ہشتم میں موجود ہیں۔
نو شعروں میں صرف اس قدر بتایا ہے کہ بادشاہ کو ایک سال میں چار فتحیں حاصل ہوئیں
پہلی میں ایک سرکش مرا، دوسری میں دوسرا اور تیسری میں تیسرا مارا گیا اور چوتھی
فتح جھابن کے راجہ پر ہوئی۔ باقی بیان مدحیہ ہے۔ اب وسط کی مثنوی کے اشعار میں
واقعات ملاحظہ ہوں جو حسب ذیل ہیں:-

۱۔ بادشاہ (سلطان محمد) ملتان سے لشکر کشی کرکے دامنِ کوہ میں پہونچگیا۔

۲۔ کالو (نام راجہ) سرکش یہ دیکھکر کانپ اُٹھا اور مطیع ہوگیا۔

۳۔ کالو نے اطاعت کے ساتھ ہر خدمت مالی و جانی پیش کی اور عمدہ عمدہ
کوہستانی تحائف و ہدایا بھی دیئے۔

۴۔ بادشاہ نے نگرکوٹ کے راجہ پر بھی دھاوا کیا۔ جس میں میر منگلی منتظم بنایا گیا اور
اس کے ساتھ بہت نامور کئے گئے جنھوں نے خوب جان توڑ کر چاروں
طرف سے راجہ پر حملہ کیا۔

۵۔ راجہ نگرکوٹ بھی مطیع ہوگیا اور بے حد مال و دولت دے کر صلح کرلی۔

پس بیان واقعات پر نظر کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ وسط الحیوٰۃ کے کلام کی یہ خصوصیت
(تاریخی) منفرد ہے جس میں کوئی دیوان اس کا شریک نہیں۔

تضمین علوم وسط کے کلام کی تیسری خصوصیت تضمین علوم و فنون ہے۔ امیر نے مواعظ و

حکم کو چھوڑ کر جہاں کہیں نکات صرف و نحو، منطق، نجوم، فلسفہ، کلام وغیرہ نظم کرنا شروع کئے ہیں قلم توڑ دیا ہی۔ ایک علمیہ قصیدے سے جس کا نام بھی علمی مناسبت سے "عالم العلم" رکھا ہی کچھ اقتباس ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہی جس سے وسط کی اس خصوصیت کا حال اچھی طرح روشن ہوگا۔ (یہ قصیدہ کسی کی مدح میں نہیں ہی صرف حکمیہ ہی)

ذکر فن کیمیا، سیمیا اور طبیعی

چند گویم کا سماں بوتہ ست و طبعم کیمیاست
کآتش اندر بوتۂ ہر کیمیائے می زنم

بس دقیق ست این خراسِ کہنہ من زاں بستہ چشم
چوں شتر چرخے بگرد آسیائے می زنم

سیمیا کارے ست کارِ چرخ لعبت باز من
چشم باز و دست را بر سیمیائے می زنم

فنِ نحو

حرف دارم ناقص و محکوم غیرے ہمچو فعل
گرچہ از اسم علم عالی علائے می زنم

دہر بر دشنام شد مفعول مطلق بر ہمہ
حرف ایشاں را در انگشت صحائے می زنم

فنِ منطق

ہست انساں لاشئ جو جو خورش چوپان من
ہم ہمایم طوفے از بہر غذائے می زنم

نیستم انساں نہ حیواں بلکہ جسمِ نامیم
کآب خاکے می خورم نشو و نمائے می زنم

آدمی حیوان ناطق داں چو شد ناحق شناس
ناطقم اینک نہیقی جاں گزائے می زنم

علم کلام و دلائلِ توحید

داں کہ علت گفت حق را چوں بود بہرِ شفا
علّتش را از شفائے دین دوائے می زنم

شرک نارم ور بگوئی صانع خیرست و شر | خنجرِ سر بر سرِ ہر ماسوائے می زنم
یک زباں در یک تن از بہرِ دو فراہم گشت صد | وز یکے ثابت ہمیش را بلائے می زنم
چوں دوم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے | من یکے گویم و چرخ از دلائے می زنم

فن نجوم

ناقصے را ماہ خوانم گاو را بروے شرف | بے شرف گاوم کہ رائے در ریائے می زنم
مشتری ہستم سعادت را دے چوں مایہ نیست | بیع و شری می کنم لافِ شرائے می زنم
جو یم ار سہم سعادت در رسد سہمے زغیب | کار لقائع سعد اکبر بر ہمائے می زنم

کل کا کل قصیدہ اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس پر تشریحی تبصرہ دوسرے باب میں آئے گا۔

سلاست و عذوبت اور پختگی

چوتھی خصوصیت وسط کے کلام کی سلاست و روانی اور پختگی و شیرینی ہے تحفہ کی طرح اس میں تکلف تصنع اور آورد بالکل نہیں جہاں کہیں کسی صنعت سے کام لیا ہے نگینے جڑ دیئے ہیں چنانچہ وسط کے دیباچہ میں امیر خود فرماتے ہیں ؎

"بعد ازاں بہ از نو خیزانِ عصر شاہد سخن را چاشنی دہندہ و جنبش قلم را در دش آیندہ و مرجانِ معانی را کلید زندہ و مرجان الفاظ را یختن خندہ برانگیختم ؎

طرفہ آب ست دریں چشمۂ حیواں کہ ازو
دوست شد زندۂ جاوید و بد اندیش بمرد

ہم ذیل میں وسطا اور تحفہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے دونوں کی سلاست و پختگی کا فرق بآسانی واضح ہو جائے گا۔

(۱) تشبیب

تحفۃ الصغر	وسط الحیوٰۃ
گشت چو بہمن لے پسر شحنۂ لشکر چمن	رُخ ز حجابِ زلف اگر آئینہ بروں کشد
در قدحِ جہاں نما خونِ سیاوشاں فگن	کیست مشاطہ کائینہ ز آئینہ داں بروں کشد
از مُلِ آتش نشاں آئینہ زاے کن قدح	بسکہ ز بلبلاں کشد سرو بباغ سرزنش
کز گلِ عنبریں بآن غالیہ سائے شد چمن	چوں ز قبائے لالہ گوں سرو جواں بروں کشد
از خطِ سبز باغ را دعوئے دلبری رسد	گر دلِ من زغم شود در پیں لفا و نہاں
چوں دو گواہ راستن آمدہ سرو نارون	شانہ نگر ز سرکشی مُہرے گلستاں بروں کشد
گل چو نمود زیر لب حقۂ شکرینِ خود	چوں کہ در آبِ چشمِ من کشتیِ صبر غرق شد
از ہوسِ لبانِ او آمدہ آب در دہن	کیست کہ رختِ بیکسی زآبِ دواں بروں کشد

وسط الحیوٰۃ کے اشعارِ منقولہ کے مقابلہ میں تحفۃ الصغر کے بہترین تشبیب کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ بظاہر دونوں تشبیبوں میں یکساں روانی معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک ذہنِ مبتدی اور مشاق میں ہوتا ہے۔ الفاظ بان اور لبان (جمع لب) اور محاورہ آب در دہن آمدن خود ظاہر کر رہے ہیں کہ ابتدائی مشق ہے اگرچہ الفاظ کا شکوہ و توازن قائل کی جودتِ طبع پر بھی دلالت

کر رہا ہے۔ بخلاف وسط کے اشعار کے جن میں روانی اور سلاست کے ساتھ پختگی ترکیب اور شستگی الفاظ اس بلا کی ہے کہ کسی کو انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ملتی۔ تیسرے شعر میں زلف شانہ اور سرکشی کے اجتماع سے مضمون کس قدر بلند ہو گیا ہے؟ دل غم کے ڈر سے زلف (یار) میں چھپ جاتا ہے لیکن شانہ اس کے بال پکڑ کر باہر نکال لاتا ہے۔ کس قدر ظلم ہے؟ ۔ ؎

شانہ نگر ز سرکشی ہوئے کشاں بروں کشد

نہایت پاکیزہ تخیل ہے۔ چوتھا شعر بلاغت کی انتہائی حد ہے۔ اظہار غم اور اپنی بیکسی پر رحم دلانے کا اس سے بہتر اسلوب کیا ہو سکتا ہے کہ کہا جائے۔ بے تابی سے آنسو کا دریا رواں ہے، صبر و قرار کی ناؤ ڈوب گئی ہے جس سے اک عام آواز ترحّم اور المدد کی نکل رہی ہے ؎

کیست کہ رخت بیکسی زآب رواں بروں کشد

(۲) مدائح

وسط الحیوٰۃ	تحفۃ الصغر
قلب شکن شہنشہا بندۂ کمترین تو	اے ملک ملک صفت کرنپے شمع مجلست
قالب خاک بشکند قلب جہاں بروں کشد	طشتک آفتاب را ساختۂ آسماں لگن
بہر گریختن کند کوہ قیامت آرزو	سنگ نغلگند ز لیج حت فلک ز ہیبتت
در عرصات رزم اگر گرز گراں بروں کشد	تا تو کنی زسینگ ادستۂ تیغ خویشتن

تحفۃ الصغر	وسط الحیوٰۃ
خصمِ حرام زادہ را زرم کند ادیم ساں	خصم ز پیش لشکرش زیر زمیں فرو برد
خنجرِ او کہ از صفت ہست ستارۂ یمن	گرچہ صفے ز حد بروں مورچہ ساں بروں کشد

تحفہ کے اشعار میں لگن، سینگ دستہ کے استعمال سے جو ضعف موجود ہے ظاہر ہے علاوہ ازیں آخری شعر میں خصم کی صفت حرام زادہ لائی گئی ہے اور ممدوح کے خنجر کو سہیلِ یمن قرار دے کر اتمام تشبیہ کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کا استعمال بجائے خود نامانوس ہے جس کے لئے ایک شستہ اور مہذب کلام موزوں نہیں ہوسکتا۔ اس کے مقابلہ میں وسط کی مدح دیکھو کوئی شعر بھی سلاست و پختگی سے گرا ہوا نہیں ہے اور لطف تجنیس کا طرہ مزید برآں۔ تحفہ کے کل کلام کو اسی پر قیاس کرلینا چاہیئے۔

اب غرہ باقی ہے۔ اس کے کلام میں اور وسط میں جو نسبت ہے وہ بھی مثالوں سے واضح ہوگی۔

(۱) مواعظ و حکم

وسط الحیوٰۃ	غرۃ الکمال
مباش خفتۂ طفلاں بگاہوارۂ تن	باش تا پردہ بر اندازد جہاں از روے کار
کہ آفتابِ قیامت درآمد از روزن	وانچہ امشب کردۂ فردات گردد آشکار
ازیں نشیمن اگر مرغ زیرکی برپر	تا فقیراں بینی آنجا پا بمردِ دستگیر
کہ آشیانِ غرورست و دامگاہِ محن	تا امیراں بینی آنجا زرد روے و شرمسار

غرّة الکمال

هر کہ اینجا در بدر آنجاش خوانی بادشاہ
هر کہ اینجا پیش رو آنجاش بینی پیشکار
رو ریاضت کن کہ زو بسیار مرداں رانجک
این نگار ابلقِ مطلق عنانِ روزگار
مرد گر خواہد کہ بر گردوں شود باید صفا
آب گر خواہد کہ بر بالا رود گردد بخار

وسط الحیوٰة

زمانہ خانۂ دیوست اگر اماں طلبی
قدم بروں منہ ازیں دیولاخ اہرمن
مدار دست ز فتراک صاحب اقبالے
کہ چیرہ دست بود بر عنانۂ توسن
روندہ از نظرِ رہنما رسد بمقام
نہ از سجادۂ زنبیل و خرقہ و سوزن

دونو انتخاب منقبت شیخ کے قصائد سے ماخوذ ہیں۔ قدر مشترک دونو جگہ مواعظ و حکم ہیں نفس مضمون (تذکیر و تزکیۂ نفس) کے لحاظ سے دونو یکساں ہیں۔ لیکن عذوبت و سلاست غرہ کے اشعار میں زیادہ ہے اور یہ فوقیت غرہ کے قصائد میں مواعظ و حکم (حمد و نعت و منقبت) کی خصوصیت مختصہ ہے (جیسا کہ غرہ کے تبصرہ میں مفصل آئے گا)

(۲)

غرّة الکمال

صبا آنگاہ آں آمد کہ راہِ بوستاں گیرد
زمیں را سبزہ در دیبا و گل در پرنیاں گیرد
تماشا کن کہ چوں بگرفت لالہ کوہ را دامن
کسے کو تیغ بے موجب کشد خونش چناں گیرد

وسط الحیوٰة

صبا امروز پیغامِ گل آورد دست سوئے من
کہ یادت می دہم وقتِ شراب و موسمِ گلشن
چمن چوں خار سوزن زد بر ردائے اطلسِ لالہ
فرو نگذاشت از آرائشِ گل یکسرِ سوزن

غرّة الکمال

ز بادِ غنچہ مرغاں را نو البتہ شود تا گل
بساز د پردۂ نو روز و بلبل خود ہماں گیرد
کتابے شد گل از غنچہ تو بکشا مصحفِ خود را
بہ بلبل دہ کہ سبقِ کیف یحیی الارض زاں گیرد
سمن چوں یاسمن از دست چیں نبود کہ پیوستہ
ز تریِ زمینِ باغ ہر روز آبِ وشاں گیرد

وسط الحیٰوة

منم امروز صحنِ باغ بازی کردنی با گل
کہ بلبل ار چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن
بگوے غنچہ کاندر مہد چوں طفلاں شدی بستہ
کہ آخر یوسفِ گل را چرا شد پارہ پیراہن
سمن ہر روز دریا را چرا ترمی کند جامہ
مگر ترسد کہ آتش گیردش از لالہ در دامن

سلاست کے اعتبار سے دونو تشبیبیں ایک پلّہ کی ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر حق ترجیح حاصل نہیں مضامین کے علاوہ الفاظ تک مشترک ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارے یہ تشابیب میں وسط اور غرہ مساوی الاقدام ہیں کچھ فرق نہیں۔ وسط کے دیباچہ میں امیر نے اس سلاست پر فخر کرتے ہوئے یوں رقم کیا ہے :-

”گاہ غزل (تشبیب) رواں و تر، چوں آبِ حیات بلکہ از آبِ حیات رواں تر از سواد بیروں می ریختم، و جانِ استادانِ گزشتہ را زندہ می گردانیدم ..... و پیوستہ ہمبریں آب جدول سفینہا باہر چشم و رو آشنائی می دادم و در بحر رویت آشنا باز گونہ می کردم کہ ہیچکس را در و سخن نبود و ہیچکس سخن“

یعنی وسط کی غزلیں جن میں تشبیب قصائد بھی داخل ہیں نہایت سلیس و رواں ہیں اور متقدمین کی طرز پر اس طرح لکھی گئی ہیں کہ ان کی طرز از سرِ نو زندہ ہو گئی اور

خود ان پر نہایت پاکیزہ نقش و نگار اضافہ کئے جن پر اب کسی کو اضافہ کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس بحث کے ضمن میں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ عذوبت و سلاست میں (جس کا ذکر اوپر ہوا) وسط کا کلام متقدمین اساتذہ میں سے کس کے کلام کا متتبع ہی؟ اور اُس زمانے میں عام طور پر کس کے کلام کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا؟ ان دونوں باتوں کے متعلق دیباچہ وسط الحیٰوۃ میں خود امیر کے یہ الفاظ ہیں۔

"مردمان سودات سپاہانی در چشم می کشیدند۔ بندہ نیز بہ حکم تتبع آزادگاں آں سکّہ را خریداری کرد۔ وآں سعادت را مشتری شد۔ ویگان چہارگانی را بطرز سپاہانی باصحاب کمال می نمودم وازانم جائے حاصل می آمد"

یعنی اُس زمانے میں کمال اسمٰعیل صفاہانی کا کلام عام پسند تھا۔ امیر نے بھی اُسے پیش نظر رکھکر آزادانہ تتبع کی کوشش کی اور محاسن شعری مثل ایہام خیال وغیرہ میں اپنا کلام خلاق معانی کے ہم پلّہ کرکے دم لیا۔ لیکن کمال کے تتبع کی یہ بحث وسط کے صرف قصائد کے لحاظ سے ہی۔ باقی نفس تغزل[1] کے لحاظ سے امیر کا جو پایہ ہی اُس سے کمال کو کیا نسبت؟

رنگی خصوصیت تاریخی کے محل بیان میں رنگی پر ضمناً روشنی پڑ چکی ہے۔ لیکن مستقل طور پر خصوصیتِ رنگی قائم کرنے کی وجہ امیر خسرو کا وہ بے نظیر طرز رنگی ہی جس کی نظیر خود اُن کے دوسرے کلام میں ملتی ہی نہ کہیں اور۔ یہ ظاہر ہی کہ

---

[1] غزلیات کے متعلق دوسرے باب میں مفصل تبصرہ آئے گا ۱۲

مرثیہ نگار متوفّی کے محاسن و مدائح سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور خود اس کے غم و اندوہ سے متاثّر ہو کر دوسروں کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص اس خواہش میں کامیاب ہو جائے اور یہ وصف علیٰ وجہ الکمال ہر نام نہاد مرثیہ نگار میں موجود ہو بلکہ یہ کمال صرف ایسے اہلِ سخن کے حصہ میں آتا ہے جو بیانِ محاسن، ترتیب واقعات اور احصائے جزئیات اس انداز سے کریں کہ ایک طرف سامعین متوفی کے اصل محاسن سے واقف ہو جائیں اور دوسری طرف اس سے اسی قدر ہمدردی کا اظہار کریں جیسا کہ شاعر کرتا ہے۔

امیر خسرو کے طرزِ رثی میں یہ بات موجود ہے۔ ان کے مرثیہ سے جس طرح سامع کو جزئیات واقعہ اور محاسنِ متوفی پر واقفیت ہوتی ہے اسی طرح اس کا دل متوفی کے ساتھ ہمدردی اور غم و حزن سے لبریز ہو جاتا ہے۔ وسط الحیٰوۃ میں امیر نے جو مراثی شہادت خانِ شہید پر انشا کئے ہیں اُن کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ لوگ مہینوں تک اُن کو پڑھتے اور ہر اک مقتول کے گھر جا جا کر غم و الم تازہ کرتے تھے۔ جس وقت امیر نے دہلی شاہنشاہی دربار میں حاضر ہو کر یہ دردناک مرثیے پڑھے ہیں تو اک کہرام مچ گیا اور خود سلطان غیاث الدین بلبن جیسا کوہ وقار بادشاہ بعارضۂ بخار مبتلا ہو گیا۔ (جو اس کے لئے مرض الموت بنا)۔

ان مراثی کے اکثر نمونے اور ان پر مفصّل بحث اگلے باب میں ملے گی چند نمونے یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

متوفیّ کے محاسن و فضائل کا ذکر

کو آں جہاں گرفتن و لشکر کشیدنش | بر اوجِ آفتاب علم بر کشیدنش
کو آں نگاہِ بار بہ بسند نشاندنش | صف ہائے صف دراں ہمہ تا در کشیدنش
کو آں ستاجہائے مرصّع فگندنش | اسپانِ نوبتی ہمہ در زر کشیدنش
کو آں ملوک خواندن و در مے نشاندنش | و آں بزم رست کردن ساغر کشیدنش

چوں سال و مہ تمام نگردد ثنائے او
آں بہ کہ صبح و شام بگویم ثنائے او

شروع کے ۵ شعروں میں حسب ذیل جزئیات کا احصا کیا ہے:

خان شہید کی لشکر کشی، فتوحات، بہادروں کی قدردانی، صف بندی، ساز و سامان، گھوڑوں کا ہمہ تن سونے میں لدنا، محفل ملوک، جشن نشاط، بحث علوم اور مسائلِ علمیہ کی موشگافیاں۔ اور آخر میں شمار محاسن سے اپنا عجز ظاہر کرتے ہوئے بند کو دعا پر ختم کر دیا ہے۔

وسط کی ایک رباعی میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

زیں واقعہ کہ امسال بملتان زاد است | از گریہ تغیر در جہان افتاد است
فریاد ز گوشش من بر آمد چہ کنم | ہر سوے کہ گوش می نہم فریاد است

بہرحال (غزل کو چھوڑ کر) قصائد، ترجیعات، رباعیات اور مثنویات سب میں یہ طرز موجود ہے اور قریب قریب وسط کی ہر صنف کا قلیل و کثیر حصہ وقف رثی ہے اور اس کی وجہ حوادثِ حاضرہ تھے۔

صنائع اور ایجادِ صنائع خصوصیات کے ضمن میں وسط کے صنائع و محاسن شعری کی بابت کچھ کہنا باقی ہے لیکن اس سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امیر خسرو کی کل تصانیف (نثر ہو یا نظم) صنائع بدائع کا گنجینہ ہیں اور ان سے زائد شاید ہی کسی نے اس باب میں اس قدر لزوم مالا یلزم کیا ہو۔ صرف ان کی نثر ہی کو دیکھو کوئی جملہ صنّاعی اور محسنات فن سے خالی نہیں۔ اگر حد شعر سے ردیف و قافیہ کی قید اُڑا دی جائے تو یہ کہنا بے جا نہیں کہ ان کا کل کلام "شعر" ہے۔ نثر میں مستقل تصانیف اعجازِ خسروی، خزائن الفتوح وغیرہ کے علاوہ انھوں نے اپنے دواوین پر جس قدر منثور دیباجے لکھے ہیں وہ سب مرصع عبارتیں ہیں جن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قادر سخن اور خلاقِ محاسن کو صرف استعمال صنائع ہی میں یدِ طولیٰ حاصل نہیں بلکہ خود ایجاد و اختراع صنائع پر بھی اس قدر قدرت ہے کہ اُس سے پہلے اور بعد کے زمانوں میں اور کسی کو نصیب نہیں۔ یہ محل ان کی تفصیل کلّی کے لئے موزوں نہیں یہاں وہ صنائع بیان کر دینا مناسب ہیں جن کو خاص طور پر انھوں نے وسط میں استعمال یا اختراع کیا ہے۔ لہذا چند نمبروں میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) وسط الحیوٰۃ میں زیادہ تر صنعت ذو معنین (جس میں ایہام و خیال باقسامہا داخل ہیں) کا التزام ہے چنانچہ اس کی بابت خود امیر کے یہ الفاظ دیباچۂ وسط الحیوٰۃ میں ہیں:

"باریک بیناں در ایامِ جوانی کہ وسطِ زندگانی ست بکلک تیز شکل درشتے اد

موئے شگافند و دو کنند و ایں نوع خاصہ طریق منطق ایں منطبق ست کہ ذو معنیین می نگینم
در ہر معنی من کہ چوں موے باریک بشگافند دو شود یعنی باریک در نظر آید سے

یکے معنی چو مویم را کہ بشگافند دو مو گردد — جوانم من ولے ایں طرفہ کاولادِ دو مو دارم

یعنی نکتہ شناس عہد جوانی میں کہ زندگی کا وسط ہے) اپنے قلم عطار د رقم کے تیر سے اندھیری رات میں (بھی) بال کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں بدیں وجہ اس عمر میں میرے کلام کا خاصہ بھی ذو معنیین ہے اور عام طور پر میرا کلام متضمن بدو معنی ہے تعجب ہے کہ ہوں جوان مگر اولاد (یعنی اشعار) ادھیڑ (دو رنگے) عمر کی رکھتا ہوں ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط کا زیادہ تر کلام ذو معنیین ہے۔ ذو معنیین کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :

ا۔ کلکِ من گر مشک دیزد ہم از آہوی منت — بر خطائے میزنم گر بے خطاے می زنم

آہو اور خطا کے دونوں معنی ملحوظ رہیں ۔

(ب) آدمی حیوان ناطق داں چو شد ناطق نشاں — ناطقم اینک نہیقی جانگزائے می زنم

حیوان کے دو معنوں میں سے ایک معنی عرفی مراد ہیں یعنی مطلق حیوان نیز یہ کہ "کل حیوان ناطق" کے لفظی معنی ملحوظ ہیں نہ اصطلاحی اور منطقی ۔

(ج) گرچہ خورشید انوری گردم چو گردوں از رقی — بے سنائی دم گراں انجم سنائے می زنم

انوری اور سنائی کے معانی لفظیہ مراد لیتے ہوئے خود حکیم سنائی اور انوری کا ایہام بھی

موجود ہے۔

(د) ہمائے فتح شد پروردہ در زیر پرت   زراغ کاشیانش بر سر زاغ کماں باشد

یہاں زاغ کے ہر دو معنی (یعنی زاغ کمان اور زاغ پرند) کا احتمال ہوتے ہوئے صرف ایک معنی (اوّل) کا لحاظ ہے۔

۲ ۔ ان معمولی صنائع (مخترعہ سابقہ) کے استعمال کے علاوہ امیر خسرو نے وسط الحیٰوۃ کے حمدیہ قصیدے میں ایک نئی صنعت کا ایجاد کیا ہے۔ وہ یہ کہ قصیدے کے ہر شعر میں آیاتِ قرآنی کا اقتباس کرکے اس طور پر نظم کیا ہے کہ اُس سے مواعظ و حکم پر استناد یا استشہاد بخوبی ہو سکتا ہے۔ حمد میں یہ التزام بالکل نیا ہے۔ اس حمدیہ پر مفصل بحث تو اگلے باب میں آئے گی۔ یہاں چند اشعار بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں ؎

شکرِ او گویم وگرنے ما گدایاں را زغیب   قسمتِ روزی دہد واللہ خیر الرازقین

ہیچ چیزے نیک و بد پیدا نگردد در جہاں   ہرگز الّا ان یشاء اللہ رب العالمین

دیدۂ نقاش را کز خونِ دل صورت کند   آں نگار و صورتِ نقاش من ماءٍ معین

دیکھو ہر دعوے کو آیتِ قرآنی سے مستدل کیا ہے۔ ایسا کوئی قصیدہ تحفہ اور غرہ میں موجود نہیں۔

۳ ۔ وسط میں ایک اور نئی صنعت کا اختراع کیا ہے جو تحفہ میں نہیں پائی جاتی ۔ اس صنعت کا نام انھوں نے صنعت تخلص حامل موقوف رکھا ہے جس میں یہ التزام

کیا گیا ہے کہ ممدوح کی مدح کے ساتھ ایک بیت میں لقب اور دوسری میں اس کا نام لایا جائے اور صنعت کی علّتِ غائی یہ بیان کی ہے کہ اگرچہ بیت سرخ سے یہ پتا لگ سکتا ہے کہ یہ قصیدہ فلاں صاحب کی مدح میں ہے لیکن اگر بیت سرخ محو ہو جائے تو پھر بقائے نام کی صورت بجز اس کے متصور نہیں ہو سکتی کہ خود شعر میں مدح کے ساتھ ممدوح کا نام نظم کر دیا جائے اس طور پر یہ غرض بخوبی حاصل ہو سکے گی۔ اسی کی تائید میں فرماتے ہیں

نکوتر چیزے اندر شعر نام ست | کہ مانی زندہ زیں نقشِ سیاہی
تنِ خسرو بمیرد ایں یقین ست | دلِ خسرو نمیرد ہیچ گاہی

گویا شعر کو امیر خسرو نے آخری مصرعہ میں دل سے تعبیر کیا ہے اور شاید خواجہ حافظ نے عشق سے

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما (خواجہ حافظ)

اس صنعت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) شرف الدولہ فتح ملک کے لئے

اکنوں کہ آب دیدہ بلاگشت مر مرا | چشم مرا کہ باز خرد از بلائے آب
دریائے مکرمت شرف الدولہ فتح ملک | اے آنکہ ریزی از سخنِ جانفزائے آب

(ب) سلطان محمد خاں شہید کے لئے

ہنوز تا چہ کند غمزہ ہائے کینہ ورت | اگر ز لطف بریں بندہ مہرباں نبود

ستودہ نصرتِ دنیا محمدِ سلطاں   کہ جز بذاتِ وے از مجمت نشاں بود

(ج) شمس الدین دبیر کے لئے

چوں زغم سوختہ گشتند رواں آبِ حیات   از خطرِ صدرِ جہاں وارہ بروں آوردند

شمس دیں مردمکِ چشمِ خرد کز دل او   فضل را قیمتِ مقدار بروں آوردند

۴۔ وسط میں اک مفید اور عجیب صنعت جو امیر خسرو کی ذکاوت و دوربینی کی دلیل ہے۔
وہ صنعت ہے جو انھوں نے بطور معما وسط کی مجموعی ابیات کے متعلق ایجاد کی ہے۔
اگرچہ بعض اصناف کی تعداد انھوں نے ختم صنف کے آخر میں ایک ایک بیت کے
ذریعہ بیان کردی ہے۔

مثلاً قصائد کی تعداد اس شعر میں ۵۸ بیان کی ہے۔ ؎

شعر ایں دیوان پنجاہ و ہشت ست در شمار   ہر کہ ایں را کم کند یارب کہ کم بادش بقا

اور ترجیعات کی تعداد اس بیت میں ۱۰ لکھی ہے ؎

چوں زدہ ترجیع صد سلک گہر دیدی کنوں   قطعہائے زر اگر خواہی بدکانِ من آ

اور قطعات کی تعداد اس میں ۴۲ بتائی ہے ؎

ایں چہل قطعہ است و دو گر کم نویسد کس یکے   باشد ایں نقشِ چہل بر چہل آں جاہل گوا

لیکن ان اشعار سے قصائد، ترجیعات اور قطعات کی مجموعہ ابیات کا پتا نہیں چلتا
اور نہ وسط کے باقی اصناف کی تعداد اور ان کی مجموعہ ابیات کے متعلق کچھ معلوم ہوتا ہے۔
اس کمی کو یہ قطعہ پورا کرتا ہے جس میں وسط کے جملہ اصناف شعر کی مجموعی تعداد ابیات

بتائی گئی ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے ؎

واسطست از پئے حیاتِ ابد — ایں کتاب از چنیں خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہاے ترش — ہشت ابر آمدست بر یک آب
غیم یعنی کہ ہشت بار بخواں — ما بیک بارہ دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکےست و ہشت ہزار — ہمہ بیت از چہل کشادہ نقاب
ایں شمارست وضع بندہ کہ نیست — ہیچ کس را درو محلِّ جواب

یعنی غیم کے اعداد (۱۰۵۰) کو آٹھ گنا کیا تو (۸ × ۱۰۵۰) = ۸۴۰۰ ہوئے اس میں ما کے اعداد (۴۱) اور ملائے تو کل آٹھ ہزار چار سو اکتالیس (۸۴۴۱) ہو گئے یہی تعداد وسط کی کل ابیات کی ہے۔

آخری شعر میں امیر خسرو کا اس ایجاد پر فخر کرنا بالکل بجا ہے غالباً اُن سے پہلے کسی نے اپنے مصنفات کے متعلق یہ التزام و اہتمام نہیں کیا۔

بہر حال امیر کے صنائع بدائع کے متعلق بحث کو طویل کرنا لا طائل ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنۂ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

وجہ ترتیب وسط

تحفۃ الصغر کی طرح امیر خسرو وسط کے کلام کو بھی جمع کرنا نہ چاہتے تھے لیکن بعض احباب و مخلصین جن کے پاس یہ کلام (تمام تھا) محفوظ تھا مصر ہوئے کہ اس کو جمع کر دیا جائے۔ بنا برآں مرتب کیا گیا اور وسط الحیوۃ کے نام سے

موسوم ہوا۔ دیباچۂ وسط میں اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں :

بعضے ابنائے جنس و اخوان انس بنات ابیات و امہات قصائد من و
اخوات آں را بہ پردۂ اخوت باعصمت تمام نگاہ داشتہ بودند ہر یک را زمن
جلوہ کروند تا من آں مخدرات را از کاغذ قلم در لباس حریر و قصب بیارا استم و
عقد تحریر آوردم ؎

مودّ بند ہمہ زادگانِ خاطرِ من

وسط میں اصناف شعر

وسط الحیوۃ میں قصائد اٹھاون[۵۸]، ترجیعات دس[۱۰] اور قطعات بیالیس[۴۲] ہیں اور یہ تعداد اُس تصریح کے مطابق ہے جس کا ذکر امیر خسرو نے کیا ہے۔ باقی اصناف مثنویات دو[۲]، غزلیات تقریباً تین سو[۳۰۰] اور رباعیات ایک سو ستاون[۱۵۷] ہیں۔ یہ تعداد نسخ منقول عنہا کی بنا پر ہے۔

باب دوم

وسط پر تفصیلی نظر

(یعنی وسط کے قصائد، ترجیعات، قطعات، رباعیات، مثنویات اور غزلیات پر مفصل تبصرہ)

قصائد

حمد

حمد رانم بر زبان اللہ رب العالمین — آنکہ بخشیدہ است از قرآں ھدی للمتقین

از سپیدی و سیاہی گیر تا لوح و قلم — یک رقم از خطِ حکمش وھو خیر الحاکمین

رحمتش بین مہرباں چوں مادرے کز فرث و دم[1] — شیر خالص می رساند لذۃ للشاربین

شکر اگر گویم وگرنے ما گدایاں را زغیب — قسمتِ روزی دہد واللہ خیر الرازقین

واں کہ از قندِ شکر ہم کرد شیریں کامِ خویش — از نوالش خورد حلوا را سیجزی الشاکرین

تحفۃ الصغر کی طرح وسط الحیوٰۃ کی حمدیہ نظم بھی طویل نہیں ۴۳ شعر ہیں ہر شعر میں اقتباس آیاتِ قرآنی کیا گیا ہے۔ مواعظ و حکم کے ضمن میں حمد کا انداز اور اس پر یہ التزام، بالکل جدید اسلوب ہے۔ حمد کی ابتدا تربیت عالم اور ہدایت پرہیزگاران سے کی ہے، ربوبیت کے بعد احکم الحاکمین کی غیر متناہی وسعت کا بیان اور اس کے امر کُن سے لوح، قلم، دن، رات اور

---

[1] آیت، وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونھا من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین (پارہ ۱۴ سورۃ النحل)

تمام کائنات کا موجود ہونا اور شان رزّاقی و رحمت عامّہ کا ذکر مسلسل و مرتّب طور پر کیا گیا ہے "رحمتش ہیں" میں تنبیہؔ کا نکتہ بھی ملحوظ ہے جس سے نعماء الٰہی پر شکر کی توفیق ہوگی۔

"من غلامِ روئے اینشانم کہ او بر روئے شاں | خال دیں بنہاد و اندر خلد کانوا خالدین
نورِ آمنّا برب العالمین داد از رسل | اہلِ ظلمت راکہ می گفتند کنّا مشرکین
انبیا را از پئے اللہ خطبۂ دولت نوشت | بر زِ خبر از دفتر کلاً جعلنا صالحین

اہل اللہ اور صلحا کا خادم ہونے سے صرف اُن کی عظمت ہی مقصود نہیں بلکہ یہ بھی بتانا ہے کہ ان نفوسِ مقدسہ کا وجود محض انعام و فضل رب ہے، مشرکین کا ہدایت پاکر عذاب دائمی سے نجات پانا اور حضرات انبیا کی کوششوں کا بارآور ہونا بھی اک نعمتِ عظمیٰ ہے، عند البیعت حضور (صلعم) کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ بتانا باری تعالیٰ کی کمال رحمت اور انسان کی کمال شرافت پر دال ہے۔ آگے چل کر استقراء ابراہیمی سے دینِ حق (اسلام) کے فطری ہونے کو نہایت ایجاز کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے ؎

آں کہ از نورِ ہٰذا ربّی آمد از درست | چوں عنایت یافت گوید لا اُحبُّ الآفلین

اس استقرا میں حسب ذیل آیات وارد ہوئی ہیں :-

۱- فلما جنّ علیہ اللیل را ای کوکبا قال ھٰذا ربی فلما افل قال لا احبّ الآفلین،

۲- فلما رای القمر بازغا قال ھٰذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین

۳- فلما را الشمس بازغۃ قال ھٰذا ربی ھٰذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بریٔ مما تشرکون

۴ - انی وجّہت وجہی للّذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔

اوّل کی تین[۳] آیات میں کواکب، قمر، اور شمس ہر اک کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا قول ھذا ربی نقل ہوا ہے اور اُن کے چھپ جانے پر بیزاری کا اظہار جملہ لا احب الآفلین میں کیا گیا ہے۔ حضرت امیر نے اس شعر میں انہیں دو جملوں کا اقتباس فرما کر استقرار ابراہیمی کی طرف اشارہ فرما دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مٹ جانے والی ہیں اور مٹنے والی چیز ربوبیت کی اہلیت نہیں رکھتی اس لئے یہ سب چیزیں ربوبیت کی اہلیت نہیں رکھتیں یعنی رب نہیں ہیں۔ بلکہ ان سب کے سوا جو ذات غیر متغیر اور ان سب کی پیدا کرنے والی ہے وہی رب ہے۔

نعت

وسط الحیوٰۃ میں تین قصیدے نعتیہ ہیں سب سے پہلا یہ ہے:

وفا رانیست در آئینۂ عالم نموداری	کہ از آسیب ہر تر دامنے بستت زنگاری
نہ بینم صیقلے صدق تا ز آئینہ بزداید	کہ رخسار سلامت را پدید آید نموداری
ولیکن صورت از آئینہ چوں بزدایت بینندہ	نگر صورت کہ ندہد آئینہ از صورت آثاری
دریں عہد از کسے کایں نکوئی بود صورت	نکو صورت کسے بینش نہ مردم روے سنگساری

خاقانی کے نعتیہ "قحط وفا ست در بنہ آخر الزماں" کی طرح امیر نے بھی اس نعتیہ کا آغاز مواعظ و حکم سے کیا ہے اور زمانے کی غداری و بے وفائی پر شان دار تشبیب لکھی ہے۔ آئینۂ عالم کا کثرتِ گناہ سے زنگ آلود ہو جانا اور اس میں سلامت وفا کا منعکس نہ ہونا اور کسی صیقل گر کا کہ اس کو صاف کر دے نہ پایا جانا مواعظ و حکم کے ایراد کا بہترین

اسلوب ہے، آئینۂ صورت، زنگار اور صیقل کا اجتماع اور آئینہ و آئین کی صنعت تجنیس بھی پُر لطف ہیں۔

مخلص و آغاز نعت: ؎

بحمد اللہ کہ اکنوں از شفائے غیب شخصم را | نہ از تب ہست آسیبے نہ از ہرزہ آزاری
زمین آر د برون تب را چو بینم نعتِ احمدؐ را | بہ بازوے دلم از رشتۂ جاں بستہ طوماری
محمدؐ نوشدار وے کرم کامد ز شہدِ لب | شفائے ہر تنے زاں دو و عصیاں گشتہ بیماری

"نوش دار وئے کرم" سے حضور پر نور کے "کریم ہونے" اور شہد لب سے "انا افصح العرب والعجم" کی طرف لطیف اشارہ ہے اور نظامی کے مصرعہ ؎

لب از بادِ عیسیٰ پُر از نوش تر

کا مضمون ہے۔ آخری مصرعہ میں امیر نے آپ کا طبیب روحانی ہونا اور ہر مریضِ عصیاں کے لئے شفائے تام ہونا خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔

معراج اور اُس میں جدّتِ اسلوب

الا اے بلبلِ ما ذاغ و ما زاغے چو تو بلبل | بہ دنیا کے نظر دارد چو زاغاں سوے مرداری
تو مرغِ چشمۂ عینی سر از نہ چرخ بر کردہ | بہ مقدارے کہ مرغے می کند از آب منقاری
کمند افگندی از گیسو بکنگر ہائے عرش آنگہ | ببامِ عرش بر رفتی زہے شب گرد عیاری

پہلے شعر میں آیت "ما زاغ البصر و ما طغیٰ" کا مضمون شاعرانہ انداز میں ادا کیا گیا ہے۔ "ما ذاغ" پر قوتِ تخیل صرف کر کے زاغ، ما زاغ، بلبل اور

نظر کے ایراد سے امیر نے اس شعر کو لفظی و معنوی محاسن کا مجمع بنا دیا ہے۔ دوسرے شعر میں مرغ، چشمہ، عین اور منقار میں رعایاتِ لفظیہ ملحوظ ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ چشم زدن میں مسافت نہ چرخ طے ہوئی ؎

تنِ او کہ صافی تر از جانِ ماست
اگر آمد و شد بیک دم رواست (نظامی)

آخری شعر میں اسی مضمون کو باسلوب دیگر لطیف تشبیہ و استعارے میں ادا کیا ہے "زہے شب گرد عیّارے" کا لطف اس شعر سے حاصل ہوگا ؎

بتاراجِ اسیراں زلفِ تو عیّارہ می دارد
بخوں ریزِ غریباں چشمِ تو ہشیار تر بادا (خسرو)

نعت (۲)

تشبیب

نسیمِ بہاری خوشش آمد ہوا را	کہ برگے دہد بلبلِ بے نوا را
کشیدا زمیاں بید شمشیر لرزاں	کنوں دستِ بنا چہ پائے خارا را
بہشت ست باغ اندو سرو و طوبیٰ	کہ ہمسایۂ سدرۃ المنتہیٰ را
ہوا گرم شد بادِ سرد اندر آمد	گلِ لعل بکشاد بندِ قبا را
چو آتش کہ از چوب از سنگ خیزد	گل و لالہ می خیزد از خار خارا

بلبل کے باساز و برگ کہنے سے "جوشِ گل" کا اور "شمشیر لرزاں" سے بید کی نزاکت کا استعارہ بلیغ ہے۔ سایۂ سرو کو سدرۃ المنتہیٰ اور طوبیٰ کا سایہ قرار دینا

لطافتِ ہوا کے بیان کا بہترین اسلوب ہے۔ مصرعہ ؎

ہوا گرم شد بادِ سرد اندر آمد

میں گرم ہوا کے لئے "شد" اور سرد کے لئے "آمد" کا ایراد لطیف ہے۔ گل کے بندِ قبا کھولنے سے پھول کے کھلنے کا استعارہ اور چوب و سنگ سے آگ نکلنے سے گل و لالہ کے اُگنے کی تشبیہ نادر ہیں۔ ان محاسن کے علاوہ تشبیب میں اک خاص حلاوت اور سلاست پائی جاتی ہے جو ابیات کے باہمی ربط سے پیدا ہوئی ہے۔

کل انبیاء کرام کے بعد حضور کا تشریف لانا:

گر آخر رسی اے رسیدہ ز اوّل	تو آخر شہِ اوّلی انبیا را
اگر پس رسی جملہ را پیشوائی	بہ پس رفتنت محرم پیشوا را

یعنی آپ ذاتاً و رتبۃً تو کل انبیا سے مقدم ہیں لیکن آپ کا ظہوراً و بعثۃً سب سے آخر تشریف لانا آپ کے کمال قرب اور محرمِ راز ہونے کی دلیل ہے ؎

پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدۂ	ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختمِ رسل قرب تو معلومم گشت	دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ

(۳)

تیسرا نعتیہ کمال اسمٰعیل صفاہانی کے ہم ردیف و قوافی ہے۔ ذیل میں دونوں کی تشبیب کے کچھ اشعار کا اقتباس کر کے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

امیر خسرو | کمال اسمٰعیل

رسید کوکبۂ آفتاب در سرطاں (۱) جہاں شد از نفحاتِ نسیم مشک فشاں

سحاب گشت بروے زمیں ستارہ فشاں چناں کہ از دمِ مجمر غلالۂ جاناں

شنیدہ ام سرطاں را بود بچشمہ گزر (۲) گشادہ ماشطۂ صنع روے بند عدم
(حیوان آبی)

عجب نگر کہ گزر یافت چشمہ در سرطاں بدست لطف ز رخسار خیرات حساں
(آفتاب "برج")

قمر کہ نانِ درستش پس از تہی بینی (۳) سر از دریچۂ ہستی ہمی کند بیروں

چرا بخانۂ او آفتاب شد مہماں ہر آں لطیفہ کہ بُد در مشیمۂ امکاں

نخست ہمچو سلیماں بہ تختِ باد نشست (۴) . . . . . .

پس آنگہے چو خضر تافت سوئے آب عناں . . . . . .

قدرِ مشترک دونوں کے ہاں تشبیب بہار و برسات ہے۔ امیر نے آفتاب کے برج سرطان میں پہونچنے سے موسمِ باراں کا بیان اور لفظ سرطان سے ایہام ذو معنیین سے کر اظہار استعجاب کیا ہے۔ ساتھ ہی آفتاب کے خانۂ قمر میں مہمان ہونے پر بھی تعجب کیا ہے، کمال نے بھی تشبیہات و استعارات کا مینھ برسا کر ذکر برسات کیا ہے اور

"ہر آں لطیفہ کہ بُد در مشیمۂ امکاں"

سے کائناتِ بہار میں لطف پیدا کیا ہے، لیکن امیر کے ہاں تشبیہات "ہمچو سلیماں" اور "چو خضر" قریب الفہم ہیں۔

امیر خسرو

(۱)

گہے نماید و گاہے نہاں شود خرشید

چو دخترانِ حریص از حجابِ شادرواں

(۲)

چگونہ برق نہ خندد کہ ژالہ سنگ انداز (خیمہ دریچہ)

حباب شیشہ گری را کشادہ کردہ دکاں

(۳)

کنوں بہر لبِ جوئے کہ بگزری دانی

کہ ربع مسکوں خود با محیط شد یکساں

(۴)

ز کوہ سیل خروشاں فرود می افتد

کہ می دوید و سر آمد بہ سنگہاے گراں

(۵)

بساطِ خاک چو دیباے آبگوں در رو

بسانِ صورتِ دیبا نظارگی حیراں

(۶)

چمن چو طوطیِ گوے حدیث خواہد کرد

چو دید از آئینۂ آب عکسِ خود بہ عیاں

کمال اسمٰعیل

(۱)

گہے ز دست نسیمست آب در زنجیر

کنوں ز شکل حبابست باد در زنداں

(۲)

چناں کہ بر سپرِ خیزراں پشیزہ سیم

حبابِ دائرۂ آب و قطرۂ باراں

(۳)

کنارِ آب و کنارِ بتاں ز دست مدہ

ازیں کنار ہمی روید آں کنار چماں

(۴)

ز زحمتِ دمِ باران و جنبشِ دمِ باد

اساس گنبدِ گل زود می شود ویراں

(۵)

بروبہ بیں کہ چہ زیبا کشید دستِ بہار

ز گونہ گونہ در اطراف باغ شادرواں (خیمہ)

(۶)

.. ..

.. ..

آفتاب کا کبھی دیکھ پڑنا کبھی ابر میں چھپ جانا، بجلی کا کوندنا، بوندوں سے بلبلے بن جانا، نالوں ندّیوں کا چڑھ کر سمندر کی برابری کرنا، پہاڑوں سے پانی کے ریلوں کا شور کرتے ہوئے نیچے گرنا اور سبزہ سے تمام روئے زمین کا مخمل بن جانا امیر نے اپنے فطرت نگار قلم سے رقم کیا ہے۔ دخترانِ حریص، دکان شیشہ گری، دیباے آب گوں وغیرہ

لطیف استعارات بھی موجود ہیں۔ کمالؔ نے صرف دستِ تسلیم سے آب در زنجیر اور شکل حباب سے "باد در زنداں" کے تخیلی نکتے پیدا کئے ہیں اور دائرۂ آب کو سپر اور اس پر قطرۂ باراں کو گلہائے سیمیں مان کر قوتِ شاعری صرف کی ہے اور شعر ؎

برو بہ بیں کہ چہ زیبا کشید دستِ بہار
زگونہ گونہ در اطرافِ باغ نشا دروان

میں، طرفِ چمن کا موسمِ بہار میں نقشہ کھینچکر دیکھنے والے کے اندازہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن حضرت امیرؔ نے شعر ؎

چمن چو طوطیِ گویا حدیث خواہد کرد
چو دید از آئینۂ آب عکسِ خود بعیاں

میں، طراوتِ چمن اور صفائے آب کی بولتی چالتی تصویر کھینچی ہے۔ فیضِ بہار سے چمن کا طوطی بن جانا اور چمن میں آبِ جُو کا آئینہ کی طرح مجلّٰی و مصفّٰی ہونا جس سے چمن بول اُٹھا ہے وہ نکتہ ہے جو کمالؔ کے شعر میں موجود نہیں۔

امیرؔ کا مخلص ؎

مرا بہ شعر مباہات نیست امّا ہست ۔۔۔ زبعد حمد بہ نعتِ گزیدۂ سبحاں
محمد ابنِ ذبیحین و صاحبِ توسین ۔۔۔ کہ زیب یافت از و دو کمان و دو قرباں

ہست و نیست میں اقرار و انکار دو مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے ہے۔ نعتِ محمدی نے شعر کو اس قابل بنا دیا کہ اس پر فخر و مباہات کیا جا سکتا ہے ورنہ شعر کی حقیقت بقول

مولنا نظامیؒ "چوں احسنِ اوست اکذب او" ہی جو ہرگز مباہات کے قابل نہیں۔
ابن ذبیحین (حضرت اسمٰعیل ؑ و حضرت عبد اللہ) اور صاحبِ قوسین میں حضور کی شرافتِ
نسبی اور معراج کی تلمیح کا نکتہ ملحوظ ہی۔

مراتبِ خاصّہ

امتناعِ مثل ؎

بشر بمثل تو گردد نہ گردد ایں ممکن ۔۔۔ ملک مکانِ تو دارد ندارد ایں امکاں

آپ نبی الانبیا ہیں ؎

کشید پیش تو دست اندر آستینِ ادب ۔۔۔ اگرچہ دستگہی داشت موسیٰ عمراں
مسیح خوانچہ کشے بیش نیست بر خوانت ۔۔۔ شکستہ از تو شود خوانچۂ فلک را خواں

آپ معلّم الانبیا ہیں ؎

معلّم اوست باوراقِ علّم الاسماء ۔۔۔ خلیفہ آدم و ما طفلے از دبیرستاں

باعثِ تخلیقِ خلق ؎

مکونات ہمہ روزۂ عدم می داشت ۔۔۔ بداں امید کہ قدرت نہد ز ہستی خواں

کائنات کا حضور کے خوانِ ہستی پر روزہ دارِ عدم ہونا۔ دبستانِ ازل میں
آپ کا معلّم اول ہونا اور اس میں حضرت آدمؑ کا خلیفہ اور تمام نوعِ بشر کا تلمیذ ہونا
ختمی مآب کے مراتبِ علمیہ کے اظہار کا بدیع اسلوب ہی اور لولاک لما
خلقت الافلاک کو متضمن۔

منقبتِ شیخ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرّہٗ امیر کے محبوب معنوی ہیں اُن کی منقبت میں امیر کا قلم افراط و تفریط سے بچ کر جادۂ اعتدال پر ہے، جو کچھ لکھا ہے وہ شایانِ شان سلطانی ہے۔ اس قصیدے کی تمہید زمانی کی بے ثباتی، عالمِ روحانی کی سیر، مرشدِ کامل سے تعلق، نفس کشی اور معارف وحقائق سے لبریز ہے جس میں بتایا ہے کہ ہر سالکِ طریقت کو کن اصول پر کاربند ہونا چاہیئے۔ سب سے پہلے مرشد کی نظرِ کیمیا اثر کی ضرورت ہے لکھتے ہیں ؎

روندہ از نظرِ رہنما رسد بہ مقام | نہ از سجادہ و زنبیل و خرقہ سوزن

آئینۂ دل کو زنگِ ماسوا (اللہ) سے صاف کرنا ؎

دلے کہ نورِ خدا اندرو مقام گرفت | خیال را نتواں داد اندرو مسکن
چو آئینہ کہ مقابل بآفتاب کنی | درو چگونہ کسے صورتے تواں دیدن

فریب وریا سے احتراز ؎

بلوث و زرق میالائے دامنِ طاعت | کہ زہرِ ناب شود از لعاب مارلبن

زہد وطاعات کا اظہار سالکین کے نزدیک "ریا" ہے جو راہ زنِ سلوک ہے خواجہ حافظ شیرازی لکھتے ہیں ؎

بشارت بر بکوے مُے فروشاں
کہ حافظ توبہ از زہد وریا کرد

اہل دل کا خاکِ پا بن جانا ؎

گل بقا طلبی خاکِ پائے مرداں باش ۔۔۔ کہ گل نتیجۂ خارست درمیانِ چمن

سب سے زیادہ ضروری چیز ہمت وسعی ہے: ؎

رسی بہمتِ عالی زاوجِ ہمتِ خویش ۔۔۔ کہ بود قطرۂ آب آنکہ گشت دُرِّ عدن

شعر متضمن دعویٰ مع الدلیل ہے۔ خواجہ حافظؒ نے یہ مضمون یوں ادا کیا ہے ؎

در مکتبِ حقائق پیشِ ادیبِ عشق

ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

اس مبارک تمہید کے بعد معذرت کرتے ہوئے اس طرح گریز کیا ہے ؎

کجا فتادسخن از کجا درافتادم ۔۔۔ دریں حدیث زباں درکشم چہ جائے سخن

طہارتے کنم از آبِ چشمۂ تجرید ۔۔۔ بروں نہم قدم دل ز آب خانۂ تن

ز دیدہ خاک شوم پیشِ آستانۂ او ۔۔۔ مگر بچشمِ عنایت نظر کند بر من

چراغِ ملتِ دیں بینشِ نظام الدیں ۔۔۔ کہ دین وملّت دیں شد بنام او روشن

شیخ کے اوصافِ خاصّہ

شب بیداری وروشن ضمیری ؎

بزندہ داشتنِ شب دلِ منوّرِ اوست ۔۔۔ چراغِ پایۂ نہ طشت آفتاب لگن (شمعدان)

مرتبہ "لِی مَعَ اللّٰہِ وقتٌ" ؎

دراں زماں کہ بخلوت انیس قرب شود ۔۔۔ کراست زہرہ کہ تا گرد دش بہ پیرامن

شیخ کا زمرۂ ابدال سے ہونا ؎

اگرچہ دریا در راہ پیش او آید   قدم نہد و تر نگردد دامن

بیانِ اوصاف بے کم وکاست ہے امیر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سلطان جی کے حالات واقعیہ سے مطابق ہے، جن سے امیر خسرو سے زیادہ واقف کون ہوسکتا ہے

بجنّ و انس راند پادشاہی
نظام الدین محبوبِ الٰہی

دیبالپور، حدود ملتان میں شہزادہ خان محمد کی شہادت اور لشکرِ اسلام کی شکست مغلوں کے ہاتھ سے ۶۸۳ھ ۶۸۴ھ میں واقع ہوئی ہے۔ خود امیر بھی شریک واقعہ تھے گرفتار ہوکر رہا ہوگئے۔ یہ سب حالات ایک تاریخی قصیدہ میں امیر نے قلم بند کئے ہیں تقریباً سوا دو سو اشعار ہیں۔ قصیدہ کا نام "حکم الحکم" ہے۔ ملّا رضی کے ایک قصیدے کے ہم وزن و ردیف ہے دونوں کے چند تمہیدیہ اشعار درج ذیل ہیں:

رضی نیشاپوری[1]	حضرت امیر خسرو
چہ مایہ رنج کشیدم زیار تا ایں کار	خوش اندر راہ روانِ ولایتِ اسرار
برآب دیدہ و خونِ جگر گرفت قرار	کہ در نشیمنِ عزلت گرفتہ اند قرار

(۱)

---

[1] شیخ رضی الدین نیشاپوری بڑے علامہ و فاضل تھے ان کے درس میں طلبہ کی سات جماعتیں روزانہ تحصیل علوم کرتی تھیں۔ طلبہ کے حوائج و ضروریات کی کفالت بھی شیخ رضی کی ہمت کریمانہ کرتی تھی شیخ کی حیات ہی میں شیخ کے درس تدریس کا شہرہ مشرق و مغرب میں پھیل چکا تھا شیخ کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے خود اپنے دیوان میں لکھتے ہیں ؎

پانصد و پنجاہ و نہ چوں گشت از ہجرت تمام   نقد شد در دار دنیا خلق را دار السلام
۵۵۹ھ   (دیوان رضی)

امیر خسرو		رضی نیشاپوری
نشستگانِ جہاں گرد چوں مسافرِ آب		مرا ز یار و ز کارش چہ پرسی الحاصل
روندگانِ زمیں ماندہ آسیا کردار	(۲)	ہزار گونہ بلا و جفاست تا شش یار
بچشمِ ہمتِ شاں چرخ کمتریں نقطہ است		زہے چو سایہ زہے گشتہ صورتِ بیجاں
کہ شکلِ دائرہ بینی ز گردشِ دوّار	(۳)	ز عشقِ روئے تو گر آفتابش آید عار
سماعِ جاں شنوند و ز بس بر آتشِ دل		چو آبِ دیدہ شدم سرنگوں ز عشقِ رخش
ہزار گونہ معلّق زنند بر دیوار	(۴)	کہ آبِ دیدۂ عشّاق باد برخوردار
عناں کشادہ بصحرائے قدس می پویند		بہ تیغ ریختہ بادا بخاک بر خونے
عَلَم ز آتشِ دل کردہ ز آبِ دیدہ سوار	(۵)	کہ زخمِ عشقِ تو آنرا نریخت بر رخسار

رضی نے شکوہ و شکایاتِ عشق کے بعد مدح شروع کی ہے لیکن امیر کی تشبیب فقر و تصوّف کی تعلیم سے لبریز ہے۔ ان اشعار میں سلوک میں قدم زنی، دنیا کے خرخشوں سے یکسو ہو کر عزلت نشینی اہل اللہ کی نظر میں تمام عالم کا پرِکاہ کے برابر وقعت نہ رکھنا اور ذوق و شوق میں مست ہو کر تیزی اور چستی سے عالمِ قدس کی راہ طے کرنا بیان کیا ہے

مواعظ و حکم کے پیرایہ میں منازل و مدارجِ روحانی کا بیان امیر کا حصّہ ہے۔

گہے خورند ز شمشیرِ "لن ترانی" زخم
گہے دہند براورنگِ "ربِّ ھب لی" بار

اہل اللہ کا مقصودِ اصلی رضائے دوست ہے اُن کو دنیا کی راحت و مصیبت سے

سرو کار نہیں ہوتا وہ کبھی حضرت موسیٰؑ کی طرح جواب ناکامی (لن ترانی) سن کر محو ہو جاتے ہیں اور کبھی حضرت سلیمانؑ کی طرح ہمہ نعمت سے سرفراز ہو کر شکر بجا لاتے ہیں ان کے نزدیک محبوب کی طرف سے قہر و لطف، صلح و جنگ، الزام و انعام (جو بھی ہو) سب محبوب ہی ہے

صلح و جنگِ اوست محبوبِ دلم
قہر و لطفش ہست مطلوبِ دلم (عطّار)

سرِ وجود قلم کن بزخمِ تیغِ نیاز ۔۔۔ خطے بکش پس ازاں بر صحیفۂ پندار

تواضع اور تکبر دو متضاد اوصاف ہیں۔ سے اول الذکر کی ترغیب و تحریص اور ثانی الذکر سے احتراز کی تعلیم ہے۔ تمام ملکات فاضلہ کا وجود تواضع پر موقوف ہے جو رفع تکبر سے حاصل ہوتی ہے۔

گریز و مخلص ہے

بگریم مہری گِردوں ببیں کہ ایں مادر ۔۔۔ ہزار حادثہ جوید زنہ سشکم یک بار
ہمیں بلا نگر اماں در حدِ ملتان ۔۔۔ شکستِ میمنۂ مومن از کفِ کفّار
چگونہ شرح تواں داد آں قیامت را ۔۔۔ کزاں فزع ملک الموت خواستے زنہار

حملہ بر کفّار : ہے

چہ گویم آں صفتِ حملہ کردنِ غازی ۔۔۔ بروئے خیبریاں ہمچو حیدرِ کرّار
دے چہ چارہ تواں کرد حکمِ محکم را ۔۔۔ کہ گشت نامزد از کارخانۂ قہار

غازی سے مراد سلطان محمد قآن ہیں اور خیبریاں سے مغل کفار۔ "چہ چارہ توان کرد" سے یہ مقصود ہے کہ سب امور مقدرات الٰہی سے ہیں جن کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا ہے۔

شہدا کی حالت میدانِ کارزار میں ؎

چو جرعہ خونِ شہیداں بگل سرشتہ تمام	چو گل بروے اسیراں برشتہ بستہ قطار
دوال بازیِ سر در شکنجۂ فتراک	شکنجہ کاریِ گردن برشتۂ افسار

یادگار ۱۳

خاک و خون میں شہدا کی لاشوں کا آلودہ ہونا ان کے سروں کا فتراک میں لٹکایا جانا اور اُسرا کی گردنیں رسیوں میں باندھکر لے چلنا میدانِ کارزار کی عینی شہادت ہے

خود امیر کا گرفتار ہونا ؎

اسیر گشتم واز بیم آنکہ خوں ریزد	نمی نماند ز خوں در تنِ نحیف و نزار
چو آب بے سر و پا می دویدم و چو حباب	ہزار آبلہ در پا ز رفتنِ بسیار
برہنہ ماندہ تنِ چوں درخت گاہ خزاں	ہزار پارہ چو گل از خراش خارہ آزار

امیر قید ہیں، افتاں و خیزاں آبلہ پا کشاں کشاں جارہے ہیں جسم برہنہ ہے اور ضعف سے خشک و لاغر ہوگئے ہیں۔ آنکھوں سے قطراتِ اشک ٹپک رہے ہیں۔ ایک مغل سوار محافظ ہے جس کے منھ سے بدبو پھوٹ رہی ہے اُس کی ٹھڈی پر موئے زہار پھیلے ہوئے ہیں، امیر کے سر پر توبرہ چڑھا ہوا ہے جس کا برداشت کرنا امیر کو سخت دشوار ہو رہا ہے ؎

من کہ بر سر نمی نہادم گل　　تو برہ بر سر نہاد و گفتا جُل

بالآخر امیر رہا ہوتے ہیں اور رہائی موجبِ مسرت نہیں ہوتی کیوں کہ یارانِ رفتہ اور دوستانِ گزشتہ کی یاد ستا رہی ہے ؎

ہزار شکر خداوند را کہ داد خلاص　　نہ دل ز تیر شگافتہ نہ تن ز تیغ ذگار

و لے چہ سود مرا زہ خلاصِ آں کہ شُتہ　　گستہ گشت چو سلکِ مہاجر و انصار

نماند ہیچکس از دوستانِ پارہ امسال　　معائنہ ہست کہ امسال نیز گردد پار

تاریخ واقعہ ؎

کنوں کہ شش صد و ہشتاد و چار شد تاریخ (۶۸۴)

مرا بہ سی و سہ (۳۳) آمد نوید سی و چہار (۳۴)

یعنی یہ واقعہ امیر کی عمر کے تینتیسویں سال کے آخر اور چونتیسویں سال کے آغاز میں پیش آیا (سنہ ۶۸۴-۶۸۳ھ) اس لحاظ سے امیر کا سنِ ولادت آغاز سنہ ۶۵۱ھ ہوتا ہے۔

وسط میں ایک شاندار قصیدہ خاقانی کی طرز پر مواعظ و حِکَم و نکاتِ علوم و فنون سے لبریز پایا جاتا ہے جس میں امیر نے اپنی جودتِ طبع اور قوتِ تخیّل کے پورے جوہر دکھائے ہیں قصیدہ کا نام بھی نہایت موزوں "عالم العلم" رکھا ہے۔ ذیل میں اس قصیدہ کا ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

تشبیب فخریہ:

من کہ در گلزارِ عالم نو نوائے می زنم	باغِ جاں را از نفس بادِ صبائے می زنم
کاکِ سحر آشام را بر یدِ بیضا می نہم	جادوانِ دہر را بر سر عصائے می زنم
تیر فکرت چوں زنم از فیلسوفی بگزرم	تیغِ ہمت چوں کشم بر بادشائے می زنم
ہمتم بر عرش والا مستوی شد از کرم	من کہ اکرامی علی العرش استوائے می زنم
دامن از بارِ گہر صد پارہ بینی خلق را	چوں ز دریائے سخن موجِ سخائے می زنم

اپنی جودتِ طبع و فصاحت و بلاغت کا اظہار "نو نوائے می زنم" اور "از نفس بادِ صبائے می زنم" سے کیا ہے اور "جادوانِ دہر را بر سر عصائے می زنم" سے یہ بتایا ہے کہ میرے قلم جادو رقم کے مقابلہ میں تمام مدعیانِ شعر کا کلام سحر باطل ہے۔ آگے چل کر تیزیِ فکر، بلندیِ ہمت، استقامتِ کرم اور طبع رواں کے بحر زخار ہونے پر لطیف پیرایہ میں فخر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے دریائے سخن کی موجِ سخا ہر طالب کے دامنِ مقصود کو جواہر آب دار سے پُر کر دیتی ہے۔ دامن از بارِ گہر صد پارہ بینی الخ۔

"صد پارہ بینی" میں کثرت و علوئے مضامین کا نکتہ بھی ملحوظ ہے ؎

لا دو سر شد دُور باشِ دین و دنیا چوں ترا	دُور باشے می زنم ہر گہ کہ لائے می زنم
با فلک دارم سرے وز دور باشِ خویش ہم	چہ سراچہ از سرائے تا سرائے می زنم

خاقانی نے لا میں تنوع پیدا کر کے مضمون آفرینی کی ہے۔ لکھتے ہیں ؎

۱- لا زاں شد اژدہائے دوسرتا فرو خورد ہر شرک و شک کہ در رہِ الّا شود عیاں

۲- لا حاجب ست بر درِ الّا شدہ مقیم کو ابلہان باطلہ را می زند قفا

امیر نے بھی اشعار بالا میں خاقانی کی طرح لا سے ذکر (لا الٰہ الا اللہ) نفی و اثبات مراد لے کر اس کو "دُور باش" دین و دنیا قرار دیا ہے۔ اس کا ایک سرا دین اور دوسرا دنیا کا نقیب ہے۔

دوسرے شعر سے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ میری ضربِ لا نے مجھے دونوں جہان سے مستغنی کر دیا ہے۔

علوے مرتبہ، فلکِ خمیدہ کمر کی لکد کوبی، امیر کے اقلیمِ سخن کی وسعت اور اس کا دار السلطنت۔

پا نہم بر پشتِ گردوں لیک می سوزم زمہر کیں لکد بہر چہ بر پشتِ دوتائے می زنم

خسروم بر بادشاہانِ سخن فرماں روا تختِ خود بر فرقِ ہر فرماں روائے می زنم

جائے من دہلی کہ ہر حرفم سوادِ اعظم ست طبل دار الملکی اندر روستائے می زنم

آہ دہلی! تیرا سوادِ اعظم، تیرا خسروِ اقلیمِ سخن اور اس کا طبلِ دار الملکی اب کہاں؟ تیرے کچھ آثار باقی ہیں جو اہلِ نظر کے لئے عبرت انگیز و رقت خیز ہیں ؎

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ آثار پدید ست صنادیدِ عجم را

موعظت حسنہ:

رغبتے در فسق چوں سستِ اعتقادے می کنم رکعتے بے صدق چوں ناپارسائے می زنم

از خلافِ طینتم پائے وجود اندر گِل ست | با چنیں آلودگی لافِ صفائے می زنم

موعظت میں تاثیر کا پہلو اپنے نفس کے محاسبہ و مخاطبہ میں مضمر ہے، امیر خسرو کبھی اس کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہاں بھی سست اعتقادی، ناپارسائی اور نفاق و آلودگی کی مذمت اپنے نفس پر محمول کرکے اس انداز سے کی ہے کہ سامع بجائے تنفر کے قائل کے حال سے عبرت پکڑتا اور خود بخود ترکِ معاصی پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

اصطلاحات علمیہ کی تضمین :-

گر بکارِ منطق و منطق بہ ندہم منطقہ | خود نطق ایں بحر ناطق آشنائے می زنم

این و کیف و وضع و ملک و کم متی فعل انفعال | شد مضافِ جوہرم زیں دہائے می زنم

با چنیں دعویٰ چو گوئی کیف و کم گویم جواب | کیف ماکان ابلہے را دست و پائے می زنم

مقولاتِ عشر، صرف دوسرے شعر میں نظم کردیئے ہیں۔

مباحث کلامیہ کو نظم کرنے کی قدرت :

شرک نارم ور بگوئی صانعِ خیر ست و شر | خنجرِ سر بر سرِ ہر ما سوائے می زنم

واں کہ علت را حوالت می کند بر فعل او | جاں فدا کردہ بہ پیشِ ہم فدائے می زنم

یک زماں و ریک تن از بہر دو فراہم گشت ضد | ور یکے ثابت انیستش را بلائے می زنم

چوں دو دم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے | من یکے حق گویم و چرخ از ولائے می زنم

اقرار توحید اور اس کے خلاف شرک کو بدلائل باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور نہایت ایجاز کے ساتھ ان اشعار میں توحید پر استدلال قائم کیا ہے جس کا

حاصل یہ ہے: خالقِ خیر و شر واحد ہے ورنہ اگر دو ہونگے تو (دونوں کے علّت مستقلہ ہونے کی وجہ سے) ایک ہی وقت میں ایک ہی شے سے صدور خیر و شر ہونا واجب ہوگا لیکن یہ خلاف بداہت ہے۔ اگر کہا جائے کہ دو تو ہیں لیکن ایک قوی ہے اور دوسرا عاجز تو اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ عاجز و مغلوب قوی اور غالب کے ہوتے ہوئے کسی شے کی علت تامّہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس لامحالہ علتِ تامّہ (خیر و شر کی) ایک ہے۔ اس استدلال سے امیر کی دقّتِ نظر اور وسعتِ معلومات کا پتا چلتا ہے۔ نیز یہ کہ فلسفہ وکلام میں ان کا پایہ نہایت بلند ہے:

عناصر اربعہ لطف حق سے پیدا ہوئے ہیں ؎

خاک و آب و باد و آتش شد زلطفِ حق پدید   من کہ نظمم نیست خاکے بر بقائے می زنم

مولانا روم لکھتے ہیں ؎

آب و باد و خاک و نار پُر شرر   بے خبر با ما و با حق باخبر
ما بعکسِ آں ز غیرِ حق خبیر   بے خبر از حق و زچندیں نظیر

امیر نے "از لطفِ حق پدید شد" سے مولانا کے شعر اول کا مضمون صرف مصرعۂ اولیٰ میں ادا کر دیا ہے، دوسرا مصرعہ مولانا کے دوسرے شعر کو متضمن ہے۔

انوری و سنائی کا ایہام ؎

گرچہ خورشید انوری گردم چو گردوں از رقے
بے سنائے دم گزاں انجم سنائے می زنم

کل قصیدہ نکاتِ نجوم، ریاضی، فلسفہ، منطق، کلام، معانی، بیان، صرف و نحو وغیرہ سے لبریز ہے۔ بخوفِ طوالت زیادہ اقتباس نہیں کیا گیا۔

شہزادہ خان محمدؒ کی مدح میں ایک مختصر قصیدہ کمالؔ کی ایک قصیدے کی ردیف و قوافی میں امیرؔ نے لکھا ہے وزن و بحر دونوں کے یکساں ہیں۔ ذیل میں دونوں کا اقتباس کرکے موازنہ کیا جاتا ہے:-

امیر خسرو		کمال اسمٰعیل
چو زلف غالیہ گوں بر عذار بفشانی		بگویم و نہ کند رخنہ در مسلمانی
نہد بہ پیش رخت آفتاب پیشانی	(۱)	توئی کہ نیست ترا در ہمہ جہاں ثانی
زشانہ زخم زباں گرچہ می کشد زلفت		بروزگارِ تو نزدیک شد کہ بر خیزد
نمی کند سرِ موئے کم از پریشانی	(۲)	ززلف ماہرخاں وصمتِ پریشانی
خراب کرد جہاں چشم کافرت افسوس		زتابِ چشمِ تو پیکانہاے لعل شود
کہ نیست ہیچ کسے را غمِ مسلمانی	(۳)	بچشم خصم تو در لعلہاے پیکانی
جہاں سیاہ مکن از سیاہ کاریِ خط		روا مدار پراگندگیِ خاطرِ من
دگر کنی رسدت زانکہ آبِ حیوانی	(۴)	براے نظم معیشت ز فرطِ حیوانی

دونوں کی تشبیب متضمن بہ مدح ہے۔ کمالؔ نے ممدوح کو بے نظیر اور سارے جہان سے بہتر بتایا ہے۔ امیرؔ نے ممدوح کے چہرۂ تاباں پر زلفِ خوش گوار کا منظر

دکھا کر اس کے روبرو آفتاب کو عاجز اور ناصیہ فرسا قرار دیا ہے۔ دوسرے شعر میں کمال نے پریشانی کا داغ حسینوں کی زلف سے مٹا کر عہدِ ممدوح کی تعریف کی ہے لیکن امیر کے ہاں یہ پریشانیِ زلف کا ممتاز وصف ہے اور تمام باقی ہے ؎

نمی کند سر موے کم از پریشانی

تیسرے شعر میں کمال نے "پیکانہاے لعل" اور "لعل ہاے پیکاں" کا اُلٹ پھیر پیدا کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امیر کے ہاں چشمِ کافر کا استعارہ اور اس کی غارت گری سے سارے جہان کا ویران ہو جانا اور کسی کو فکرِ مذہب باقی نہ رہنا اور اس پر اظہارِ افسوس کرنا تغزل کی انتہائی حد ہے بلاشبہ امیر کا شعر اپنی خوبیوں کے لحاظ سے نہایت بلند ہے۔

کمال کے چوتھے شعر میں "ز فرطِ حیوانی" سے ممدوح کے لئے خلاف مقصود ایہام بھی موجود ہے۔ امیر کے شعر میں خط کی "سیاہ کاری" "آبِ حیوانی" سے دُھل گئی ہے۔ آگے چل کر امیر نے ممدوح کی سواری اور اُس کے عرق فشاں چہرہ کا نقشہ کھینچ کر "آہستہ خرام بلکہ مخرام" کی درخواست اس طرح پیش کی ہے ؎

سوارہ می گذری مست کج نہادہ کلاہ	عرق چکاں ز دو رخ چون گلابِ ریحانی
بزیرِ نعلِ سمندِ تو کُشتہ شد شہرے	عناں بدار کہ مستی و تندمی رانی

امیر	کمال
جود و سخا۔ حدیثِ بخششِ او باد اگر بابر برد	چو ابر جودِ تو بارانِ جود بارانند
ہزار بارہ کند ابرِ تیرہ بارانی	ہوا ز ابر بوشد لباسِ بارانی

امیر کے ہاں ہزار بار سے کثرتِ جود کا نکتہ زیادہ پایا جاتا ہے ؎

	امیر	کمال
دعا	ہزار دستہ گل در دو دستِ تو بادا	بہ گلستانِ جہاں غنچہ ہائے آمالت
	کہ دستہ دستہ بفرقِ جہاں بر افشانی	شگفتہ باد ز انفاسِ لطفِ رحمانی

کمالؔ نے ممدوح کے غنچۂ امید کے شگفتہ ہونے کی دعا کی ہے۔ امیر کی دعا بلحاظ وسعت و عموم شمول صرف ممدوح تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ذاتِ ممدوح سے سارے جہان کا فائز المرام ہوتے رہنا مفہوم ہوتا ہے۔ دست، دستہ میں صنعت تجنیس اور دستہ دستہ کے تکرار سے کثرت کے نکتہ کی شاعرانہ خوبیاں بھی موجود ہیں۔

شہزادہ خان محمدؒ کی مدح میں ایک اور قصیدہ کمالؔ کے ایک قصیدے کے جواب میں وسط میں موجود ہے دونوں کے ردیف و قوافی اور وزن یکساں ہیں کچھ اشعار ہر اک قصیدے سے منتخب کر کے موازنہ کیا جاتا ہے:

امیر خسرو		کمال اسمٰعیل
بکش بگرد رخ از خطِ دل ربا پردہ	(۱)	زہے ز سنبلِ تر کردہ لالہ را پردہ
کہ کس ز شب نہ کند آفتاب را پردہ		برآسماں زدہ عکسِ رخت سرا پردہ
ز بیم آنکہ رسد چشمِ آفتاب بتو	(۲)	یکے ز چہرہ برانداز پردہ تا خورشید
بہ بند د ابر بہر لحظہ در ہوا پردہ		فرو گزارد بر چہرہ از حیا پردہ

کمال اسمعیل		امیر خسرو
ز شرمِ قامتِ تو سرو بوستاں چہ عجب		گل از رخِ تو بدزدید روے پنہاں داشت
کہ ہمچو غنچہ کند دامنِ قبا پردہ	(۳)	ولیک پارہ شدش ناگہ از صبا پردہ
مرا چو مردمِ چشمی ز پردہ بیروں آ		جمالِ روے تو پوشیدہ چوں نخواہد ماند
کہ نیست مردمکِ چشم را سزا پردہ	(۴)	مپوش پیشِ رخ از پردۂ دو تا پردہ

دونوں نے خطِ رخ سے تشبیب شروع کی ہے اور پردہ کی مناسبت سے شاعرانہ نکات پیدا کئے ہیں۔ کمالؔ نے مطلع میں خط کو سنبلِ تر اور رخ کو لالۂ احمر قرار دے کر عکسِ رخ سے آسمان پر حسن کا خیمہ قائم کیا ہے، امیرؔ نے اپنے مطلع میں خطِ دلربا کو شب، اور چہرۂ تاباں کو آفتاب بتا کر تعجب کے لہجہ سے تشبیہ کی ندرت اور لطافت کو قوی کر دیا ہے چمکتے ہوئے چہرہ پر خط کی سیاہی آفتاب پر شب کا پردہ ہے۔ دونوں شعر بلیغ ہیں۔ دوسرے شعر میں کمالؔ نے شاعرانہ انداز میں یہ بیان کیا ہے کہ آفتاب، رخِ یار کے بے نقاب ہونے سے شرمندہ ہو کر پردہ نشین ہو جاتا ہے جس سے چہرہ کی چمک و تابش کا آفتاب کی چمک پر فوقیت رکھنا مفہوم ہوتا ہے لیکن امیر کے ہاں یہ مضمون بہت بلند اور برجستہ واقع ہوا ہے یعنی اس خیال سے کہ آفتاب کی نظر (بد) رخِ ممدوح پر نہ پڑ جائے ابر ہر وقت ہوا میں بادلوں کا پردہ کئے ہوئے ہے۔ لطیف اسلوب ہے۔

تیسرے شعر میں کمالؔ نے قامتِ یار کی تعریف کا یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ غنچہ کی طرح سروِ بستانی اپنی قبا میں روپوش ہے اُس کو قامتِ ممدوح کے مقابلہ کی

تاب نہیں یعنی ع سرو زمین میں گڑ گیا قامتِ یار دیکھ کر۔ لیکن امیر خسرو نے شعر ۳ میں رخِ یار کے مقابلہ میں گل کی پردہ دری جس خوبی سے کی ہے محتاجِ ستائش نہیں۔ گل رخِ یار سے کچھ چرا کر چھپ جاتا ہے لیکن صبا تلاش کر کے اس کا پردہ فاش کرتی اور دامن چاک کر دیتی ہے، جس سے محض رخسار کی فضیلت ہی گل پر ثابت نہیں ہوتی بلکہ باعتبار لطافت و نزاکت اور سرخی و خوشبو کے بھی رخِ ممدوح اصل اور گل نقل ثابت ہوتا ہے ؎

چوں روئے تست غنچہ اما سخن نداند چوں چشم تست نرگس اما حیا ندارد (غالب)

چوتھے شعر میں کمال نے بہ لطائف الحیل درخواستِ دیدار پیش کی ہے اور چشم و پردہ اور مردمک مناسبات بھی ہیں۔ مگر حضرت امیر کے ہاں اس مدعا پر جو وجہ پیش کی گئی ہے وہ نہایت معقول ہے یعنی جب کہ تیرا جمال، کوئی چھپ رہنے والی چیز نہیں ہے اور آخر کار عیاں ہو کر رہے گا تو اس کا چھپانا عبث ہے۔ "منت کرم داشتن" کے طور پر ہماری استدعا قبول کی جائے اور رخِ زیبا سے پردہ دوتا اٹھا دیا جائے۔ امیر کا شعر معنوی حیثیت سے بہت بلند ہے۔

مخلص و آغاز مدح ؎

فلک کہ پردہ او آہِ من بسوخت مگر بخواہد اندرِ فرزند بادشا پردہ

شہِ سپہر سراپردہ نصرۃِ دنیا کہ بخت بر درش آویختا زہا پردہ

فرزند بادشاہ سے شہزادہ نصرۃ الدین خاں محمد (شہید) ابن کلاں غیاث الدین بلبن مراد ہے۔

امیر خسرو کے ترکِ خطا ہونے کا ایہام ۔ اور معذرت

چو ترک بستہ زبان ست گر خطا گوید | بذیلِ عفو فرو پوش بر خطا پردہ

ایک قصیدے میں مغلوں کے حملے اور اُن کی شکست کھا کر بھاگ جانے کا ذکر نہایت خوبی سے کیا ہی۔ اس قصیدے کے جستہ جستہ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

مدح : شہریارے کا فرش تا ماہ تاباں میرسد | ماہ تاباں از پئے خدمت شتاباں میرسد

نصرتِ دنیا محمد گوہر افراسیاب | آنکہ او را دورِ دارائی ز دوراں میرسد

می برد تختِ سلیمانی ز بادِ دولتش | من بریں خاتم گرش خوانم سلیماں میرسد

شہزادہ محمد کی مدح ہی ردیف و قوافی نہایت پسندیدہ ہیں۔ مطلع ہی میں "کا فرش تا ماہِ تاباں میرسد" سے حملۂ کفار مغل کی طرف اشارہ کر دیا۔ نسب اور شان و شکوہ کے لحاظ سے افراسیاب اور دولت و مملکت کے اعتبار سے اس کو سلیمان کہنا مدح خوشترین و بہترین اسلوب ہی۔ اس مختصر مگر شاندار و لطیف مدح کے بعد امیر نے واقعات حملہ اس طرح بیان کیے ہیں :

مغلوں کا خراسان سے حملہ اور کرمان کی طرف گریز

گرچہ دریائے مغل با پرّ بوم و روے شوم
صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں میرسد

لیک در وقتِ گریز از تیرِ کشور گیر شاہ
ریزہ ریزہ می شود آنکہ بکرماں میرسد

دشمناں جاں را بچندیں آرزو تر می کنند   ہر کجا از تیر ترکانِ تو باراں میرسد

چنگیز مغلوں نے خراسان کی راہ سے ملتان واچہ کی حدود میں حملہ کیا تھا لیکن نہایت بُری طرح شکست کھا کر اس کو کرمان بھاگنا پڑا

ملتان میں کمک پہونچتی ہے

خاکِ ملتاں ہر زماں بر آب دیگر می شود   چوں سپاہی ہمچو دریائے بملتاں میرسد
گوئیا وامیست کو بر دشمنت خواہد گزارد   تیغ را ہر زخم کاں از تپنگ و سنداں میرسد

تلوار نے کچھ آدھار باقی نہیں رکھا جو کچھ گھن اور سنداں سے لیا تھا سب دشمنوں کے سر پر مع سود ادا کر دیا۔ نہایت عمدہ اسلوب سے تلوار کی کاٹ اور بہادروں کی تیغزنی کا ذکر کیا ہے۔

معز الدین کیقباد اور سلطان ناصر الدین محمود (بغرا خاں) کی ملاقات وسط میں ایک شاندار قصیدہ موجود ہی جس میں تہنیت کے بعد باپ اور بیٹے کے اتفاق کا ذکر خوش اسلوبی سے کیا گیا ہی۔ گو امیر نے اس واقعہ کی مفصل سرگزشت مثنوی قران السعدین میں لکھی ہے۔ لیکن یہ قصیدہ بطور تہنیت ہے۔ اس کے جستہ جستہ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

تمہید آغاز واقعات

زہے ملک خوش چوں دو سلطاں یکے شد   زہے عہد خوش چوں دو پیماں یکے شد
پسر بادشاہ و پدر نیز سلطاں   کنوں ملک ہیں کاں دو سلطاں یکے شد
یکے ناصر عہد و محمود سلطاں   کہ فرمانش در چار ارکاں یکے شد
دگر شہ معزِ جہاں کیقباد آں   کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد

حضرت یعقوب و یوسف سے تشبیہ لطیف

بدیں قصہ بشنو کہ یعقوب و یوسف   دریں ملک بے رنجِ اخواں یکے شد

اب ترکوں کے حملے کا خطرہ جاتا رہا ؎

کنوں روے درچیں نیارند ترکاں   ہندوستاں چوں و خاقاں یکے شد

ترک و ہندو ایک ہو گئے ؎

بروں شد دوئی از سرِ ترک وہندو   کہ ہندوستاں با خراساں یکے شد

جشن و صلائے عام ؎

بصد میہمانی صدا داد عالم   چو بر خوانِ شاہی و مہماں یکے شد

مقام مصالحت ؎

بآبِ دگر بینی آفاق ہر دم   چو از ابرِ رحمت و باراں یکے شد

ناصر الدین لکھنوتی سے اور معز الدین دہلی سے چل کر اودھ میں دریائے سرو (سرجو) کے کناروں پر دونوں طرف آپڑے تھے بالآخر باپ نے بڑھکر آپس میں مصالحت کرلی اور باہمی مناقشہ رفع کر دیا۔

امیر نے شہزادہ محمدؒ کی مدح مغلوں کو شکست دینے پر کئی قصیدوں میں کی ہے۔ ذیل میں جس قصیدہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ باعتبار تشبیب و تضمین واقعات تاریخی باسالیب متنوّعہ نہایت شاندار ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تشبیب | وقت آں آمد کہ بر بالائے گردوں تر شود   ابر نیسانی کز و آوازِ بلبل تر شود

از زر افشانیِ گل و نرگس ہمہ روے زمیں — شد چناں از خاک از دشت گیری زر شود
صبحدم مرغانِ بہ بانگ آیند و ز بادِ نسیم — خاک ریز پرِ مرغاں بیضۂ عنبر شود
گہ قبا را چست بندد گہ کلہ را کژ نہد — غنچہ را آں دم کہ بر خود خواب اندر شود

ابر نیسانی سے آوازِ بلبل کا تر ہونا اور اس لیے اس کا آسمان تک پہونچنا، گل و نرگس کی زرافشانی سے تمام روئے زمین کا زریں بن جانا کہ جہاں سے اُٹھائے سونا ہاتھ میں آئے۔ صبحدم مرغانِ چمن کی نغمہ سنجی، بادِ نسیم کی عنبر بیزی اور غنچہ کے کلاہ کج اور چستیِ بند قبا کا ذکر صبح بہار کی زندہ تصویر ہی اور بلا شبہ تشبیب کا یہ انداز امیر کا حصہ ہی۔

ابر کی سیّارہ افشانی ؎

ابر در سیّارہ افشانی قیامت می کند — زیں قیامت رہ ضیم گرنا گہیں محشر شود

اس پیاری تشبیب کے بعد مدح شروع ہوتی ہی جس میں ممدوح کی شجاعت کا ذکر اس طرح کیا ہے

دستِ او شمشیر برادرنگ چنگیز خاں زند — چوں بعزمِ رزم سوے لشکرِ آں کافر شود
گر پرند ایشاں ز لشکرہاے پُر مور و ملخ — باک نبود مور را در وقتِ مُردن پر شود

مغلوں کا ٹڈّی دل لشکر ممدوح کی فوج ظفر موج کے مقابلہ میں شکست کھا کر بھاگ ہی نہیں گیا بلکہ پردار چیونٹوں کی طرح ہلاک ہوا ؎

مور بہاں بہ کہ نباشد پرِ ش

چشمۂ خورشید ممدوح کی تابشِ شمشیر سے خنک ہو جاتا ہی ؎

خسروا آبے نماند چشمۂ خورشید را — تابِ شمشیرِ تو گر بر گنبدِ اخضر شود

نسیمِ خُلق ناقہ را سودائے مشک از سرِ ہم بیروں رود — گر نسیمِ خُلقِ تو بر نافہ ای اذفر شود

حسنِ طلب بندہ خسرو را بپرور کو جہانِ دانش ست — تا ازیں پس نام تو شاہِ جہاں پرور شود

بیشک امیر خسرو جہانِ دانش ہیں اس اعتبار سے اُن کی پرورش ایک علمی جہان کی پرورش ہے۔

غیاث الدین بلبن کی مدح میں امیر نے ایک قصیدہ خاقانی کے ایک قصیدہ کے ہموزن و قوافی لکھا ہے۔ نہایت شاندار ہے ذیل میں دونوں کا کچھ انتخاب کر کے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

امیر خسرو		خاقانی
روے بنمود صبح سیم عذار	(۱)	الصبوح الصبوح کامد کار
ساقیِ صبح روے بادہ بیار		انشار انشار کامد یار
جام دہ رو نمائیِ صبح کہ باز	(۲)	جام فرعونی اندر آر کہ صبح
روے بنمود صبح سیم عذار		دستِ موسیٰ برآرد از کہسار
شمع را بر سر آمدست حیات	(۳)	چرخ بر کار و یار و ما بصبوح
شربتے از قنینہ بیروں آر		می کند لعبتان دیدہ نثار
آتشِ شرق (صراحی) از دمیدنِ صبح	(۴)	در سفالِ خم آتشے ست کہ ہست
می زند شعلہ بے دخانِ شرار		عقل حرّاق او و روح شرار

دونوں نے صبوحیِ صبح سے آغاز تشبیب کیا ہے۔ خاقانی کے مطلع میں الصبوح

اور انشار کا تکرار بامزہ ہے لیکن "جامِ فرعونی" اور "دستِ موسیٰ" کے استعارے دوسرے شعر میں اُن کے دقیق مذاق کا نمونہ موجود ہیں، بخلاف امیر خسرو کے کہ ان کا دوسرا شعر بالکل صاف ہے اور اس میں مطلع کے دوسرے مصرعہ کا اعادہ پُرلطف ہے۔ تیسرا شعر بھی حکیم صاحب کا اپنا انداز لئے ہوئے ہے اور لعبتانِ دیدہ کا استعارہ (ستاروں کے لئے) اس میں بھی موجود ہے۔ اس کے مقابلہ میں امیر خسرو کا تیسرا شعر قریب الفہم اور لطیف استعارہ پر متضمن ہے۔ شب کے ختم ہونے کا استعارہ "شمع را بر سر آمد ست حیات" سے کس قدر قریب ہے؟ چوتھا شعر حکیم صاحب کا جس میں عقل کو حرّاق اور روح کو شرارِ شراب کہا گیا ہے۔ امیر کے چوتھے شعر کے مقابلہ میں بے کیف ہے۔ امیر نے شراب کو آتشِ مشرق اور اس کے جوش کو شعلۂ بے دخان و شرار کہکر کیفِ شعر کو مضاعف کر دیا ہے۔ "می زند شعلہ بے دخان و شرار"

امیر کا مخلص و گریز ؎

بوے می ناید از صبا چو وزد	باد احسان شاہ گیتی دار
شاہ عالم غیاث دیں کہ درش	روضۂ رحمت آمد اندر بار

قصیدے کا نام ؎

زہرہ وار از بہر ست چوں ایں شعر	نام او کردم آں زہر الانوار

خاقانی کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

عروسِ عافیت آں گہ قبول کرد مرا	کہ عمرِ بیش بہا دادمش بشیر بہا

اسی زمین میں امیر نے ایک قصیدہ لکھا ہی جس میں کیفیت بادِ سموم و گرمی اور اعزہ و احباب سے جدا ہو کر لشکرِ شاہی کے ساتھ اپنی بادیہ پیمائی کا ذکر کیا ہی۔ لشکر کی پہلی منزل سیری (نواحِ دہلی) میں ہوئی ہی۔ تین روز بعد بادشاہ نے پہاڑ کی طرف کوچ کیا ہے۔ اہلِ لشکر میں سوائے امیر کے دو ماموؤں اور دو بھائیوں کے کوئی رفیق حال نہیں۔ شہاب الدین لطیف ملک اور علی شہ کاتب علاو غیرہ کو بہت یاد کیا ہی۔ اس قصیدہ کا نام مروحۃ الروح ہی۔ ذیل میں ضروری اقتباس ہدیۂ ناظرین ہی:-

بادِ سموم و سخت گرمی ؎

دو روبہ پست کر آفتاب در جوزا	بہ پشت ہفت زمیں آتشے فگند صبا

بباد خانہ بروں رفت گرم کرد مزاج	کہ سوے باد رود ہر کہ ہست در گرما

چناں ز آتشِ خورشید صبح می بدمد	کہ تفِ آں ز زمیں می رود بہ اوجِ سما

آفتاب کے برجِ جوزا میں آتے ہی زمین پر آتش باری ہونے لگی۔ ہوا گرم مزاج ہو گئی اور صبح کی آتشیں آہ آسمان تک پہونچنے لگی۔

گر آفتاب قیامت کند بفردا گرم	قیامت اینست کا مروز دیدم آں فردا

فردا کا امروز بن جانا شاعرانہ نکتہ ہی۔

گرم ہوا سے بوستاں کی حالت ؎

بہ بوستاں گلِ نازک مزاج را بنگر	کہ بادِ گرم نرفتے بروز بادِ صبا

کنون ز سیلِ بادِ سموم گرما گرم — فرو دریخت ہمہ خون و پوشش رفقا

اس گرمی اور تیز ہوا میں امیر خسرو لشکر کے ساتھ قطع مسافت کر رہے ہیں - غم زادِ راہ ہے ؎

ہوا چنین و مرا لشکرے و رفتنِ راہ — تہی درازرہی بلکہ شاہراہِ عنا

غم ست زادِ رہم بر چہ حمل شاید کرد — کہ این چہ زاد بود زامہات و از آبا

تنم ز مہرِ فلک گرم گرم می سوزد — دلم ز مہرِ عزیزان و فرقتِ رفقا

پہلی منزل سیری میں ہوئی جہاں رفقاے وفا شعار کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں - وہاں سے تین چار روز بعد (قلعہ) پہاڑ کی طرف کوچ کیا ہے ؎

نخست منزل من بود منزلِ سیری — کہ سیر دیدہ دران شد جمالِ اہلِ وفا

سہ چار روز دگر آب جون را کردم — ز آہ خشک ترا ز اشکہاے چو خون بالا

ز آب جون روان گرد شاہ جانبِ کوہ — کہ تا شود بجد جنبشِ قلعہ کشا

کس درد کے ساتھ بھائیوں کو یاد کیا ہے ؟

دریغ نیست کسے محرمِ منِ مجنوں — کہ واکشاید این بندِ گیسوی لیلا

کجاست تاجِ سرِ من برادرم زاہد — کہ از سرم نشدے دور در خلا و ملا

ردا ے صبا زمنِ بندہ بندگی برسان — بران برادرِ دیگر برادران بر جا

اگر بنامہ نیرزم ز خاکِ رہ بارے — بدست باد فرو شید بہرہ دیدہ دوا

اگر میں نامہ و پیام کے لائق نہیں تو کاش خاکِ پائے عزیزاں ہی پہونچ جاتی تو غنیمت تھا - تمام قصیدہ صدمات و شکایاتِ مفارقت (احباب و اعزہ) سے لبریز ہے -

قصائد کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمال و رضی وغیرہ کی تشبیب کے اشعار کی
تعداد امیر کے تشبیہ اشعار سے بہت کم ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانہ کے ممدوحین کا
یہ خیال تھا کہ اگر شاعر تشبیب پر سارا زورِ طبع صرف کردے گا تو ہماری مدح کے لئے
اس کے پاس کیا خاک باقی رہے گا۔ لیکن امیر خسرو کے ہاں قصیدہ کا بیشتر جزو وقف
تشبیب ہے جو مدائح سے زیادہ شاندار ہوتی ہے۔

ترجیعات

وسط الحیوٰۃ کے ترجیعات واقعات تاریخی پر مشتمل ہیں جن میں مدائح اور مراثی دونوں
پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ مغلوں کے حملے، اُن کی شکست اور اُن کی پسپائی کا ذکر بشرح و بسط
کیا گیا ہے۔ آخری ترجیعات شہزادہ خان محمد (شہید) کی شہادت کی مفصل داستان ہے۔
جن میں امیر نے بہترین مرثیہ نویسی کا نمونہ پیش کیا ہے اور نہایت خستگی و وارفتگی کے ساتھ
حقِ رثی ادا کیا ہے۔

اول ترجیع بند

پانچ بندوں پر مشتمل ہے جس میں شہزادہ خان محمدؒ (شہید) کی مدح مغلوں کے فتنے کو
دبا دینے کی بنا پر کی ہے اور شبِ برات اور اس کی روشنی وغیرہ سے آغاز تشبیب کیا ہے۔
اس کا ضروری اقتباس ملاحظہ ہو:

از بندِ اول۔ شبِ برات کہ روشن کنند ہر خانہ — مرا ز روئے تو باشد چراغ ہر خانہ

من از رخِ تو اگر نسختے برم ببرات | رود چراغ زیک خانہ در دگر خانہ
مراست تیرہ زنا دیدنِ تو خانۂ چشم | کہ بے چراغ بود تیرہ در نظر خانہ
زسوزِ دل شدہ ام آتشے کہ خانۂ من | برائے سوختن آید چراغ ہر خانہ
زتفِ آہِ من آفاق روشن ست چنانکہ | زشمع در نظرِ شاہ نامور خانہ

فروغ مشعلہ ہفت چرخ ونصرتِ دیں
کہ زد بخرمنِ دشمن زحملہ آتشِ کیں

ممدوح کے رخِ روشن سے امیر کو شب برات کا لطف حاصل ہے، اسی کے دیدار سے اُن کا چشم خانہ روشن ہے، اسی کی محبت میں ان کی آہ آتش بار سارے جہان کو روشن کئے ہوئے ہے، اور وہ سلطان نصرۃ الدین محمد ہے جس نے اپنے حملے کی آگ سے دشمن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا ہے۔ روشنی، چراغ، مشعل، آتش وغیرہ شب برات کی رعایات موجود ہیں۔

از بند سوم۔ خدا ئگانا دشمن بعہدِ تو نہ زید | اگر چراغ زبادِ خزاں برافروزد
توئی کہ مشعلِ کفر از غبارِ دیں کشتی | چراغِ فتنہ زآسیبِ آستیں کشتی

انکسار کا استعارہ غبار سے اور تلوار کا آسیبِ آستین سے نہایت نادر اور لطیف ہے۔ تاتاری فتنہ کی آگ کو مشعلِ کفر کہنا نہایت مناسب ہے۔ یہ شعر معنوی خوبیوں کا مجمع ہے۔

ترجیع بند دوم

اس ترجیع کا نام عین المعانی ہے، اس میں ۷ بند ہیں پہلا اور دوسرا تشبیب میں ہے

باقی شہزادہ سلطان محمد کی مدح میں ہیں۔ جن میں مغلوں کو حدودِ ملتان سے بخارا کی طرف بھگانے کا ذکر کیا ہے۔

از بند پنجم اے آتشین و ریا صفت خورشید در تابِ تفت — شمشیر تست اندر کفت کاتش زدریا برکند

زانگونہ کز آبِ سناں در لشکرِ کافر دواں — کاں تیز آب از مولتاں سر در بخارا برکند

مغلوں کو دریا پار کر کے اِدھر آنے کی جرأت نہیں ہوئی ؂

ہندوستاں را کے رسد از لشکرِ کافر زیاں — از تیغِ کافر سوز او تا ہست آب اندر میاں

ترجیع بند سوم

اس میں سات بند ہیں کچھ بند نشاطِ عید کی تشبیب میں ہیں اور کچھ مدح سلطان محمدؒ میں۔ اس میں بھی مغلوں کو شکست دینے پر ممدوح کو سراہا گیا ہے۔

چوں در مصاف آتشِ تیغت زباں زند — پرّاں سرِ حسودِ تو ہمچوں شرار باد

سلاست و روانی میں کمال

ایں شعرِ ترکہ یافت مبانی از و کمال — آمد ز آسمان نقش رویۃ الہلال

یعنی اس پُر معنی ترجیع کا نام رویت الہلال ہے"

ترجیع چہارم

اس ترجیع میں معزالدین کیقباد کی مدح ہے اور اس کی تہنیت تاجپوشی۔ سات بند ہیں۔

تاج و چتر ظل اللٰہی ہے

از بند اول - تا تو کلاہِ ملک نہادی بفرق خویش   خورشید سر نہاد چو دید آں کلاہِ ملک
سایہ ست زیر چتر تو واں ظل چتر نیست   ظلِّ خداست ورنہ بُد چتر سیاہِ ملک

کیقباد چار شاہان گزشتہ کا روشن چراغ ہے

سلطان معز دنیا و دیں کیقباد شاہ   یک دیدہ دو مردمکِ چار بادشاہ

یعنی ۱- غیاث الدین بلبن (کیقباد کا دادا) ۲- ناصر الدین محمود (خسرِ بلبن) ۳- سلطان التمش خسرِ ناصر الدین - ۴- قطب الدین ایبک (خسر التمش) انھیں چار گزشتہ بادشاہوں کا جانشین کہکر حقِ مدح ادا کیا ہے-

ترجیع بند پنجم و ششم

ہر اک میں سات سات بند ہیں ملک اختیار الدین کشلیخاں کی مدح پُر زور تشبیب کے ساتھ کی ہے - پانچویں ترجیع کا نام نَور دالورد ہے اور ششم کا حدَیقۃ الحدقات

ترجیع ہفتم

اس ترجیع بند کا نام "نعت الغزا فی بعث العزا" ہے سلطان خان شہید کی شہادت اور مغلوں کے مظالم کا ذکر نہایت دردناک لہجہ میں کیا ہے - یہ ترجیع گیارہ بندوں پر مشتمل ہے ہر اک بند شیون وغم کی مجسّم تصویر ہے-

رثی کا درد انگیز اور موثّر طرز ؎

ازبند اول۔ واقعہ ہست ایں یا بلا کز آسماں آمد پدید | آفتست ایں یا قیامت کز جہاں آمد پدید
راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را | رخنۂ کامساں در ہندوستاں آمد پدید
مجلسِ یاراں پریشاں شد چو برگِ گل زباد | برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید
ہر مژہ بے دیدنِ یاراں سنانے شد بچشم | نیزہ بالا خوں ز ہر نوکِ سناں آمد پدید
دل بہ پیچد چوں زمانہ رشتۂ صحبت گسست | دُرر بریزد چوں خلل در ریسماں آمد پدید

الخ

مغلوں کے حملے کو آفت اور بلائے آسمانی کہنا اور اس سے بنیادِ عالم کا ہل جانا مجمعِ احباب کا متفرق و پریشان ہو جانا اور اس صدمے سے آنکھوں سے خون کا بہنا اور روتے روتے چہرہ کا گوشت و پوست گر کر ہڈّیاں نکل آنا، درد انگیز اور رقّت خیز الفاظ میں بلیغ اسلوبِ رثی ہے۔ بند دوم میں اس واقعہ کے ابتدائی تفصیلی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے دکھلایا ہے کہ سلطان محمدؒ (شہید) نے ملتان سے سہاور تک لشکر کشی کرکے مغلوں کے استیصال کا عزم مصمم کر لیا تھا لیکن چوں کہ تقدیرِ الٰہی اور مشیّتِ ایزدی اس کے موافق نہ تھی۔ لہٰذا نتیجہ برعکس پیدا ہوا اور ؎

درسِ تدبیر آگہ نہ کہ تقدیرِ فلک | صفحۂ تدبیر را خطِّ مشیّت در کشید
غرۂ مہ شد محرم نے برد بر کل خلق | چوں بسلخ اندر گلوئے دشمناں خنجر کشید
تا رسد عاشور در صفِّ غزا شد چوں حسین | گرد ننگش سرمہ در چشمِ مہ انور کشید

یعنی ماہ محرم سنہ ۱۲۸۴ھ کو حضرت حسینؑ[1] کی طرح شہزادہ خان محمد[2] نے جامِ شہادت نوش کیا۔
مرثیہ رزم و بزم دونوں کا جامع ہوتا ہے اس میں مرحوم کے صفات رزمیہ و بزمیہ کو
اچھی طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس مرثیہ میں امیرؔ نے ہر پہلو کا لحاظ رکھا ہے۔
مرحوم کی رزمیہ صفات کا ذکر یوں کیا ہے:

بند سوم۔ خنگ شہ دیدی بہ گردوں غبار انگیختن بادپا برکافرانِ خاکسار انگیختن
غلغلہ در انجم از جوشِ سپاہ انداختن زلزلہ در عالم از سیرِ سوار انگیختن

بند کو آخر تک پڑھو تو اس میں رزم کے لوازم بہادری، جوشش، لشکر، گرد غبار
ہیبت، رعب، تیغ، نیزہ، حملہ، گریز، قتل جنگجویان فتح اور ملک گیری کی کوشش
سب کچھ موجود ہے۔ کثرتِ لشکر سے شور و غوغا اور گرد و غبار کے ذکر کا بلیغ پہلو شعر

آسماں اندر تضرع زاں فزع بر داشتن آفتاب اندر تیمم زاں غبار انگیختن

میں ملاحظہ کرو اور نظامیؔ کے شعر

ز سمِ ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

سے مقابلہ کرو۔ مرد اور نامرد میدان کی علامت کے بیان میں جس ایہام لطیف سے
امیرؔ نے کام لیا ہے وہ ان کا حصہ ہے اور زردیِ چہرہ سے مقتولوں کی نامردی پر جو لطیف
استدلال کیا ہے محتاجِ ستائش نہیں

اندراں میداں کہ فرق از مرد تا نامرد بود اے بسا کس را کہ بہا ختنگ رو ہا زرد بود

بندِ چہارم میں دونوں لشکروں کا صف بندی کرکے مصروفِ پیکار ہونا اور دوپہر سے
لے کر رات تک بازارِ قتل گرم رہنا نہایت خوبی سے دکھایا ہے ؎

یک زماں شمشیرِ قتّالش نیاسود از قتال
از زوالِ روز تا شب اندراں روزِ زوال

اس گشت و خوں پر امیر کا تعجبانہ تردیدی اسلوب اور مقتولین کا منظر ؎

بندِ پنجم۔ یارب آں خس بود کاندر رہِ صحرا می دوید — یا بسوئے تشنگاں موجے ز دریا می دوید
آب در غربیل ریزی چوں فرو ریزد ز زیر — خستگاں را خوں برانگونہ ز اعضا می دوید
کشتہ اندر خاک جاں می کند و بر خود می تپید — وز گلویش موج زد خون و بالا می دوید

معرکۂ کارزار کی تصویر کھینچنے کے بعد مومن اور کافر کے خون کی تفریق اس طرح
کرتے ہیں ؎

آں بدوزخ برد آب و ایں بجنّت او دوید — گرچہ خونِ گبر و مومن ہر دو یکجا می دوید

یک جنگ و دو سر دارد ؎

خانِ لشکرکش بترتیبِ صف و آئینِ جنگ — میدوانید شہسوارِ اقبال را تا می دوید
باز می برد گردوں مہرہ گرفتہ فتح را — فتح ہرچند از ملاعیں جانبِ ما می دوید

کافراں در انتظارِ شب کہ تا بیروں شود
ناگہاں میزانِ ما را پلہ دیگرگوں شود

یعنی ابھی صورتِ حالات ہمارے موافق تھی لیکن رات ہوتے ہی بساط کا رخ بدل گیا

اور مغلوں نے شبخون کر کے جمعیتِ شاہی کو متفرق کر دیا۔

اس شبِ مظلمہ مجسّم بلا کی کیفیت بندِ ششم میں ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

از بندِ ششم۔ تا چہ شب بود آنکہ از چرخ آفتاب افتادہ بود ۔۔۔ دیو آتش در جہاں مہرِ شہاب افتادہ بود

روز چوں باقی نبود آں آفتابِ چرخ را ۔۔۔ روز باقی بود چیزے کافتاب افتادہ بود

گر حسینِ کربلا را رہ بہ بے آبی فتاد ۔۔۔ آں محمد بیں کہ از آتش بآب افتادہ بود

دامِ ماہی شد دلِ مردم کہ از دستانِ دیو ۔۔۔ دستِ جم را خاتمِ شاہی بآب افتادہ بود

خلاصہ نظیر یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی طرح شہزادہ خان محمد بھی شہید ہوا۔ فرق صرف یہ ہے کہ امام مظلوم پیاسے کام آئے اور خان محمد دریا میں غرق ہو کر ؎

واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی

یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کی چھاگل

یہ واقعہ امیر کا چشم دید ہے اور وہ خود اس میں شریک تھے۔

نے فزع بود آں قیامت را معیّن دیدہ ام ۔۔۔ گر قیامت را نشاں ہست ایں من دیدہ ام

تسلّی از ذکرِ حوادث و مصائبِ انبیا ؎

دائراتِ آسماں ہیں گردشِ پرکار کرد ۔۔۔ گردشِ اسلام را سرگشتہ چوں پرکار کرد

ذرّہ را دیدی کہ آبِ چشمۂ خورشید برد ۔۔۔ سنگ را دیدی کہ کارِ لولوے شہوار کرد

گر بنا بر غیب رفت از دستِ دشمن غیب نیست ۔۔۔ مصطفٰے از پیش خصماں عزم سوئے غار کرد

ور بدارِ قدس رفت از تنگیِ شاں دل بدید ۔۔۔ عیسیٰ از جورِ نصاریٰ سر قبلے دار کرد

اولوالعزم انبیا کی مصائب اور شہادت کو یاد دلانے کے بعد لکھتے ہیں ؎

با مغل ہر سال بہر دیں سرو کارش بود   عاقبت جانِ گرامی در سرِ ایں کار کرد

یعنی خان شہید ہر سال مغلوں کے فتنے کو فرو کرتا رہتا تھا لیکن بالآخر انھیں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ یہ سب امور مقدرات الٰہی سے ہیں اور ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا ؎

دست تقدیر ست گہ خوں ریزد و گہ جاں دہد   ناتوانیم نتواں کینہ بہ قہار کرد

شیر نر از پیشِ موری صد خروشِ صعب زد   پیلِ مست از نوک خارے صد فغانِ زار کرد

تمثیل سے ثابت کیا ہے کہ قضائے الٰہی ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دیتی ہے ؎

تاریخ واقعہ۔ جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کارزار   آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار

یعنی جمعہ ذی الحجہ سنہ ۶۸۳–۶۸۴ھ۔

آگے چل کر تین بندوں (۸ - ۹ - ۱۰) میں امیر نے مرثیہ کی وہ خصوصیت نظم کی ہے جو مرثیہ کے لئے بمنزلہ روح و رواں ہے یعنی "بین و بکا"۔

عالم کی بڑی سے بڑی چیز اس صدمہ سے رو رہی ہے اس طرح لکھتے ہیں ؎

بند ہشتم۔ مہر و مہ بر روئے فرخ لقا بگریستند   روز و شب بر حالِ آں اندک بقا بگریستند

آسماں ہا با ہزاراں دیدہ بر اہلِ زمیں   ہمچو بارانِ بہاری بر گیا بگریستند

اس غم میں اہالیِ ملتان کی حالت ؎

خلقِ ملتاں مرد و زن گریہ کناں مو کناں   کو بکو و سو بسو و جا بجا بگریستند

آسماں را گوئیا بدرید و قسمت کرد خلق   بسکہ اطرافِ زمیں از جامہ شد ہر سو کبود

مصرِ جامع را بہر کوئے رواں شد رودِ نیل — شستہ شد از گریہ چنداں جامہ ہر کو کبود

یعنی ماتمی لباس پر (جو کہ نیلا تھا) اس قدر سیلابِ گریہ بہا کہ مصر جامع (ملتان) میں دریائے نیل جاری ہوگیا۔

یادِ یاراں

وہ کہ دل یکبارگی خوں شد برائے دوستاں — آہ ازاں جمعیتِ راحت فزائے دوستاں

دیدہ بہر دوستاں شد آشنائے آب و خوں — تا میانِ آب و خوں شد آشنائے دوستاں

خفتگانِ خاک را گر خاستن ممکن بود — عمرِ باقی میکنم وقفِ بقائے دوستاں

شیفتگی و وارفتگی کی حد ہے کہ اپنی بقیہ عمر وقف احباب ہے مگر وہ کسی طرح لوٹ آئیں۔

دعائیہ

شید یازدہم۔ یا رب از خورشیدِ رحمت نور در جاں باد شاں — جانِ فیض نور چوں خورشید تاباں باد شاں

فیضِ رحمت آبِ حیواں نیست در ظلمات گور — یا رب اندر ظلمتِ گور آبِ حیواں باد شاں

نامۂ اعمال کا داہنے میں ملنا جنتی ہونے کی دلیل ہے، اس کے لئے دعا۔

چوں بہ دیوانِ سیاست نامہ شاں برکف نہند — از کتابا بالیمین عنوانِ نامہ باد شاں

شہدا کے قطراتِ خون تاج غفران میں بیش بہا لعل ہیں۔

قطرۂ خونے کہ گشت از حلقِ ایشاں ریختہ — بہتریں لعلے برائے تاجِ غفراں باد شاں

پس ماندگان اور بقیہ اولاد و احفاد کے وجود سے بادشاہ (بلبن) کو تسلّی۔

چوں محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد — کیقباد ش اسعد و کیخسرو ش مسعود باد

ناصرالدین محمود (بغراخاں) بلبن کا دوسرا چھوٹا بیٹا ہے اور کیقباد و خسرو پوتے ہیں۔

ترجیع ہشتم

مضامین غم و رثی کے اعتبار سے یہ ترجیع خاتم الترجیعات ہے۔ یہ تین ترجیعات کا مجموعہ ہے۔ پہلے میں سات، دوسرے میں پانچ اور تیسرے میں سات بند ہیں۔ کُل اُنیس[۱۹] بند ہیں۔ اس لحاظ سے وسط الحیٰوۃ کے ترجیعات کی تعداد دس پوری ہو جاتی ہے جیسا کہ خود امیر فرماتے ہیں ؎

چوں نہ دہ ترجیع صد سالہ گہر دیدی کنوں　　قطعہائے نہ را اگر خواہی بدکان من آ

شہرت اور مقبولیت کے لحاظ سے امیر کے یہ ترجیعاتِ رثی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ صاحب منتخب التواریخ (ملا عبدالقادر بدایونی) لکھتے ہیں۔

"این مرثیہا تا یک ماہ و بیش آں ترکیب بندہا را مردم می خوانند و بر کشتگانِ خویش خانہ بخانہ نوحہ می کردند۔" (بدایونی)

امیر اس واقعہ میں خود شریک تھے جو مغلوں کے ہاتھ قید ہو کر توبرہ سر پر رکھ کر چلنے پر مجبور ہوئے۔ خود فرماتے ہیں ؎

من کہ بر سر نہ نہادم گُل
توبرہ بر سر نہادو گفتا جُل

پس امیر نے جو کچھ لکھا ہی وہ عینی شہادت ہی اور ان واقعات کی مفصّل تاریخ۔ شیخ سعدیؒ کا مرثیہ "آسمان[۱] را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں" اور ترجیع بند سعد بن ابوبکر کے مرثیہ میں "غریباں را دل از بہرِ تو خون ست" نہایت حزن انگیز لیکن جو درد اور تاریخی پہلو امیرؒ کے ان ترجیعات میں پایا جاتا ہی وہ اک خاص حیثیت رکھتا ہی جس کے سامنے سعدیؒ کا ترجیع ایک رقّت خیز نصائح کا مجموعہ ہی اور بس۔ ہم ذیل میں دونوں بزرگوں کے ترجیعات سے ایک ایک بند نقل کرکے مختصراً مقابلہ کرتے ہیں جس سے یہ فرق بآسانی معلوم ہو جائے گا۔

امیر خسرو	شیخ سعدی
اے دل بغم نشیں کہ ز شادی نشاں نماند	غریباں را دل از بہرِ تو خون ست
اے دیدہ خوں گری کہ طربِ جہاں نماند	دلِ خویشاں نمیدانم کہ چون ست
ہم مرغِ عیش از قفسِ خاکداں بجست	عنانِ گریہ چوں شاید گرفتن
ہم دُرِّ مہر در صدفِ آسماں نماند	کہ از دستِ شکیبائی بروں ست
فتنہ سپہ کشید چو لشکر شکن بہ خفت	مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر
آفت جہاں گرفت چو لشکرستاں نماند	نمی آید کہ رایت سرنگوں ست
در تختِ ملک پایۂ فتح و ظفر شکست	دگر سبزی نروید بر لبِ جوئے
بر فرقِ دہر سایۂ امن و اماں نماند	کہ آبِ چشمہا عنّاب گوں ست

[۱] دیکھو کلیاتِ سعدی ۱۲

امیر خسرو	شیخ سعدی
چشم و چراغِ خسروِ روے زمیں برفت	دگر خونِ سیاوشاں بود رنگ
پشت و پناہِ کشورِ ہندوستاں نماند	کہ باراں بیشتر سیلابِ خون ست
از مملکت چہ کام برآید چو خاں بشد	کہ دنیا صاحبے بہ عہد و خوں خوار
دز کالبد چہ کار کشاید چو جاں نماند	زمانہ مادرِ لب مہر و دون ست
خواہم زباں زبارہٗ دنداں فرو برم	نہ اکنون ست بر ما جورِ ایّام
گر خواہد ایں حدیث بگوید کہ خاں نماند	کہ از دورانِ آدم تا کنون ست
آں دستگاہِ دولت و دیں انگیس کجاست	ہمیدانم حدیثِ نامہ چون ست
واں شاہزادہٗ ہمہ روئے زمیں کجاست	ہمیدانم کہ عنوانش بخون ست

ہر ہر شعر کے مقابلہ کی ضرورت نہیں دونوں کے ہاں قدرِ مشترک شہزادہ کی موت پر اظہارِ غم ہی شیخ نے شہزادہ سعد بن ابوبکر کا مرثیہ لکھا ہی اور امیر نے خان محمد کا۔ شیخ کے بند میں کسی شعر سے یہ پتا نہیں چلتا کہ شہزادہ کا کیا نام ہی اور لقب کیا اور یہ کہ وہ راستہ میں شہید کیا گیا ہی یا اپنی موت سے مرا ہی شعر ؎

مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر الخ

میں رایت کے سرنگوں ہونے اور شاہنشہ کے قلبِ لشکر میں نہ آنے کی وجہ صرف قرائن سے شہزادہ کی موت قرار دی جاسکتی ہی ورنہ احتمال خلاف ممکن ہی علاوہ ازیں شیخ کا مذاقِ پند و نصیحت مرثیہ میں بھی موجود ہی ؎

"کہ دنیا صاب ہے .. الخ"

اس کے مقابلہ میں امیر کا انداز دیکھو ؎

"چشم و چراغِ خسروِ روئے زمیں الخ"

سے شہزادہ کی موت پر تصریح کردی۔ اور "خان بشد" میں نام بھی بتا دیا۔ علاوہ ازیں آخری مصرعہ میں خود لفظ شہزادہ لاکر مرحوم کے فضائل و محاسن کے ساتھ نام و لقب کو بھی بیان کردیا۔ یہ بات شیخ کے بند میں نہیں۔ اس تاریخی حیثیت اور تعین نام و لقب کا آگے چل کر یہ ثمرہ مرتب ہوتا ہے کہ آنے والے لوگوں کو اصل واقعہ کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ بخلاف اس کے جب کہ ایسا نہ ہو یہ دقت باقی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کے اس ترجیع کے متعلق اکثر لوگوں کو شک ہے کہ سعد بن ابو بکر کا ہے یا خود ابو بکر کا اور کلیات سعدی میں تو یہ ترجیع بند امیر فخرالدین ابو بکر کے نام پر لکھدیا ہے جو اتابک ابو بکر کے امرائے نامدار میں سے تھا[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر کا ترجیع شہزادہ خان محمدؐ کا مرثیہ بھی ہے اور اُس واقعہ کی تاریخ بھی۔ شیخ کے ہاں مرثیت تو ہے تاریخ نہیں۔

اب ہم اس ترجیع سے چند ضروری مضامین کے اشعار اخذ کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

انتہائے غم میں امتیازِ زندہ و مردہ نہ رہنا یوں دکھایا ہے ؎

شادی کنید شاہ بملتاں ہمی رسد   قاآں ملک محمدؐ سلطاں ہمی رسد

---

[1] دیکھو حیات سعدی صفحہ ۲۱۰ مصنفہ مولانا حالی ۱۲

گویا یاد کرتے کرتے اس قدر بے ہوش ہو گئے ہیں کہ لوگ سلطان محمد کے ملتان پہونچنے کی خوش خبری سنا رہے ہیں جیسا کہ اس کی زندگی میں سناتے تھے۔

تمام عالم اس غم سے متاثر ہے۔ یوں دکھاتے ہیں ؎

نے صبر ماند و آم و دد و وحش و طیر را | نے فرق بود روز و شب و صبح و شام را
چوں خیمہ وقت کوچ زپا اندر آمدہ | ہر کو تہی بماندہ ز کوچ مقام را
ہم وقت گریہ شد رخ شمشیر آبدار | ہم چوب شد درونہ ز خشکی نیام را
اسپان و پیل و پیکر کبکان زاغ چشم | از تنگ ماندہ کردہ فراموش گام را

وحوش و بہائم کی یہ حالت ہے ؎

سرہا فگندہ کردہ پریشاں بفرق موے | دُمہا بریدہ بستہ دگرگوں ستام را

وجود و عدم بھی رو رہے ہیں ؎

اے جام چرخ بہر تو جم خوں گریستہ | بر ذات تو وجود و عدم خوں گریستہ

مرحوم کے نیزہ، چوگان اور علم وغیرہ کی یاد ؎

جولاں بکن کہ ہست گہ نیزہ باختن | چوگاں بزن کہ ہست گہ گوے باختن
بانوبتی بگو کہ بجنباں دمامہ را | کامروز ہست وقت علم بر فراختن

آگے چل کر امیر نے اس بے نظیر ترجیع کو نہایت پاکیزہ دعا پر ختم کر دیا ہے ؎

سرو ترا بسایۂ طوبیٰ پناہ باد | ہمسایۂ تو سایۂ لطف الٰہ باد
رضواں چو بر سر تو کشد بارگاہ نور | گیسوے حور رشتۂ آں بارگاہ باد

اکنوں کہ ذود ماندہ کلاہِ زر از سرت | از رحمتِ خدائے سرت را کلاہ باد

کل دعا شہدا کے شایانِ شان ہے۔ اور آیات واحادیث کے مطابق۔

قطعات وسط الحیوٰۃ

وسط میں قطعات کی تعداد بقول امیر بیالیس [۴۲] ہے ؎

این چہل قطعہ است و دو گر کم نویسد کس یکے | باشد این نقش چہل بر جہل آں جاہل گوا

ہم نے ہر اک قطعہ کے شروع میں اس کا عنوان قائم کردیا ہے جس سے اس کے مضمون کا پتا بآسانی چل جاتا ہے۔ ان میں اکثر قطعات اخلاقی، مدحیہ اور عاشقانہ ہیں اور بعض ہزلیہ بھی ہیں لیکن ان پر "الھزل فی الکلام کالملح فی الطعام" کی مثل صادق آتی ہے۔ چند قطعات ناظرین کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

فتح یافتن شہزادہ محمد بر مغلان (مدحیہ)

نصرتِ دینِ محمد شہ فیروز مصاف | اے ہمہ وقت بہ شمشیر تو فیروزی باد

شاد باش اے صفتِ جنبشِ صفوت دارای | آفریں اے کششِ لشکر و کوشش در کار

تفِ تیغ تو بر آورد ز جاں آہے دود | آتش اندر دل کانوں نہ دہ سنگِ کہسار

بندگانت بہ تو صفِ مغل بشکستند | چاکرانِ تو بہ ہر پلہ کشیدند حصار

گفت ہفت اختر و نہ چرخ کہ چشم بد و سہ [مقام ۹] | زاں دو بازو کہ سہ فتحش بدود ہم یکبار [مقام ۱۲]

فتح بر زن براق تو ازاں داعی شد | کہ چو ایں را بدوانی بدود او ناچار

فتح دنبالِ رکابِ تو دواں غاشیہ وار　　　باد برفرقِ ظفر غاشیۂ دولتِ تو

مغلوں کی شکست پر شکست اور ان کے فتنہ کا ذکر امیر نے قصائد۔ ترجیعات اور مثنویات میں خوب دل کھول کر کیا ہے صنف قطعہ اس سے کیوں کر خالی رہ سکتی تھی چنانچہ یہ قطعہ بھی مغلوں کی شکست کی یادگار ہے جس میں شہزادہ خان محمد کو پہاڑی مقامات پر حملہ کرنے اور سخت کوشش کے ساتھ وہاں لشکر لے جانے پر سراہا گیا ہے ع

آفریں اے کششِ لشکر و کوشش در کار

اور دکھلایا ہے کہ بندگانِ شاہی نے مقام ہیتو میں مغلوں کو شکست دی اور دھرلیہ کا حصار تیار کرلیا۔ اور ماشاء اللہ متعدد فتوحات یکے بعد دیگرے حاصل کیں ع

زاں دو بازو کہ سہ فتحش بدو دہم یکبار

صنعت تجنیس تام و زاید اور تصحیف میں بھی ایک قطعہ ملاحظہ ہو (مدحیہ) ؎

اے کہ چوں خنگِ تو جولاں در گرفت　　　گَرد گِرد اگِردِ گَرداں گِرد کرد

بس کہ خلق از تو بسر ما بُرد برد　　　بَرد بُرد بَرد بُرد بَردا بَردِ بَرد

چوں دو دو دردِ درد و قسمت خورد گفت　　　دُرد دُرد دَرد دَرد دردا دَردِ دُرد

الفاظ گرد۔ برد اور درد میں صنّاعی کی ہے۔ گرد بالکسر و بالفتح اور برد اور درد بالفتح و بالضم میں تجنیس تام ہے اور گردا گرد اور بردا برد اور دردا درد میں تجنیس زاید ہے۔ اسی طرح گردا اور کرد میں صنعت تصحیف ہے۔ اس قسم کی صنّاعیاں زیادہ تر تحفۃ الصغر میں پائی جاتی ہیں۔ وسط الحیوۃ کا کلام صاف ہے اس میں صرف یہی قطعہ ہے

جس میں یہ تکلف پایا جاتا ہے۔

ایک قطعہ میں امیر عدم وصول صلہ کی شکایت میں تاتار خاں (بادشاہ کے چچا) کو آزادی کے ساتھ لکھتے ہیں ؎

خانِ جہاں کشائے معظم تتار خاں — والا نصیر حق ملک مملکت پناہ

آنی کہ ابر دستِ تو گرد د گہر فشاں — نے زر کہ کیمیای شود اندریں گیاہ

گر چرخ سوئے ہمتِ عالیت بنگرد — از فرق او بباہ در افتد کلاہ ماہ

دانی کہ ہیچگہ بجنابت نیامدم — تا سوئے من بدیدۂ احساں کنی نگاہ

مدحت گہے نگفتم و بخشش نخواستم — ایں بار ناگہاں غلط کردم ایں گناہ

کردی ز نقدِ وعدہ چناں دانم گراں — کز بارِ آں نجانہ شدم با قدِ دوتاہ

تو عمِّ بادشاہی و من مادحِ شہم — شاید کہ عشوہ تحفہ برم از تو پیش شاہ

ایں بار صلہ ام دہ و سوگند می خورم — گر ز حمتے دہم بجنابِ تو ہیچگاہ

خوب خبر لی ہے کہ میں نے بھول کر جو تمھاری مدح کر دی ہے براہِ کرم اس گناہ کو صلہ دے کر معاف کیجے آیندہ کے لئے قسم کھاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔

گو نغز و معمّا میں امیر کی علٰحدہ ایک مستقل تصنیف ہے لیکن ان کے دواوین میں بھی بعض قطعات و رباعی کسی کسی چیز کے معمّا میں موجود ہیں۔ وسط الحیوٰۃ کے قطعات میں ایک معمّا پان کے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

آں چیست کہ خام سبز باشد — در پختگی ہست زردی روش

خونش نہ بہ رگ و پے چو خائیش | خوں از دہنت بروں دہد جوشش
ہم گفتہ سخن ز تیزی جوشش | ہم دادہ خبر ز تیزی گوشش

سب سے آخری قطعہ وسط الحیوٰۃ کے تعداد ابیات کے متعلق ہے ؎

واسطہ ہست از پے حیاتِ ابد | ایں کتاب از چنیں خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہائے ترش | ہشت ابر آمدست بریک آب
غیم یعنی کہ ہشت بار بخواں | ما بیکبارہ دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکے ست و ہشت ہزار | ہمہ بیت از چہل کشاد نقاب
ایں شمارے ست وضع بندہ کہ نیست | ہیچکس را درو محلِ جواب

یعنی غیم کے اعداد (۱۰۵۰) کو ۸ گنا کیا تو (۱۰۵۰ × ۸) = ۸۴۰۰ ہوئے اس میں "ما" کے اعداد (۴۱) ملائے تو کل (۸۴۴۱) ہوئے۔ اس لحاظ سے تعداد ابیات وسط الحیوٰۃ آٹھ ہزار چار سو اکتالیس ہے۔ آخری شعر میں اس مقدار ایجاد پر امیر کا فخر کرنا بالکل بجا ہے۔ غالباً اُن سے پیشتر کسی نے یہ التزام اپنے مصنفات کے متعلق نہیں کیا۔

رباعیات وسط الحیوٰۃ

صنف رباعی کماً و کیفاً دو جداگانہ حیثیتیں رکھتی ہے اس میں ایک طرف اوزان مخصوصہ اور اختصار مضمون کے لحاظ سے تحدید ہے، دوسری طرف تنوع مضامین

اور ادائے خیالات کے لحاظ سے ہر قسم کے مضامین حکیمانہ، عاشقانہ، رندانہ، متصوفانہ، فخریہ، مدحیہ، ہجویہ وغیرہ ادا ہو سکتے ہیں۔ رباعی کی اس تحدید وسعت کا لحاظ اور اس کے اوزان و مضامین پر قدرت تامہ رکھنا ہر شاعر کے بس کا نہیں اور جب تک کہ اس سے خاص مناسبت نہ ہو ہر کس و ناکس کے لئے اس میں خامہ فرسائی کرنا دشوار رہے۔

امیر خسرو کا رجحان طبع (جیسا کہ اُن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے) بدو شعور ہی رباعی کے ساتھ پوری طور پر تھا۔ انہیں بچپن ہی میں رباعی سے خاص مناسبت تھی ان کی عہد طفلی کی رباعیاں خصوصاً بالکل ابتدائی زمانۂ طالب علمی کی موجود ہیں۔ دیباچہ تحفہ میں خواجہ عزیز الدین کارکانہ کی فرمائش پر چار نامتناسب الفاظ موئے بیضہ، تیر اور خربزہ کو ایک رباعی میں فی البدیہہ نظم کر دینے کا قصہ مفصل مذکور ہے۔ علاوہ ازیں وہ خود جا بجا تصریح کرتے ہیں کہ مجھے رباعی و قطعات سے ابتدا ہی سے فطری مناسبت ہے اور اس میں میرا خود اپنا رنگ ہے، کسی کا متبع نہیں ہوں۔

تحفہ کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"عمارت عمر در خانہ دوازدہ بود کہ بنا ارکان بیت و بنا تقطیع رباعی در آن خانۂ آب و گل این خاکی اساس یافت"

اور لکھتے ہیں:-

"ہر بار کہ بندہ از راہ دوبیتی در می آمد و یا از باب دو مصراع سلسلہ

می جنبانید در تعجب بر ایشاں (فضلا و بلغا) کشادہ می شد "

غرۃ الکمال کے دیباچہ میں فرماتے ہیں :

" شجرہ سخن بندہ شعب بسیار دارد ... آنچہ از قطعات و رباعیات و

نغز ست از وجود من خاکی ست "

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا ایک معتدبہ حصّہ صنف رباعی کے لئے مخصوص ہے اور ہر دیوان میں کافی تعداد رباعیات کی پائی جاتی ہے وسط الحیوۃ میں بھی تقریباً (۱۵۷) رباعیات ہیں (جو امپیریل لائبریری کلکتہ کے نسخہ وسط الحیوۃ سے نقل کراکر شاملِ دیوان کی گئی ہیں)

رباعی کے مضامین کے متعلق ہر شاعر کا اپنا جداگانہ مذاق ہے کوئی فلسفہ (آزادانہ خیالات) اور خمریات کو لئے ہوئے ہے کسی نے تصوف و اخلاق کے مضامین پر اکتفا کیا ہے، بعض نے محض حسن و عشق، ہجر و وصل اور سوز و درد کے مضامین ادا کئے ہیں لیکن امیر خسرو کی رباعی تاریخ اور فطرت نگاری کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور مضامین تصوف، اخلاق، فلسفہ، حسن و عشق، مدح و ہجو، رندی و ہزل، خزاں و بہار وغیرہ کی جامع ہے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

بہارِ نوروز ؎

نوروز رسید بوستاں شد گلگوں	می نوش مشو بدستِ اندیشہ زبوں
بارے بنگر کہ چوں ہمی آید چوں	از بیضۂ خاک طوطیِ سبزہ بروں

دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر عجائبات فطرت کا تماشا اور اس میں غور و خوض کرنے کی ہدایت ہے اور تنبیہ ہے کہ دیکھو خاک سے کیا کیا خوش نما اور خوش رنگ چیزیں پیدا ہوتی ہیں طوطیِ سبزہ، بیضۂ خاک نادر تشبیہات ہیں۔

مدحیہ و رزمیہ ۔ تیغِ تو کہ خصم را سر می آید ۔ در رزم چو آفتاب بر می آید

دستِ تو کہ دریاست کماں اندر وے ۔ انصاف کہ ہمچو آب در می آید

ممدوح کی سخاوت آمیز شجاعت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ یعنی ممدوح کی تلوار دشمن کا خاتمہ کرنے کے لئے رزمگاہ میں آفتاب کی طرح چمکتی ہے اور اس کی کمان اس کے فیاض ہاتھ میں تیروں کی بارش برساتی ہے۔

زار نالی ۔ چوں گریہ درونِ دلِ من داد گرہ ۔ دانی کہ دریں دل زچہ افتاد گرہ

با دست دمے سردمن خونِ دلِ آب ۔ در آب افتد ز جنبشِ باد گرہ

گریہ کو پانی اور آہ کو ہوا قرار دے کر خوب دل گرہ لگائی ہے۔

شکایتِ سرما ۔ تا لشکرِ سرما بجہاں پیوستہ است ۔ از تندیِ باد شاخہا بشکستہ است

ہر قطرۂ آب بستہ شد بر گلِ تر ۔ گوئی کہ ہوائے بر سرے بر بستہ است

سردی کی شدت سے گلاب پر شبنم کے قطرے بستہ ہو کر رہ گئے اور باد تند سے درختوں کی شاخیں ٹوٹ گئیں۔

عشقیہ ۔ در عالمِ عشق آں بتِ بندہ نواز ۔ چوں خستہ دلم عزم سفر کرد آغاز

گفتم کہ دلا بزلف او داری راہ ۔ ہشدار کہ راہِ ما پر پیچ است و دراز

زلف کی تعبیر "راہِ مار پیچ" سے لطیف و نادر ہے۔ خواجہ حافظ لکھتے ہیں ؎

ببیں بہ سیبِ زنخداں کہ چاہ در راہ است
کجا ہمی روی اے دل بدیں شتاب کجا

میر تقی لکھتے ہیں ؎

خط و زلف و کاکل میں دل جا کے اُلجھا ✤ نہ سمجھا یہ ناداں کہ ہندوستاں ہے

تاریخ۔ جمعے ہمہ گردن برسن کردہ گرد ۔ بودند چو خوں گشتگاں اندر دو
ہم خار ہمی گرفت دامن کہ مپوے ۔ ہم آبلہ می فتاد در پا کہ مرو

یہ رباعی واقعۂ مغل کے متعلق ہے۔ جانبازانِ شاہی کو بعد شہادت شہزادہ مغلوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ امیر بھی اسیر ہیں۔ پیادہ پا ہیں۔ آبلہ پائی سے چلا نہیں جاتا۔

یادِ رفتگان و اسیران } آں کیست کہ سوئے رفتگاں رہ جوید ۔ مارا خبر از حالِ اسیراں گوید
پائے کہ بزیرِ گِل خراشیدہ شدے ۔ یارب کہ میانِ خار رچوں می پوید

مولانا خوب فرماتے ہیں ؎

یا دیاراں یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلیٰ و او مجنوں بود

واقعۂ شہادت خان شہید میں جو نازک اور لطیف طبع احباب متفرق ہو گئے ہیں اُن کو نہایت دردناک لہجہ میں یاد کیا ہے ؎

رقت و بکا۔ زیں واقعہ کامسال بملتاں زاد است ۔ از گریہ نفیر در جہاں اُفتاد است

فریاد ز گوشش من بر آمد چہ کنم — ہر سوئے کہ گوش من نہم فریاد ست

واقعۂ شہادت خان شہید کے متعلق علاوہ ان بے نظیر ترجیعات کے جن کا تبصرہ اوپر گزرا وسط ہیں متعدد رباعیات ہیں۔ یہ رباعی بھی اسی واقعہ سے متعلق ہے جس پر برسوں کو بکوا ور سو بسو نوحہ و فریاد بپا رہی ہے بالکل صحیح ہے ع

ہر سوے کہ گوش من نہم فریاد ست

ہجو یہ مقل ۔ دی کوشگگی گندہ دہاں بد بوے — با من بمزاح کرد روے اندر روے

من کودک او پیر و مویش در ریش — تا چند زنم خندہ بر آں ریش دو موے

کوسہ کچّی داڑھی والے مرد کو کہتے ہیں جس کی ٹھڈّی پر صرف دو چار بال ہوں پھر اُس کی تصغیر کرکے کوشگگی بنایا۔ اور بطور ہجا اس کی داڑھی اور گندہ دہنی کا ذکر کرکے طفلانہ ریشخند کیا ہے۔ من کودک او پیر الخ

صفت دہل ۔ ہستم دہلے چوں مرا ساز کنند — زاوازۂ من جہاں پر آواز کنند

در معرکہ گر بانگ بر اعدا نزنم — فرماں ست کہ پوست از سرم باز کنند

انتخاب جزئیات اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اخذ تخئیل امیر خسرو کی شاعری کا ایک نمایاں وصف ہے وہ ارد گرد کی معمولی چیزوں کے وہ حالات اور اوصاف بیان کردیتے ہیں کہ اگر خود وہ چیزیں زبان رکھتی ہوتیں تو وہی کہتیں جو امیر نے کہا ہے وسط ہیں اس قسم کے اکثر چیزوں کے متعلق رباعیات ہیں۔ یہ رباعی ڈہل کے متعلق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ معرکۂ جنگ ہیں مجھ سے اعدا پر رعب پڑتا ہے اگر میں اس میں ذرا بھی کوتاہی

کروں تو میری طرف سے اجازت ہے کہ میرے سر کی کھال کھینچ لی جائے۔

صفت انگور۔ انگور کہ کرد خانۂ عیش آباد — ہر خوشہ چو مادرے کہ صد بچہ بزاد

تو عاقبتش راہ نمودی بفساد — ہر چند کہ پستاں بدہانِ تو کشاد

انگور کے متعلق جو کچھ امیر نے نقل کیا ہے اور اس کی حالت واقعیہ سے جو خیال اخذ کیا ہے بالکل مطابق حال ہے۔ انگور سے عیش کی خانہ آبادی، اس کا مادرِ صد بچہ زا ہونا، اور اسی مناسبت سے دانہ ہائے انگور کو دانۂ پستان کہنا تشبیہات نادرہ و واقعیہ ہیں باوجود ان خدمات و فیاضی کے اس غریب کو الزام فساد اور لقب ام الخبائث عطا ہونا کس قدر ظلم ہے۔ نہایت پاکیزہ تخیل پر اس رباعی کی بنا ہے۔ ہمدردی کے پردہ میں سب کچھ کہدیا ہے جو کمال شاعری پر دال ہے۔

مثنویات وسط الحیوٰۃ

عام خیال ہے کہ جو اچھا مثنوی نگار ہے وہ تغزل اور قصائد میں کمال نہیں پیدا کرسکتا اور جو عمدہ تغزل کرسکتا ہے اس سے عمدہ مثنوی نویسی نہیں ہوسکتی لیکن یہ خیال سب سے پہلے شیخ سعدی اور اُن کے بعد حضرت امیر خسرو کی شاعری پر منطبق نہیں ہوتا۔ ان بزرگوں کی شاعری میں جب غزلیات پر نظر پڑتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ اُن کو مثنوی نویسی میں شاید یہ کمال نہ ہو جو اس صنف میں ہے، اور اسی طور پر مثنویات دیکھکر گمان ہوتا ہے کہ تغزل میں ان کو وہ رتبہ حاصل نہ ہوگا جو مثنوی میں ہے۔ لیکن یہ امر اُن کے کمال سخن

اور ہمہ گیری کا پختہ ثبوت ہے کہ وہ مثنوی اور تغزل میں یکساں کمال رکھتے ہیں اور ہر صنف میں پوری طور پر خامہ فرسائی کر سکتے ہیں۔

امیر خسرو (قصائد اور غزل سے ہٹ کر) جب مثنوی پر متوجہ ہوتے ہیں تو واقعہ نویسی فطرت نگاری، کیرکٹر نویسی اور رزم و بزم و نصائح و اخلاق میں سعدی و نظامی نظر آتے ہیں اور ان کی مثنوی میں مثنوی کے عام لوازم و خصوصیات اسی طرح پائے جاتے ہیں جیسا کہ ان بزرگوں کی مثنویات میں ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر دیوان وسط الحیوٰۃ کی مثنویات ہیں جو تاریخی حیثیت سے نہایت مہتم بالشان ہیں۔ ان میں اکثر نمونے مضامین مذکورہ کے موجود ہیں ہم ان پر اجمالی نظر ڈال کر تفصیلی بحث کریں گے۔

وسط کی پہلی مثنوی پر اجمالی نظر

یہ مثنوی ایک رزمیہ مثنوی ہے جس میں ۲۷۵ شعر ہیں۔ ذیل میں ان اشعار کا تجزیۂ مضامین کیا جاتا ہے جس سے اس رزمیہ کی اجمالی کیفیت ناظرین پر روشن ہو گی

از شعر ۱ تا ۴۸ حمد نعت اور مدح سلطان بلبن

〃 ۴۹ تا ۸۵ ذکر فتح بلبن بر طغرل

〃 ۸۶ تا ۱۴۵ مدح خان محمدؒ و ذکر بعضے از فتوحات

شہزادہ خان محمد کی مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی شکست فاش ذکر بہ تفصیل ہے۔

از شعر ۱۴۶ تا ۱۷۲ لشکر شاہی کی شجاعت اور تمام ساز و سامان جنگ آراستہ ہونے اور مغلوں کے لشکر کی نامردی اور بدحالی کا ذکر

از شعر ۱۷۳ تا ۱۷۷ - چتر برداران شاہی کی نام بنام تفصیل -
" ۱۷۸ تا ۲۱۳ - اُن پہلوانان و جان نثاران کی نام بنام تفصیل جنھوں نے
جان پر کھیل کر مغلوں کو شکست فاش دی -
از شعر ۲۱۴ تا ۲۳۱ - مغلوں اور اُن کے لشکریوں کا ذکر، حلیہ، کیرکٹر، شباہت وغیرہ
" ۲۳۲ تا ۲۵۳ - دونوں طرف سے لشکروں کا حملہ، تیر اندازی، تیغ زنی اور
بے حد کشت و خون کا ذکر -
نجلاک اور اس کے ساتھی بڑے بڑے نامور مغل مارے گئے۔ بقیۃ السیف لیڈروں کے
ہاتھوں سے تلوار کے گھاٹ اُترے - ۱۱ رمضان ۶۸۲ھ یوم جمعہ بوقت شام -
از شعر ۲۵۴ تا ۲۶۴ - واپسی شاہ (خان محمد) بافتح و ظفر بملتان و تہنیت نامۂ خسروؔ
باستدعائے قبول و خطاپوشی -

پہلی مثنوی پر تفصیلی نظر:

حمد

حیِ مطلق بادشاہِ لم یزل — حاکمِ بنیادِ ہستی در ازل
بے گزند از ہرچہ آمد در زوال — بے نشاں از ہرچہ بینی در خیال
صورتِ عقل از وجودِ پاکِ او — چشم و صورت بستہ بر ادراکِ او
صانعِ مردم کہ از روئے صواب — بے قلم صورت کند بر روئے آب
آنکہ بندد بر یخ یاقوت رنگ — لعل چوں آتش برو آرد ز سنگ

اس شاندار حمد میں امیر نے سعدی اور نظامی کی طرز کا بیّن اتباع کیا ہے (جیسا کہ ابھی ثابت ہوتا ہے) پہلے شعر میں واجب الوجود کے لئے ہستیِ مطلقہ اور سلطنت ازلیہ کا ثبوت حمد کا بہترین اسلوب ہے۔ بنیادِ ہستی سے مراد اگر اعیانِ ثابتہ اور حقائقِ ممکنہ ہوں تو اُن پر واجب تعالیٰ کی حکومت ازلی کے یہ معنی ہونگے کہ جس طرح پر ما بالعرض کی احتیاج ما بالذات کی طرف بدیہی ہے اسی طور پر تمام حقائقِ ممکنہ نفس وجود میں ذاتِ باری کی محتاج ہیں اور اس کے ظل و عکس ہیں اور اگر بنیادِ ہستی سے مراد خود ذاتِ واجب ہو تو بدیں صورت یہ معنی ہونگے کہ اُس کا وجود ازلی ذاتی اور مستقل ہے اور یہ جملہ ممکنات کے وجود کی علت ہے۔ دوسرے اور تیسرے شعر میں واجب الوجود کا ہر نقص و زوال سے بری ہونا اور ہر اُس چیز سے جو خیال میں آسکتی ہے۔ باہر ہونا بیان کیا ہے۔ گویا شیخ سعدیؒ کے اس قطعہ کا مضمون ہے

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم الخ

خواجہ میر دردؔ خوب فرماتے ہیں ؎

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

چوتھے شعر میں واجب الوجود کو صانع بے آلت و بے جارحہ مان کر سطحِ آب پر بدون کسی آلہ و پرکار و قلم کے انسانی تصویر بنانے والا بتایا ہے اور مضمون ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری (سعدی)

ادا فرمایا ہے۔ آخری شعر نظامی کے شعر سے

آنکہ آرد برون از دل سنگ
آتش لعل و لعل آتش رنگ

کا ہم مضمون ہے۔ اس کا حاصل بھی قدرت و صنعت باری پر اظہار حیرت ہے۔ جو اصل حمد ہے

نعت

اولیں شمع از شبستانِ وجود	آخریں گل در گلستانِ کبود
ہر کہ سنگ افگند سوے گوہرش	خود نہد تاجِ ہدایت بر سرش
دستِ اقبالش بریدہ گلو	مشرکان را زیر تیغ اقتلوا
خنگ چرخ از گرد نہ گنبد گذشت	توسنش از دوے بیک گنبد گذشت
از تفاخر چوں کند رایت فراز	بر لواے فقر بر بندد طراز

پہلا شعر مولانا نظامی کے شعر سے

نقطۂ خطِ اوّلیں پرکار
خاتم کار آفرینش کار

کا ہم مضمون ہے، اس کا مصرعۂ اولیٰ حدیث اول ما خلق اللہ نوری اور دوسری آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین کو متضمن ہے۔ امیر کے ہاں شمع شبستانِ وجود اور گل گلستانِ کبود نادر اور لطیف تشبیہات موجود ہیں

دوسرے شعر میں ایک مفصل تلمیح ہے یعنی جنگ احد میں آپ کا مقابلہ کیا گیا خود آپ کی ذات پر پتھروں سے حملے ہوئے اسی میں دندانِ مبارک شہید ہوا اور صحابہ کو منتشر ہو کر ادھر اُدھر چھپ جانا پڑا لیکن امداد غیبی رفیق نبوت تھی فتح ہوئی اور بڑے بڑے حریف نبرد پا بزنجیر حضور نبوی میں لائے گئے جن کو اُن کی درخواست پر فوراً معافی دی گئی اور بالآخر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابی جہل اسی جنگ کے مفتوحین میں سے ہیں جن کے سروں پر تاج ہدایت رکھا گیا ؎

ہر کہ سنگ افگند سوئے گوہرش | خود نہد تاجِ ہدایت بر سرش

اس تفصیل کا بہترین اجمال ہے۔

تیسرے شعر میں علت جہاد شاعرانہ انداز میں بیان کی گئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے جس طور پر جسم کے اُس عضو کو جو سڑ کر ناکارہ ہو گیا ہو اور جس سے اور اعضائے فاسد ہو جانے کا اندیشہ ہو جسم سے علیحدہ کر دینا اور کاٹ ڈالنا عقلاً ضروری اور قرین مصلحت ہے۔ اسی طرح اُن افرادِ انسانی کو جو اپنی روحانی گندگی سے تمام جسم عالم کو گندہ کرنے کو ہوں مٹا دینا قرینِ عقل و مصلحت ہے۔ پس مشرکین مکہ کو ان کی فساد روحانی اور خباثت نفس کے سبب کہ ہر دم مخالفت حق اور آنحضرت صلعم کی جان کے درپے تھے بحکم خداوند عالم صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور اُن کا استیصال کلی کر دیا گیا اور ایسا کرنا عین قرینِ عقل و مصلحت تھا۔ تاکہ تمام عالم اُن کے فاسد مادّہ سے محفوظ رہے۔ اس مصلحت کو امیر نے "دستِ اقبالش" سے تعبیر کیا ہے۔ جو مدح کے موقع پر حسب حال ہے۔ مولانا نظامی نے

یہی مضمون اپنے ہاں اس طرح ادا کیا ہے لیکن دو شعروں میں ادا ہوا ہے ؎

محیطے چہ گویم چو بارندہ میغ	بیک دست گوہر بیک دست تیغ
بگوہر جہاں را بیارا استہ	بہ تیغ از جہاں داد دیں خواستہ

مولانا نے علت عفو و انتقام بصراحت بیان کرتے ہوئے اس مضمون میں ایک شاعرانہ لطافت پیدا کی ہے۔

چوتھے شعر میں معراج ختمی مآب کی طرف اشارہ ہے اور مولانا نظامی کے شعر ؎

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ	زمین و زماں را پس انداختہ

کا مضمون ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخری شعر میں مضمون الفقر فخری کی عظمت ذہن نشین کی ہے۔ مولانا نظامی اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں ؎

تہیدست سلطان پشمینہ پوش	غلامی خرد پادشاہی فروش

خواجہ میر انصار نے اس مضمون میں اک خاص شان اور لطف پیدا کیا ہے ؎

عاشقانت نعرۂ الفقر فخری میزنند
بر سرِ کوئے ملامت پائے کوباں آمدہ

مدح سلطان غیاث الدین

چتر او باد و رباشِ جاں خراش	آفتاب و آسماں را خواجہ تاش
خسرواں چوں در رضایش رو نہند	خسروی خویش را یکسو نہند
تا ز ملکش در جہاں آوازہ گشت	ملک را تاریخ دارا تازہ گشت

ہر کہ خدمت پیش آں دارا کند | سر نہ بیند گر نظر بالا کند
یک سوارش بر صد اسکندر زند | بانگ بر سدِ سکندر بر زند

چتر دو در باش آفتاب اور آسمان کے ہم پایہ ہیں شاہانِ ملک اس کی جناب میں بندۂ زر خرید ہیں اس کے ممالکِ محروسہ میں ہر دم نئی فتوحات کا اضافہ ہو کر سکندر دارا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس کے روبرو ہر گردن کش نظر اٹھاتے ہی گردن زدنی ہو جاتا ہے اس کا ادنیٰ چاکر سو عظیم الشان بادشاہ اور ان کے عساکر پر بھاری ہے۔ یہ سب وہ اوصاف ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن جیسے عظیم الشان بادشاہ کی شوکت و شکوہ کے مطابق و مناسب ہیں محض فرضی مدح نہیں بلکہ بہت کچھ مبنی بر حقیقت ہے۔

فتح بر طغرل[1]

طغرل سلطان بلبن کا ترکی النسل غلام تھا جو لکھنوتی (بنگال) کا حاکم مقرر کیا گیا تھا صوبہ لکھنوتی دار السلطنت دہلی سے دور دراز فاصلہ پر تھا اور دہلی سے لکھنوتی تک کا راستہ بھی پر خطر تھا۔ اس لئے وہاں کا جو صوبہ دار بنایا جاتا تھا وہ ضرور بغاوت کرتا یا وہاں کے تجربہ کار اور دانشمند کارکنوں کے اغواسے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ طغرل نے لکھنوتی کا صوبہ دار ہو کر وہاں کی چند مہمات سر کیں اور حاجی نگر کو فتح کر کے بہت سے ہاتھی اور مال غنیمت پر قابض ہوا۔ مغویانِ لکھنوتی نے طغرل کو اشتعال دی کہ وہ خود مختار ہو جائے اور سلطان بلبن سے جو ہر سال مغلوں کے دفعیہ میں مصروف ہے

---

[1] ماخوذ از فیروز شاہی ضیا برنی ۱۲

سرکشی کرے۔ طغرل نے یہی کیا اور بلبنی قہر و انتقام کی کچھ پروا نہ کرکے تمام سامان و
اموال اور ہاتھی حاجی نگر کو خود ہی رکھ لیا اور دہلی نہ بھیجا۔ یہاں تک کہ سلطان مغیث الدین
کے لقب سے ملقب ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔

سلطان بلبن اس خبر سے نہایت برافروختہ ہوا اور طغرل کی یہ حرکت ناقابلِ معافی
قرار دے کر طغرل کی سرکوبی کے لئے ایک مہم بھیجی جو طغرل کے مقابلہ میں ناکام رہی۔
دوسری دفعہ پھر ایک لشکر طغرل کے مقابلہ کے لئے لکھنوتی بھیجا گیا۔ طغرل نے اس کو بھی
مار بھگایا۔ اس دفعہ بلبن نہایت پُرغضب اور شرمندہ ہوا اور طغرل کے قلع قمع کے لئے
خود آمادہ ہوا۔ سامانہ سے بغرا خاں کو لیا اور مختلف اطراف و جوانب سے ایک کثیر التعداد
لشکر لے کر لکھنوتی کا رخ کیا۔ امیر خسرو نے اس مثنوی میں بلبنی لشکر اور اس کے
کوچ کی تفصیل اس طرح دکھائی ہے ؎

چوں ہمائے دولتش پرواز کرد — چنگلِ خوں ریز طغرل باز کرد
آسمانِ چتر بر بالا کشید — لشکرے چوں کوہ در صحرا کشید
نے عدو چندانکہ بتواں عرض داشت — چار منزل دستِ چپ تا دستِ راست
از غبارِ نعل مہ در میغ بود — ربع مسکوں زیر آبِ تیغ بود

امیر خسرو کی شاعری مخزن محاسن ہے۔ طغرل کی خوں ریزی اور اس کی بازمکاری
لشکر کی کثرت اور میمنہ میسرہ کی کیفیت سب کچھ بیان کرکے آبِ تیغ اور مہ در میغ بود
سے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ کوچ کرتے ہی برسات شروع ہو گئی تھی اور کثرتِ باراں سے

سلطانی لشکر کوئی حرکت نہ کرسکتا تھا ؎

خیمہ ہا بستہ طناب اندر طناب — گوئی از دریا ہمی خیزد حباب

کثرت بارش گنگا کا جوش ؎

آب گنگ از جوش بر می زد خروش — گشتہ آب موج کشتی تختہ پوش

طغرل نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور قبل اس کے کہ لشکر بلبنی اس کی سرکوبی کرے اس نے بھاگنے کی تیاری کر دی ؎

تا ہمایوں فرش از چتر بلند — سایہ در صحرائے لکھنوتی فگند

طغرل بر داشتہ از جاں امید — نامدہ در چنگ آں باز سپید

اور اپنے ساتھیوں سمیت (حاجی نگر کی طرف) بھاگ گیا ؎

بوم خالی کرد ازاں بیدار شوم — شد رواں سوئے خرابی ہمچو بوم

سلطان بلبن نے لکھنوتی پہونچکر چند روزہ قیام کے بعد طغرل کا تعاقب کیا اور خود حاجی نگر کا قصد کیا۔ جب بلبن سنارگاؤں پہونچا ہی تو وہاں کے راجہ دنوج رائے نے اس سے آکر ملاقات کی اور عہد کیا کہ طغرل اگر بھاگ کر کہیں نکل جائے گا تو اس کی ذمہ داری راجہ پر عاید ہوگی۔ چنانچہ راجہ نے طغرل پر اپنی فوج کے ذریعہ سے بحری راستہ بند کردیا۔ امیر خسرو ان واقعات کو یوں دکھاتے ہیں ؎

دور کرد از ہمگناں سودائے جنگ — دادہ چوں سودائیاں در راہ بنگ

رائے بنگ آورد بحر بیکراں — بست سوئے آب راہ بندے گراں

این مخالف چوں بہ تریّ رہ نیافت   خاک خایاں جانب خشکی بتافت

بالآخر بلبن نے حدود حاجی نگر میں پہونچکر طغرل کی گرفتاری کے لئے خاص لوگوں (ملک محمد تیر انداز، ملک مقدور وغیرہ) کو نامزد کیا جنھوں نے پتا لگا کر طغرل اور اس کے لشکر پر چھاپا مارا۔ طغرل بھاگ کھڑا ہوا لیکن ملک مقدور اور طغرل کش نے اس کا تعاقب کر کے اس کو تیر مار کر گرا لیا۔ ملک مقدور نے اس کا سر اُتار کر لاش پانی میں پھینک دی اور بشارت فتح حضور بلبنی میں پہونچائی۔ امیر خسرو نے یہ سب حالات اس طرح دکھائے ہیں ؎

لشکرش چوں تیغ زن شد نام زد   ناگہاں بر قلب آں گمنام زد

سرکشاں شد آنکہ پے در کیں فشرد   وانکہ ناکشتہ بماند از غم بمرد

طغرل بیدولت از اقبال شاہ   تافت روئے نامبارک زاں سپاہ

گر غبارے داشت بہر کارزار   جز ز آب تیغ ننشست آں غبار

گرچہ بود از بادۂ کیں شیر گیر   خفت چوں خرگوشے از یک چوبہ تیر

حاصل آں پیلان و گنج خواستہ   جملگی ترتیب ملک آراستہ

دور باش و چتر و رایات سیاہ   یک بیک بردند پیش تخت شاہ

سلطان بلبن با فتح و ظفر لوٹ کر لکھنوتی پہونچا اور وہاں کا انتظام بغرا خاں کے سپرد کر کے دہلی واپس ہوا ؎

فتح و فیروز شاہِ تاج بخش   بازگشت و بازگرداند رخش

شہزادہ خان محمد کی بعض فتوحات کا ذکر

اس بیان میں شہزادہ کی مختصر مدح کے بعد فتح دمریلہ اور پہاڑی اجہ اور راجہ نگرکوٹ پر حملہ کا ذکر ہے۔

دمریلہ پر فوج کشی سے

دولتِ سرش چو رایت برفراخت　　تیزیِ اقبال بر دمریلہ تاخت

دمریلہ کے راجہ کا مقابلہ میں آنا سے

رائے شاں سر از برائے کارزار　　صف کشید از پیش با مردانِ کار

با فتح ونصرت مراجعت سے

شاہ با فتح وظفر دمساز گشت　　پس بہ پیروزی بملتاں باز گشت

راجہ کو حکم جزیہ اور اس کا انکار سے

رائے را فرمود تا زماں برد　　زر ز دل بیروں کند تا جاں برد
رائے کوہ اول بہ سختی سر کشید　　روئے چوں آتش سبک اندر کشید
کاتشم راکس کجا یابد شرار　　سنگم از من زر کہ جوید جز غبار

اس جواب پر اس پر لشکر کشی کی گئی اور اس کے محفوظ مقامات کو توڑ دیا گیا اور مقام سانبہ کو جلا دیا گیا سے

لشکرے چوں قلعۂ پولاد پوش　　بلکہ چوں سدِ سکندر ہفت جوش
راست کرد و راند بر بالائے کوہ　　کوہ را بشکست زاں جنبش شکوہ
آہنِ تیغش ز رنگ آتش فروخت　　سانبہ را زیر و زبر کرد و بسوخت

بالآخر سخت خوں ریزی کے بعد پہاڑی راجہ نے اطاعت قبول کی اور جزیہ بھی دیا ؎

هیچ در دامانِ کوه سنگے نبود — کش ز خونِ کشتگاں رنگے نبود
از چناں خوں ریز بیروں از قیاس — رائے کوہی را شد اندر دل ہراس
لرزہ در کالوے بے فرماں فتاد — بندہ شد سر بر خطِ فرماں نہاد
مال داد و خدمتے فرزند نیسر — وز عجائب ہائے کہ بسیار چیز

اس فتح کے بعد راجہ نگرکوٹ پر حملہ۔ میر حاجب تکلی اور دیگر بہادرانِ لشکر کی نامزدگی

پس بہ پیروزی شہ پیروز رزم — سوے رائے نگرکوٹ آورد رزم
میر حاجب تکلیِ آں پیلِ مست — نام زد گشت و میانِ کار بست
پیل زورانِ دگر پہلوے او — چوں علم پیوستہ بازوے او

رائے نگرکوٹ نے بھی جزیہ قبول کیا مطیع و فرمانبردار بن گیا ؎

رائے خود فرماں بری را ساز کرد — بندہ سنت و بندگی آغاز کرد
جزیہ چنداں زر کہ نتواں بر کشید — بر کشید و پیش آں لشکر کشید

پہاڑی مقامات کی فتوحات سے فراغت پاکر شہزادہ ملتان واپس آیا ؎

شاہ با فرِّ شکوہِ خسروی — طالعے فرخندہ و بختے نوی
کوہ را سفتہ بہ تیزیِ سناں — سوئے ملتاں داد تیزی را عناں

جنگ خجلاک اور شکست مغل

مغلوں کی شکست کے موقعہ پر امیر کا قلم رقاصہ کی طرح طرب انگیز ہو جاتا ہے وسط میں متعدد قصائد، ترجیعات و قطعات میں امیر نے مغلوں کو بھگانے اور ان کو شکست دینے کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنویاں بھی اس بیان سے خالی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ خان محمد نے بڑی پامردی سے اپنے وقت میں مغلوں کے فتنے کو روکنے کی کوشش کی ہے اور آخر کار اسی میں کام آیا ہے۔

مغلوں کے مقابلہ کے لئے جو لشکر تیار ہوا ہے اس کا ذکر امیر نے اس مثنوی میں اس طرح کیا ہے ؎

دو تقش امسال چوں لشکر کشید ۔ تیغِ نصرت بر سرِ کافر کشید

رخش بیروں راند بر عزم مصاف ۔ راست کردہ لشکرے چوں کوہ قاف

قاف تا قاف از الفہائے علم ۔ کرد طغرائے شہنشاہی رقم

اس کوہ وقار اور غیر محدود لشکر کی بہادری اس طور پر دکھاتے ہیں ؎

جنبشِ تیزی سوارانِ دلیر ۔ لرزہ می افگند در اندام شیر

ایسے ہی وقت میں بہادروں کے مقابلہ میں مرد و نامرد کا پتا چلتا ہے ؎

آنکہ میزد لاف و سبلت می کشید ۔ مرد و نامرد آں زماں می شد پدید

خان شہید کے مرثیہ میں اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے ؎

اندراں میداں کہ فرق از مرد تا نامرد بود

اے بسا کس را کہ لب ہا خشک و رو ہا زرد بود

آگے چل کر مزید تفصیل کے ساتھ بہادر اور ہنر کا فرق بیان کرتے ہیں ؎

این و رآمد تند و در پیکار شد — واں دگر را دست و پا بے کار شد

این بگردن سر کشد از پشتِ زین — واں دگر می خواست کافتد بر زمین

این ز بہر حملہ می شد پُر زباد — واں دگر از جان و ماں می کرد یاد

اس کے بعد یہ دکھاتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد کی موت نامرد کے ہاتھ سے واقع ہو جائے اور نامرد مرد پر فتح پا جائے ؎

اے بسا شیرا کہ در ہنگامِ جنگ — یوز گشت از پیش یک روباہ لنگ

اے بسا آہو نایاں در مصاف — شیر را چوں نافہ بدریدند ناف

لشکر کی اس تفصیل کے بعد امیر خسرو نے نام بنام اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف خدمات پر مامور تھے مثلاً چتر بردار، علم بردار، دُور باش بردار وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ہی ان پہلوانوں کا نام بھی لیا ہے جو مغلوں کو شکست دینے میں خون و پسینہ ایک کر رہے تھے اس کے بعد امیر نے مغلوں کے کیرکٹر نویسی میں جو کمال دکھایا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے ملاحظہ ہو۔

سر گھٹا ہوا۔ اُلّو کے پروں کی کلغی ؎

بستہ پرِ بوم بر بالائے سر — سر تراشیدہ چو بیضہ زیر بر

بدنما کپڑے ہیں مجھ عاجز کے جسم زار پر
یوں کُلہ سر پر ہے جیسے آبلہ ہو خار پر (آتش)

ریش قدرتاً ندارد (بشکل مخنّث) چوڑا چکلا ڈھال سا چہرہ ؎

چہرہ شاں چوں اسپرِ غوری پہن　　ہم بہ پہنائے سپر دور دہن

آنکھیں ماتھے میں گھسی ہوئیں اور نہایت بدزیب ؎

چشم شاں در روئے ناپیدا شدہ　　ہر کہ دیدہ چشم شاں شیدا شدہ

شیدا شدہ کی تعریض پُرلطف ہے۔

چپٹی ناک جس سے ریزش جاری اچھے خاصے مینڈک ؎

بینی پست و خلیش از وے رواں　　ہمچو غوکے بر سرِ آبِ رواں

سب سے زیادہ ان کی خوراک کا خاکہ اُڑایا ہے۔ (خشو آب دہن ۱۲)

موش خوری ۔ موش خوارانِ دندہ موش وار　　گشتہ صحرا پر ز شتے موش خوار

ذلیل و حریص اور حد درجے کے بے تہذیب اور نہایت میلے کچیلے بدبودار

در تگاپو چوں سگِ لقمہ ربا　　آفتِ نان و بلائے شوربا

ہر کہ با ایشاں معاذ اللہ نشست　　قے کند در ساعت از بوئے کہ ہست

داڑھی کے نہ ہونے پر لطیف ایہام اور ان کی پوشش و بے حیائی کا ذکر ؎

کز نہادہ سبلتانِ گندہ را　　وام دادہ ریش اہلِ خندہ را

پوستیں پوشیدہ و بے پوست روئے　　در گریز از غازیانِ دست روئے

سینہ بر روئے حیا بر دوختہ

وز ہمہ فنہا ہمیں آموختہ

دونوں لشکروں کی معرکہ آرائی اور رزم کا ہولناک منظر ؎

ہر دو لشکر رو برو بر تافتند — تیغ و بازو یک دگر بر تافتند

از ترنگِ خنجرِ پہلو شگاف — پارہ می شد مرد را پہلوئے ناف

وز طراقِ گرزۂ پولاد دست — پہلوے ہر پہلوانے می شکست

کشتہ می شد چوں ز شیری آمدے — ہشت پہلوے ز ہر شش پہلوے

سر کہ می برید تیغِ کینہ جو — مرگ بر آبِ رواں می باخت گو

بر زمیں از خوں شدہ دریا پدید — رو دشتی گشتہ ز عالم ناپدید

از مغل ہر سو فغاں برداشتہ — رستخیز از جہاں برخاستہ

ہر یکے زاں خاکساراناں خوار — بر زمیں غلطیدہ خاک آلودہ خوار

جیشِ اول حملہ چوں بر کار شد — خصم را یک لحظہ دارا دار شد

بہادر بادشاہ قلب لشکر کو للکارتا اور جنبش کا حکم دیتا ہے۔ جس نے تمام مغلوں کو پیس کر گرد کر دیا اور خجلک بھی گر کر مر گیا ؎

تند شد شاہنشہِ پیروز رائے — قلب افرمودہ جنبیدن ز جائے

قلب چوں دریائے جوشاں حملہ کرد — خاکساراں را در آمد سر بگرد

خجلک افتاد و سرانِ نامدار — دیگراں را خود کہ آرد در شمار

ہر ایک مغل کا خاتمہ ہو گیا کوئی زندہ نہیں بچا ؎

ہر کہ زیرِ تیغِ ترکاں مرد مرد — وانکہ بیروں شد ز ہندو جاں نبرد

تاریخ واقعہ بقید وقت و یوم و ماہ و سن سے

بود روز جمعہ و ہنگامِ شام ۔۔۔ یازدہ بگزشت از ماہِ صیام
سال ہشتاد و دو با ششصد ہم ۔۔۔ کیں چنیں فتحے بگردوں زد الم

(۱۱ رمضان المبارک یوم جمعہ ۶۸۲ھ وقت شام)

وسط الحیوٰۃ کی دوسری مثنوی پر

اجمالی نظر

اس مثنوی میں ۱۹۰ شعر ہیں۔ تجزیۂ مضامین حسب ذیل ہے:

از شعر ۱ تا ۳۲ تشبیب
" ۳۳ تا ۸۱ مدح رزمیہ سلطان محمد
" ۸۲ تا ۱۲۰ مدح بزمیہ "
" ۱۲۱ تا ۱۴۰ عرض حال
" ۱۴۱ تا ۱۵۵ مغلوں کا کیرکٹر
" ۱۵۶ تا ۱۶۲ شکست مغلاں
" ۱۶۳ تا ۱۶۹ پند و نصیحت
" ۱۷۰ تا ۱۷۳ میر حاجب و لشکر شاہ

از شعر ۱۷۴ تا ۱۷۵ مراجعت شاہ بملتان

〃 ۱۷۶ تا ۱۷۸ درخواست حاضری بارگاہ

〃 ۱۷۹ تا ۱۸۰ آنا مصلحتاً ملتوی کرنا

〃 ۱۸۱ ... .. حضوری درگاہ

〃 ۱۸۲ تا ۱۸۴ تمنائے مداومت حضوری

〃 ۱۸۵ تا ۱۸۸ دعا

〃 ۱۸۹ تا ۱۹۰ معذرت طول کلام

تفصیلِ نظر

یہ مثنوی رزم و بزم دونوں کی جامع ہے اس میں امیر نے ایک شاندار عشقیہ تمہید کے بعد مدح شہزادہ محمد کی ہے اور اسی ضمن میں واقعات حربِ مغل بشرح و بسط بیان کر کے حقِ بزم و رزم ادا کیا ہے۔

ذیل میں چند نمونے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں :

تشبیب

اے تازہ نسیم نو بہاری — وے پیک رہِ امیدواری

اے محرمِ رازِ مستمنداں — وے مونسِ روزِ دردمنداں

اے مرغ ہوائے دل نوازی — وے قاصدِ راہِ عشق بازی

اے نامہ رسانِ گل بہ بلبل — پیغام گزارِ سبزہ بہ گل

در کوئے نگارِ من گزر کن — وز حالِ دلِ منش خبر کن

نسیم نوبہار کو کوچۂ جاناں میں اظہار دردِ دل کے لئے قاصد بنا کر بھیج رہے ہیں اور وہ دردِ دل یہ ہے ؎

دوری ز نظر نہ ز دل دور
دل بے نظرست و دیدہ بے نور

ایں خستہ در گداز ماندہ
تشنہ ز زلال باز ماندہ

دارد غم تو چنانچہ دارد
با یادِ تو دارد آنچہ دارد

مصرعۂ آخری میں غم محبوب اور اس کی یاد کی کوئی تحدید نہ کرنا اور دارد آنچہ دارد کی تعمیم سے غم والم کی عظمت و شدت ظاہر کرنا بلیغ اسلوب ہے۔

جز نامۂ مہرِ تو نخواند
جز نام تو بر زباں نراند

آں روز کہ نام تو نگیرد
زندہ نشود اگر بمیرد

یادِ محبوب وظیفۂ شبانہ یوم ہے۔ اس دعا کی تاکید قسم سے کی گئی ہے اور قسم میں ایک لطف پیدا کیا ہے جو " زندہ نشود اگر بمیرد " سے مستفاد ہے۔ یعنی قیامت کو دوبارہ زندگی جس میں لقائے محبوب ہوسکے گا نصیب نہ ہو۔ یقین دلانے کی تاکید اس سے زائد کیا ہوسکتی ہے کہ عاشق مر کر پھر نہ اٹھنے کی قسم کھائے۔

من در غم تو بجاں گدازی
تو با دگرے بدل نوازی

من سر بوفا نہادہ در پیش
تو بر سرِ بے وفائی خویش

دل جوئے یکے و دل یکے جوے
یکساں بہ لبت بہ یکے رسے

اس شکوہ و شکایت اور عرض و معروض کے بعد امیر نے اس عشقیہ تشبیب کو ختم کر دیا ہے

اور آغاز مدح شہزادہ اس طرح کیا ہے ؎

رزم۔

دارا منش و سکندر آثار ۔۔۔ لشکر شکن و مخالف آزار

جم مملکت و کیقباد تمکین ۔۔۔ شہزادۂ عصر نصرۃ الدین

از لرزۂ تیر در دلِ خاک ۔۔۔ زلزال در افتد اندر افلاک

تیرش ز دلِ عدو شگافد ۔۔۔ وان رشتۂ تار مو شگافد

زاں موے شگافِ تیرِ دل جوے ۔۔۔ بدخواہ شود ز لاغری موے

ممدوح کو دارا منش، سکندر شوکت، جمشید مملکت اور کیقباد تمکین بتاتے ہوئے اُس کی نبرد آزمائی، لشکر شکنی اور قادر اندازی کا ذکر کیا ہے۔ تیر اندازی پر جو خاص توجہ کی گئی ہے وہ محض شاعرانہ مدح سرائی نہیں ہے بلکہ یہ وصف شہزادہ ممدوح کی جنگی قابلیت کے ساتھ ایک ممتاز وصف تھا۔ اس میں جو کچھ موشگافی کی گئی ہے وہ مبنی بر واقعیت ہے "تیرِ دل جو" کا ایہام پُر لطف ہے۔ ریختہ میں حکیم مومن خاں دہلوی نے "قاتلِ دل جو" لکھ کر تخیلی نکتہ پیدا کیا ہے ؎

روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا ۔۔۔ میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

بزم

مجلس چہ صفت کنم بہارے ۔۔۔ وز جنتِ عدن یادگارے

ہر دستۂ گل شگفتہ باغے ۔۔۔ ہر لالۂ تر چو شب چراغے

نیلوفرِ سبز پوش زیبا ۔۔۔ از عشق بنفشہ ناشکیبا

گل بانگ زناں چو بلبلِ مست ۔۔۔ ساقی و شرابِ لعل بر دست

سامانِ عیش مہیّا تھے ؎

از بوئے بخور و نکہتِ عود — مشکیں شدہ خاک عنبر آلود

وز بانگِ سماع و نغمۂ نوش — دل را شدہ نام غم فراموش

چنگے ز نوائے چنگ سرمست — سر رشتۂ عیش کردہ بر دست

جود و سخا ؎

دستِ تو کلیدِ گنج شاہی ست — گنجینۂ رحمتِ الٰہی ست

بر گنج نہد اگر نہد رنج — بے رنج دہد اگر دہد گنج

خزانہ تو زیر بار ہو ورنہ خواہندہ پر کوئی زحمت نہیں، بے رنج سوال حل جاتا ہے۔ اس لئے کہ ممدوح کا ہاتھ گنجینۂ رحمتِ الٰہی ہے۔

امیر نے مختصر عرض حال کے بعد مغلوں کی پسپائی کا ذکر اس طرح کیا ہے ؎

از عونِ خدائے دولتِ شاہ — برتافتہ گشت روئے بدخواہ

جمعیتِ آں جہود کیشاں — چوں تخم جہود شد پریشاں

مغلوں کے اقدام کی وجہ ؎

غازی بغزا چو می نہ پرداخت — کافر بچہار سوئے می تاخت

مغلوں کی شکست اور پسپائی کی وجہ ؎

چوں لشکرِ غازیاں برآمد — کافر بشہادت اندر آمد

کافر پر شہادت کا اطلاق بطور تعریض ہے۔

ہجوِ مغلاں ؎

توے ہمہ گربہ چشم سگسار　　چوں گرگ درندہ آدمی خوار

ہم بوزنہ وار ناوفا جوے　　ہم پوست سگے کشیدہ بر روے

چوں سگ ہمہ در دواں ماندہ　　چوں بوزنہ در جوال ماندہ

اس سے پہلی مثنوی میں بھی خوب دل کھول کر مغلوں کی خبر لی ہے۔ یہاں بھی ان کی شکل و شباہت اور خصائل کا نقشہ کھینچا ہے۔ مردم خوار، گربہ چشم، بے وفا، بے شرم، بد شکل، بوزنہ حرکت، سگ صفت۔ غرض ہمہ نابودنیہا اوصاف ان میں موجود تھے۔

مغلوں کی نامردی اور گریز ؎

فتحے کہ از و جہاں کشادند　　چوں روے بدادپشت دادند

اس کے بعد امیر نے شہزادہ کو چند مشورے دیئے ہیں جو تجربہ کی بنا پر نہایت مفید ہیں :-

۱- جنگ میں بے وجہ تعجیل و اقدام نہ کرنا چاہیئے ؎

بے صرفہ مکن بجنگ تعجیل　　کز خار خسک زبوں شود پیل

۲- اپنی پوری حفاظت کر لینے کے بعد دوسرے پر حملہ کرنا چاہیئے ؎

گر سر خواہی برید زنہار　　اوّل سر خویشتن نگہ دار

۳- جنگ و سردار و (تھوڑی سی کامیابی پر مغرور نہ ہونا چاہیئے) ؎

کم کن سبکی چو برق در میغ　　زیراکہ دو رویہ می رود تیغ

۴- کمزور دشمن سے غافل نہ ہو جانا چاہیئے ؎

بدخواہ مبیں کہ ہست بے زور | خس دیدۂ آدمی کند کور

سب سے آخر دعا ہی اور اسی پر ختم مثنوی ہی ؎

شہ بر سر ملک جاوداں باد

بر بندۂ خویش مہرباں باد

بندۂ خویش سے امیر خسروؒ مراد ہیں اس لئے یہ دعا ممدوح و مادح دونوں کے لئے جامع دعا ہے۔

غزلیات

پہلے گزر چکا ہی کہ وسط الحیٰوۃ کا کلام امیر خسرو کی بیس۲۰ سالہ عمر سے چونتیس سالہ عمر تک کا ہی امیر کا یہ زمانہ زیادہ تر دارالحکومت ملتان میں شہزادہ سلطان محمد خاں شہید کی خدمت میں گزرا ہی۔ اس زمانے کے کارناموں سے وسط الحیٰوۃ کے قصائد ترجیعات قطعات اور مثنویات بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہی جس میں سلطان محمد نے شیخ سعدی کو شیراز سے ہندوستان طلب کیا ہی مگر شیخ نے پیرانہ سالی کا عذر کر کے آنے سے انکار کر دیا ہی اور لکھ بھیجا ہی کہ امیر خسرو جوہر قابل ہیں اُن کی تربیت کی جائے ساتھ ہی اپنے دواوین (غزلیات) بھی بھیج دیئے ہیں۔

نظر بریں قیاس چاہتا ہی کہ امیر کو اس زمانہ میں جب کہ دیوان وسط الحیٰوۃ مرتب ہوا ہے

شیخ کے کلام کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کا موقع اچھی طرح ملا ہوگا۔ اور اسی زمانے میں شیخ کی اساس غزل پر امیر نے وہ شاندار عمارت قائم کی ہوگی جس کا خوش نما وسیع منظر آج ہمارے پیش نظر ہے۔ امیر کا شباب، طبعی جودت، اور تغزل سے فطری مناسبت ساتھ ہی شیخ کے دواوین کا مطالعہ یہ سب وہ اسباب تھے جنھوں نے امیر کی غزل کو شہرتِ عام و بقائے دوام کا خلعت بخشا۔ اُن کی غزل میں وہی سادگی صفائی، گھلاوٹ اور برجستگی موجود ہے جو شیخ کے ہاں ہے۔ علاوہ ازیں سوز و درد اور شوخی کے لحاظ سے بعض اہل نظر کے نزدیک امیر کا نشتر شیخ سے بھی زیادہ تیز ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار — زیک جام اند در بزمِ سخن مست

وے با بادۂ بعضے حریفاں — خمارِ چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعارِ ایں قوم — ورائے شاعری چیزے دگر ہست

شیخ کے ہاں اگر "خمار ساقی" ہے تو خسرو کے ہاں "چیزے دگر" بھی ہے یعنی "سوز و درد"۔

وسط الحیوٰۃ کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اُس میں صرف ردیف میم، نون اور ہی تک کی غزلیات ہیں۔ باقی ردیفوں میں یا تو امیر نے اس دیوان میں کوئی غزل نہیں لکھی یا مرتبین دیوان و ناقلین کے خلط ملط اور بے احتیاطی سے اس نسخہ میں موجود ہیں۔ پہلے سے ثانی احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صرف ردیف میم میں جس نے دو ڈھائی سو غزلیات لکھکر داخل دیوان کی ہوں اس نے اس سے

پہلے کی ردیف مثلاً دال شین وغیرہ کو کیوں کر خالی چھوڑ دیا ہوگا۔ ظنِ غالب یہ ہے کہ اس دیوان کی صنف غزل کا جزو (ہی) بہت طویل ہوگا اور اس میں بقیہ حروف کی ردیفوں میں بھی غزلیات ضرور ہونگی۔ موجودہ ردیفوں کی غزلوں کی تعداد تین سو سے زاید ہے کیا اچھا ہوتا کہ اس دیوان کے کل غزلیات کے مجموعہ سے ناظرین لطف اندوز ہوتے غزلیات کے اعتبار سے ہمیں اب تک وسط کا ہمہ جہت کامل نسخہ (باوجود سعی بلیغ) دستیاب نہیں ہوا۔ مجبوراً نسخۂ موجودہ کی غزلیات ہی پر نظر ڈالی گئی ہے۔

صنف غزل میں امیر خسرو (جیسا کہ انھوں نے تصریح کی ہے) شیخ سعدی شیرازی کے متبّع ہیں بنا بریں شیخ اور امیر کے تغزل کا ما بہ الاتحاد معلوم کرنا اور دونوں کے کلام کو بغور پڑھکر متبوعہ اور جوابیہ غزلیات تلاش کرنا ایک تنقید نگار کا فرض ہے۔ لہذا ہم نے وسط کی غزلیات کے ساتھ کلیات سعدی کے غزلیات کا مطالعہ بھی کیا تا کہ ہم کو متحد المضمون اور متحد الوزن غزلیات دستیاب ہو جائیں جن میں اچھی طرح تابع اور متبوع کا فرق دکھایا جا سکے۔ کلّیات پڑھکر معلوم ہوا کہ اس میں کچھ غزلیات ایسی موجود ہیں جن کا جواب امیر خسرو کے غزلیات (موجودہ دیوان وسط) کو کہا جا سکتا ہے اور جو لفظاً یا معناً متحد معلوم ہوتی ہیں (جیسا کہ موازنہ میں ثابت ہوگا) دورانِ مطالعہ میں ایک غزل ایسی بھی ملی جو وسط الحیٰوۃ میں اور کلیات دیوان طیبات میں صـ۸۶ پر یکساں طور پر بلفظہٖ مشترک موجود ہے صرف فرق یہ ہے کہ وسط میں خسرو تخلص ہے اور کلیات میں "سعدی" وہ غزل یہ ہے ؎

ے

نے دست رسی بیار دارم } وسط ص ۱۵۲
نے طاقتِ انتظار دارم } طیبات ص ۸۶

یہ غزل خسرو کی ہے یا سعدی کی؟ اس امر کا قطعی فیصلہ مشکل ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی بیاضِ مشق میں جس پر شیخ کی غزلیں بطور نمونہ درج ہونگی دیکھنے والوں نے یہ غزل امیر کی تصوّر کر کے خسرو تخلص کے ساتھ داخلِ دیوانِ امیر خسرو کردی ہوگی یعنی ناقلین نے بے احتیاطی سے سعدی کی بجائے "خسرو" ہم وزن لاحق کر کے اس غزل کو خسرو کی غزل قرار دیدیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر اچھی غزل کو امیر خسرو کی مقبولیتِ عامّہ اپنی طرف جذب کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہو خصوصاً جب کہ دوسری غزل کا تخلص ہم وزن ہو۔ بہرحال ہمارے نزدیک یہ غزل شیخ کی ہے۔ شیخ کے دیوان میں موجود ہونے کے علاوہ شیخ کا طرز بھی اس میں موجود ہے ے

دشنام همی دهی به سعدی … من با دولبِ تو کار دارم

(۵) ے

رنجیدهٔ رنجیدهٔ از من گناہے دیدهٔ … دائم گنه بخشیدهٔ از من چرا رنجیدهٔ
یا … … … … … لعلِ لبت حلوائے من از من چرا رنجیدهٔ

موازنۂ خسرو و سعدی

(۱)

سعدی

گر دروں سوختہ با تو بر آرد نفسے
چہ تفاوت کند اندر شکرستاں مگسے

اے کہ انصاف دلِ سوختگاں می ندہی
خود چنیں ہست بنایت منو دن بکسے

چوں سحر بیدن بلبل کہ خوش آید بہ باغ
لیکن آں سوز ندارد کہ بود در قفسے

تا بامروز مرا در سخن ایں سوز نبود
کہ گرفتار نبودم بکمندِ ہوسے

خسرو

من ترا دارم و جز لطفِ توام نیست کسے
در جہانم نبود غیرِ تو فریاد رسے

نفسے بے تو نیارم زدن اے جاں گرچہ
نکنی یاد منِ سوختہ بعمرے نفسے

بلبلِ جانِ من از شوقِ گلستانِ رخت
تا بکے صبر کند نعرہ زناں در قفسے

ہر کسے راست ہوائے زوصالت در سر
من بجز فکرِ خیالِ تو ندارم ہوسے

پیش از ینم چو مگس از شکرِ خویش مراں
کہ تفاوت نکند در شکرستاں مگسے

امیر کی غزل شیخ کی غزل کا لفظاً و معناً جواب ہے۔ وزن و قوافی متحدہ ہونے کے
لاوہ شیخ کے مطلع کا دوسرا مصرعہ امیر نے آخری شعر میں بالکل اپنا بنا لیا ہے۔ مطلع میں
خ بطور تذلل اپنی آواز کو آوازِ مگس قرار دیتا ہے اور شکر و مگس کی تمثیل سے اپنے فطری
شق کا ثبوت دیتے ہوئے محبوب کی دولتِ حسن کو بے پایاں بتاتا ہے۔ امیر بھی لطفِ دوست
مالا مال ہیں اور محبوب کے ہوتے ہوئے کسی سے فریاد رسی نہیں چاہتے۔ دوسرے

شعر میں شیخ نے محبوب کے روئے تاباں کی شکایت آمیز تعریف کی ہے یعنی تمھیں جو دیکھے گا فدا ہوگا۔ اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ امیر بھی شاکی ہیں کہ جس کی یاد میں ہم سب کچھ بھول گئے وہ ایک دم کے لئے بھی ہمیں یاد نہیں کرتا۔ تیسرے شعر میں شیخ مقید بلبل کے سوز کو باغ میں آزاد بلبل کے گانے سے بہتر بتاتا ہے لیکن امیر خسرو اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں کہ میں بدون دیدار مقید بلبل کی طرح نعرہ زن ہوں۔ اسے یاد ہ صبر کی تاب نہیں۔ اپنی بے تابی اور شوق دیدار کا مضمون امیر کے ہاں زیادتی مقیدہ موجود ہے۔ چوتھے شعر میں "ہوس" سے شیخ کی مراد عشق ہے مطلب یہ ہے کہ جب تک عشق نہ ہو کلام میں درد پیدا نہیں ہوتا۔ امیر کہتے ہیں کہ اور لوگ تو تیرے وصل کا سودا پکا رہے ہیں، میں ہی صرف ایک ایسا محب ہوں جو تیرے تصور کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتا۔ امیر کا مضمون لطیف اور رنگین ہے۔ آخری شعر میں امیر خسرو نے شیخ کی طرح حسنِ دوست کو لازوال اور غیر متناہی دولت سے مالا مال بیان کرتے ہوئے اپنے عجز و قصور کا اظہار اس خوبی سے کیا ہے کہ اپنا مطلب بھی فوت نہیں ہوتا۔ اس کے سوا "شکر خویش" کی اضافت سے لفظ "شکر" میں صنعت ایہام نے لطف مزید پیدا کر دیا ہے ؎

"پیش از نیم چو مگس از شکر خویش مراں"

خواجہ حافظ نے اس "شکر" کو یوں باندھا ہے ؎

یک شکر انعام ما بود لبت رخصت نداد

(۲)

سعدی	خسرو
فراقِ دوستانش باد و باراں	ہمی ریزی ببازی خونِ یاراں
کہ مارا دور کرد از دوستداراں	ہمی باشد سزائے دوستداراں
ہلاکِ ما چناں آساں گرفتند	منم سرگشتہ زیرِ پائے خوباں
کہ قتلِ مور در پائے سواراں	چو گوئے اُفتادہ در پیشِ سواراں
بخیلِ ہر کہ می آیم بزنہار	نگویم رازِ خود با کس کہ ایں راز
نمی بینم بجز زنہار خواراں	نگنجد در دلِ بے استواراں
دلم در بندِ تنہائی بفرسود	چہ خوش می نالد اندر عشق خسرو
چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں	چو بلبل در قفس وقتِ بہاراں

مطلع میں شیخ باد و باران کے وقت فراق احباب سے غمگین ہے۔ امیر اپنے مطلع میں "ہمیں ریزی" اور "ہمیں باشد" سے لطفِ تخاطب اٹھا رہے ہیں اور محبوب کے جور و جفا کی شکایت مزہ لے لے کر کر رہے ہیں۔ دونوں مطلعے خوب ہیں۔ دوسرے شعر میں شیخ تمثیل دے کر قتلِ عشاق معشوقوں کے لئے اک آسان کام قرار دیتا ہے امیر بھی اسلوب تمثیل بدل کر بالکل وہی مضمون ادا کر رہے ہیں۔ امیر کے شعر میں اپنے کمال عشق و اطاعت کا اظہار نہایت لطیف پیرایہ میں ادا ہوا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اساسِ مضمون شیخ ہی کا شعر ہے۔ تیسرے شعر میں دونوں کو شکایت ہے کہ عشاق کا کوئی ہمدرد نہیں۔ شیخ جس سے مدد چاہتے ہیں وہی دور بھاگتا ہے۔

امیر پہلے ہی سے اپنا راز کسی سے اس لئے نہیں کہتے کہ کوئی ان کے نزدیک پکّا رازدار نہیں ہے۔ امیر کا یہ مضمون بھی شیخ کے شعر سے ماخوذ ہے۔ آخری شعر میں شیخ نے غمِ تنہائی کا نقشہ تمثیل دے کر کھینچا ہے ؎

چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں

امیر نے بھی اپنے عشقیہ نالہ و فریاد کی تصویر بلبل ہی کو قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ امیر نے شیخ کا یہ بلند مصرعہ ؎ چو بلبل در قفس فصلِ بہاراں ۔ اپنے مقطع میں اس خوبی سے تضمین کیا ہے کہ گویا اُس سے چھین لیا ہے جس سے شیخ کے لفظی و معنوی اتباع کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

شیخ سعدی	(۳)	امیر خسرو
بسکہ در منظرِ تو حیرانم		اے وجودِ تو دیدۂ جانم
صورتت را صفت نمی دانم		جسم پیدا و جانِ پنہانم
پارسایاں ملامتم مکنید		بسکہ سوئے تو می دوم بجہاں
کہ من از عشق توبہ نتوانم		سوئے خود باز رہ نمی دانم
بچہ کار آید ایں بقیۂ عمر		تا ترا دیدم و ندادم جاں
کہ بہ معشوق بر نیفشانم		واللہ از زیستن پشیمانم
گر تو از من عناں نگردانی		مہرت از جانِ من بروں نرود
من ز شمشیر بر نگردانم		جانِ من گر بروں رود جانم

شیخ کا مطلع محبوب کی تصویر نہ کھینچ سکنے کا عجز ظاہر کرتا ہی اور وجہ عجز حیرانی ہی جو کمالِ حسن سے پیدا ہوئی ہی۔ امیر کا مطلع بہت بلند ہی۔ وجودِ معشوق علت ہی وجودِ عشاق کے جسم و روح کی تمثیل سے جو لطیف استدلال اس پر قائم کیا ہی وہ اُن کا حصّہ ہی۔ دوسرے شعر میں شیخ یہ دکھاتے ہیں کہ عشقِ کامل ملامت سے دُور نہیں ہوتا۔ اس میں ناصحین کی نصیحت بے کار ہی۔ امیر خسرو یہاں تک اپنی محویت اور کمالِ عشق کا اظہار کر رہے ہیں کہ اُن کو اپنی خودی کا خیال بھی نہیں رہا ؎

"با وجودت زمن آواز نیاید کہ منم" (سعدی)

دونوں نے اپنے عشقِ فطری کا اظہار کیا ہی۔ تیسرے شعر میں شیخ اور امیر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو جان، جاناں پر قربان نہ ہو بے کار ہی۔ شیخ کے سادہ مضمون کو امیر نے لفظ "پشیمانم" سے لطیف کر دیا ہی۔ چوتھے شعر میں جس مدعا کو شیخ نے مخفی رکھا ہی (کہ میں عاشقِ کامل ہوں) اس کو امیر نے اجاگر کر دیا ہی۔ یعنی محبوب کی بے اعتنائی سے خام کار ہوس پرست عشاق متاثر ہو کر ترکِ عشق کر دیتے ہیں لیکن جاں بازانِ حقیقی جان جانے پر بھی محبت سے باز نہیں آتے جو کمالِ عشق کی دلیل ہی۔

(۴)

امیر خسرو	شیخ سعدی
بدیدہ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم	من آن نیم کہ دل از مہرِ دوست بردارم
کہ آن نظر نہ تو بر روئے دیگرے آرم	دگر ز غصّۂ دشمن بجاں رسد کارم

سعدی	خسرو
نہ روے رفتنم از خاک آستانۂ او	چہ وقت بود کہ افتاد با توام سر و کار
نہ احتمال نشستن نہ پاے رفتارم	کہ کار سر شد و در سر نمی شود کارم
کجا روم کہ دلم پاے بند مہر کسے ست	کجا روم چہ کنم کز تو ہر کجا کہ روم
سفر کنید رفیقاں کہ من گرفتارم	کمندِ گیسوے تو می کند گرفتارم
اگر ہزار تعنّت کنی و طعنہ زنی	مرا بہر سخنے از زبانِ غمزہ مسوز
من ایں طریقِ محبت ز دست نگزارم	بدستِ خویش بزن تیغ اگر گنہگارم
بعشق روے تو اقرار می کند سعدی	فتادہ بر درِ تو خسرو و ندانستی
ہمہ جہاں بدر آئید گو بانکارم	کہ افتادۂ خود را فرو نہ بگزارم

مطلع میں شیخ دشمن کی کچھ پروا نہ کرکے اپنے آپ کو پکّا وفادار ظاہر کرتا ہے۔ امیر کی نظر میں رخِ یار کے سوا کچھ نہیں سماتا جس سے ان کی وفاداری اور محبت صادقہ کا پتا چلتا ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے کمال اضطراب کا اظہار کیا ہے جو خاصۂ عشق ہے "نہ روے رفتن" "نہ احتمال نشستن" اور "نہ پاے رفتن" سے شعر میں لطف پیدا ہو گیا ہے۔ امیر بھی اپنے انعقاد محبت کے وقت کو یاد کرکے سر دھن رہے ہیں اور "کار سر شد و در سر نمی شود کارم" میں اپنی ناکامی پر افسوس کر رہے ہیں۔ تیسرے شعر میں شیخ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تم جاؤ کیوں کہ میں محبوب کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں لہذا بیبس ہوں۔ امیر خسرو اپنے تئیں ہر جگہ گرفتارِ گیسو پاتے ہیں اس لیے کہیں نقل و

حرکت نہیں کر سکتے۔ چہ چارہ کنم، کجا روم کے ساتھ مل کر وہ لطیف نکتہ ہی جس سے گرفتارِ گیسو پر ترحم کی حد باقی نہیں رہتی — چوتھے شعر میں شیخ نے طعن و تشنیع سے ترک محبت نہ کرنا بیان کیا ہی۔ امیر نے بھی "مرا ہر سخنے از زبان غمزہ سوز" سے یہ دکھلایا ہی کہ اب طعن و تشنیع کی برداشت نہیں رہی۔ جرم عشق میں آپ قتل کر دیں تو بہتر ہی (اپنا مطلب یعنی درخواست قتل اب بھی محفوظ ہی) مقطع میں شیخ محبوب کی محبت و عشق کا مقر ہی گو تمام جہان اُس کا مخالف ہو جائے جس سے اس کی پختگیِ عشق کا پتا چلتا ہے امیر کے مقطع میں "فتادہ بر درِ تو" سے صرف اقرار و پختگیِ عشق ہی ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس سے لزوم خدمت کا پتا بھی چلتا ہی جس پر ترحم اور التفات کی توجہ دلانا نہایت مناسب ہی۔ کہ افتادہ خود را فرو نہ بگزارم۔

امیر خسرو		شیخ سعدی
چو من ز دوست بداغ درونہ خرسندم	(۵)	شکست عہد مودت نگار دلبندم
نہ دوستی بود ار دل بمرہمے بندم		برید عہد وفا یار سست پیوندم
ہزار کوہِ غم ار بر دلم نہی بکشم		قطا دے کہ تو کردی بدوستی با من
غبارِ خنگِ تو بر دامنِ تو نہ پسندم		من آں نیم بدشمن خواہِ خویش نہ پسندم
روا مدار کہ از دیدنت شوم محروم		بخاکِ پائے تو سوگند و جانِ زندہ دلاں
چنیں کہ من بجمالِ تو آرزومندم		کہ من بپائے تو در مردن آرزومندم
مگر کہ مادر پیرم شکستہ بود انگشت		من آں نیم کہ پذیرم نصیحتِ عقلا
کہ از مراد تہی باد دستِ فرزندم		پدر مگوی کہ من بے حفاظ فرزندم

امیر خسرو	شیخ سعدی
تو ہوشیاری اے پندگو و من بیہوش	بیار ساقیِ سرمست جام بادۂ عشق
چہ جائے اینست کہ بیہودہ میدہی پندم	بدہ برغم نباصح کہ می دہد پندم

شیخ محبوب کو بے وفا اور سست پیمان بتا کر شکوہ شکایت کا مزہ لے رہے ہیں۔
امیر نے مطلع میں محبوب کی بے وفائی سے جو دل داغ پیدا ہوئے ہیں اُن سے اپنا بجید خوش ہونا ظاہر کیا ہے یہاں تک کہ مرہم کی پروا بھی نہیں جس سے محبوب کی جفا کا بالطبع مرغوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امیر کا مطلع بلند ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے محبوب کی جفا کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اُس سے اپنا بے حد بلاکش اور صابر و ضابط ہونا مفہوم ہوتا ہے یعنی محبوب جو جفائیں عشاق پر کرتا ہے ان کو دشمن سے دشمن پر بھی روا نہیں کہتا لیکن امیر کے ہاں اظہار بلاکشی کے ساتھ محبوب کے طبع نازک کا لحاظ و ادب بھی ملحوظ ہے۔ "غبار خنگِ تو بر دامنِ تو نہ پسندم"
تیسرے شعر میں شیخ کے ہاں "خاکِ پائے تو" اور "جانِ زندہ دلاں" کے مقسم بہ لانے سے (بقاعدۂ بلاغت) خاک پائے محبوب اور زندہ دلوں (عشاق) کی جان کی عظمت کا نکتہ موجود ہے۔ باقی مضمون شیخ اور امیر کے ہاں یکساں وارد ہوا ہے یعنی "محبوب کی قدمبوسی اور زیارت"۔ چوتھے شعر میں شیخ کہتا ہے کہ عاشق باپ کی نصیحت بھی نہیں سنتا اور اس معاملہ میں وہ ایک نالائق فرزند ہے۔ جس کا نامراد و بدنصیب ہونا ظاہر ہے۔

امیر کہتے ہیں گویا عشّاق کو ماں کی بد دعا نے بدنصیب کر دیا ہے جن کا دستِ مراد ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ دونوں شعر یکساں رتبہ کے ہیں۔ شعر پنجم میں دونوں نے ناصحِ خشک کا خاکہ اڑایا ہے۔ شیخ محبوب کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ذرا ان ناصح مشفق کو بھی چکھا دو کہ سب نصیحت و ملامت بھول جائیں۔ امیر فرماتے ہیں (اور صحیح فرماتے ہیں) کہ ناصح (نادان) ہشیار تو بنتا ہے مگر اتنا نہیں جانتا کہ بے ہوش اور بے خبر (عشّاق کو) نصیحت و ملامت کرنا۔ اپنی نادانی اور بیہودگی کا ثبوت دینا ہے ؎

ما کجاییم و نصیحت گرِ بیکارہ کجاست (حافظ)

دونوں شعر بلیغ ہیں۔

اس قدر موازنہ سے غالباً امیر خسرو کے طرزِ تغزل اور ان کے اتباع کی حقیقت ناظرین پر اچھی طرح منکشف ہو جائے گی۔ وسط میں ایسی اور غزلیات بھی موجود ہیں جو سعدی کا جواب معلوم ہوتی ہیں۔ بخوفِ طوالت ان کا موازنہ قلم انداز کیا جاتا ہے صرف ان کے اور شیخ کی غزلیات کے مطلعے نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ ملاحظہ فرما کر محظوظ ہو سکیں۔

سعدی		خسرو
کس نگذشت در دلم تا تو بخاطر منی	(۱)	اے زغبارِ خنگِ تو یافتہ دیدہ روشنی
یک نفس از درونِ جان خیمہ بروں نمی زنی[لہ]		چند بشوخی و جفا قصدِ ہلاکِ من کنی

لہ صفحہ ۱۷۰ کلیاتِ سعدی۔ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

سعدی		خسرو
	(۲) (باختلاف قافیہ)	
سروِ سیمینا بصحرا می روی		ترکِ من بر شکلِ دیگر می روی
نیک بد عہدی کہ بے ما می روی		باہمہ از خوبی برابر می روی
	(۳)	
باز از شرابِ دوشیں سر در خمار دارم[1]		نہ کنم ز عشق توبہ کہ سرِ گناہ دارم
در باغِ وصلِ جاناں گل در کنار دارم		دلِ خود نمی توانم کہ ازیں نگاہ دارم
	(۴)	
منم ایں بے تو کہ پروائے تماشا دارم[2]		منم امروز کہ در خانہ گلستاں دارم
کافرم گر دلِ باغ و سرِ صحرا دارم		نظر اندر سمن و سنبل و ریحاں دارم
	(۵)	
تو پری زادہ ندانم ز کجا می آئی[3]		بازاے سروِ خراماں ز کجا می آئی
کادمی زادہ نباشد بچنیں زیبائی		کز برائے دلِ دیوانۂ ما می آئی
	(۶)	
اے بادِ صبحدم خبرِ دلستاں بگوے		اے باد گاہ گاہ بمن نامِ او بگوے
وصفِ جمالِ آں بتِ نامہرباں بگوے		خونابِ غیرتم بلبِ جامِ او بگوے

---

[1] کلیات سعدی ص ۱۹۹ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ [2] ایضاً ص ۲۰۱ [3] ایضاً ص ۱۶۶

امیر خسرو اور خواجہ حافظ

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شیخ سعدیؒ کی زندگی ہی میں خسرو کا شہرہ (جب کہ وہ ملتان میں شہزادہ خان شہید کی ملازمت میں تھے) شیراز پہونچ چکا تھا اور خود شیخ نے امیر کے جوہر قابل ہونے کا اعتراف کیا تھا۔

بنا بریں خیال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ حافظ شیرازیؒ کو بھی (جو سعدی اور امیر دونوں کے بعد ہیں اور زمانی حیثیت سے تابع ہیں) امیر کے کلام پر نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ کا موقع ملا ہوگا۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے ہم نے خود خواجہ صاحبؒ کے دیوان کا مطالعہ کیا۔ پڑھنے کے بعد پتا چلا کہ بعض غزلیات خواجہ کے دیوان میں ایسی موجود ہیں جن کو امیر کی غزلیات (موجودہ وسط الحیوٰۃ) کا جواب کہا جا سکتا ہے (جیسا کہ موازنہ سے ثابت ہوگا) امیر نے شیخ کے قائم کردہ اساس پر جو عالی شان عمارت قائم کی تھی اس کے نقش و نگار خواجہ صاحب کے ہاں بھی موجود ہیں۔ اگرچہ اُن کے ہاں شراب، ساقی، مستی و مدہوشی اور زلف و خال کے استعارے میں وارداتِ قلبی اور نکاتِ تصوف کا بیان خود اُن کا حصّہ ہوگیا ہے اور کھلے لفظوں میں انھوں نے خواجو کی پیروی اور سعدی کا اعتراف کیا ہے؎

اُستادِ غزل سعدی ..... الخ

لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خواجہ کے کلام میں امیر خسرو کی جھلک بھی

موجود ہے۔ وہ شیخ اور خواجہ کے کھلے لفظوں میں متتبع ہیں اور امیر کے دبے لفظوں میں

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند

(حافظ)

این قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

علاوہ ازیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ شیخ کی ایک غزل امیر کے دیوان میں بلفظہٖ پائی گئی حالانکہ وہ امیر کی نہ تھی بلکہ شیخ کی تھی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے دیوان میں بھی امیر کی ایک غزل کے اکثر اشعار بلفظہا بہ تخلص حافظ موجود ہیں جو یقیناً حافظ کے نہیں بلکہ امیر خسرو کے ہیں۔ وہ غزل یہ ہے "بفراغِ دل زمانے نظرے بہ ماہروے" الخ جو وسط میں موجود ہے۔ دیوان حافظ میں اس غزل کے جو اشعار پائے جاتے ہیں یہ ہیں[1]

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہروئے	بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہائے و ہوئے
بخدا کہ رشکم آید بدو چشمِ روشنِ خود	کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے
دلِ من شد و ندانم چہ شد آں غریب یارا	کہ گزشت عمر ناید خبرے بہیچ سوئے
نفسم بآخر آمد نظرم ندید سیرت	بجز ایں نماند مارا ہوسے و آرزوئے
مکن اے صبا مشوّش سرِ زلف آں پری را	کہ ہزار جانِ حافظ بہ فدائے تار موئے

ان اشعار کو امیر خسرو کا تسلیم کر لینے میں ہم کو کچھ پس و پیش نہیں۔ پوری غزل کے ۹ شعر ہیں جو وسط میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں خود خسرو کا طرز اس غزل میں موجود ہے

---

[1] مطبوعہ گلشن ہند دہلی ١٢

اسی طرز (منقبتِ شیخ) میں ایک اور غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

ہر قوم راست رسمے دینے وقبلہ گاہے

ما قبلہ راست کردیم با طرفِ کج کلاہے

اس خلط و اشتراک سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ، امیر اور خواجہ حافظ تغزل میں وحدتِ ذوقی رکھتے ہیں جس سے ایک گونہ استفادہ و تتبع کا پتا چلتا ہے جس سے ناقلین کو ایک کے کلام پر دوسرے کا شبہ ہو جاتا ہے۔

اب ہم خواجہ کے اُن غزلیات کا موازنہ کرتے ہیں جو امیر کے جواب میں معلوم ہوتی ہیں جس سے پتا چلے گا کہ خواجہ حافظ کے اکثر مضامین پہلے سے امیر خسرو کے ہاں موجود ہیں۔

خواجہ حافظ		امیر خسرو
بہ تیغم گر زند دستش نگیرم	(۱)	بیا جانا کہ جانت را بمیرم
وگر تیرم زند منت پذیرم		وگر میرم بجاں منت پذیرم
غمِ گیتی چو از پایم در آورد		دل از ہجراں بجاں آمد کہ از جاں
بجز ساغر نباشد دستگیرم		گزیرم نیست از تو ناگزیرم
چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست		خلاصِ من مجوئید اے رفیقاں
کہ فکرِ خویش گم شد از ضمیرم		کہ من در قیدِ مہرِ او اسیرم
نصابِ حسن در حدِ کمال است		نظر گفتند داری با فقیراں
زکاتم دہ کہ مسکین و فقیرم		منِ مسکین نہ آخر ہم فقیرم

حافظ	خسرو
من آں مرغم کہ ہر شام و سحرگاہ	نمی آید بگوشت نالہ من
رسد تا سدرہ آوازِ نفیرم	کہ گوشش چرخ کر گشت از نفیرم

مطلع میں جس مضمون کو امیر خسرو نے ادا کیا ہے وہی مضمون خواجہ حافظ کے ہاں موجود ہے۔ اگر امیر نے " وگر میرم بجاں منت پزیرم " میں اظہار امتنان کیا ہے تو خواجہ نے بھی " بہ تیرم گر زنی منت پزیرم " میں اپنی منت پزیری کا اعتراف کیا ہے۔ امیر خسرو کے مطلع میں " بیا جانا " سے مخاطبت کا لطف بھی موجود ہے۔ دوسرے شعر میں امیر غم ہجر سے جاں بلب ہیں اور خواجہ غم گیتی سے عاجز آ کر اپنے مذاق کے موافق ساغر بدست ہیں۔ تیسرے شعر میں امیر نے اپنا اسیر محبت ہونا اس طرح ظاہر کیا ہے جس سے کبھی رہائی نہ ہوگی۔ خواجہ نے اس مضمون کو " فکر خویش گم شد " سے ادا کیا ہے۔ " چناں پُر شد فضائے سینہ از دوست " میں الفاظ اس تناسب سے لائے گئے ہیں کہ مصرعہ بہت بلند ہوگیا ہے لیکن اساسِ مضمون امیر ہی کا مصرعہ ہے

" کہ من در قیدِ مہرِ او اسیرم "

شعر چہارم میں دونوں نے اپنی مسکنت و فقر کے اظہار سے فائدہ اٹھانا چاہا ہے۔ امیر " نظر داری ... الخ " سے استدلال کر کے اپنے آپ کو مستحق نظر قرار دیتے ہیں خواجہ صاحب زکوٰۃِ حسن سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ بالکل امیر کے ہم مضمون ہے آخری شعر میں اگر امیر نے اپنے نالہ و فریاد سے آسمان کو بہرا بنا دیا ہے تو خواجہ نے

بھی اپنی آواز مقامِ سدرہ تک پہونچائی ہے۔ خواجہ نے امیر کے مضمون کی تقلید کرتے ہوئے شامِ سحر، مرغِ سدرہ اور صفیر کے اجتماعِ مناسب سے مضمون نمکین کر دیا ہے۔

خواجہ حافظ		امیر خسرو
ما سرخوشانِ مست دل از دست دادہ ایم	(۲)	رحمے کہ بر درِ تو غریب اوفتادہ ایم
ہمرازِ عشق و ہمنفسِ جامِ بادہ ایم		وز خونِ دل ز دستِ تو چون جام بادہ ایم
اے گل تو دوش جامِ صبوحی کشیدہٴ		دی بادِ صبح بوئے تو آورد سوئے ما
ما آں شقائقیم کہ با داغ زادہ ایم		امروز دل ہوئے تو بر باد دادہ ایم
کارِ از تو می رود مددے اے دلیلِ راہ		از بہرِ نیم بوسہ کہ بر پائے تو دہیم
انصاف می دہیم کہ از رہ فتادہ ایم		یارب کہ چند بار بپایت فتادہ ایم
بر ما بسے کمانِ ملامت کشیدہ اند		آخر چہ شد کہ چشم بہ بستی بروئے من
تا کارِ خود ز ابروئے جاناں کشادہ ایم		زینساں کہ ما بروئے تو ابرو کشادہ ایم

خواجہ اور امیر کے مطلع کا مآل واحد ہے مگر عالم جداگانہ ہے۔ امیر کے ہاں "غریبم در اوفتادہ" پر محبوب سے رحم کی درخواست ہے۔ خواجہ "دل از دست دادہ" اور "ہمرازِ عشق" سے اپنی عاشقی کا دعویٰ کرتے ہوئے جامِ بادہ سے سرشار ہیں۔ انھوں نے خونِ دل (عشق) جامِ بادہ بھی تیار کیا ہے۔ دوسرے شعر میں امیر نے گل کا ذکر نہیں کیا بلکہ بادِ صبح نے اُن کی بو اُن کے مشامِ جاں میں پہونچائی ہے۔ انھوں نے اگلے مصرعہ میں بُو کے معنی اُمید لے کر تمنائے وصال میں جان دے دینا بیان کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے

گل کا ذکر کرکے اس کو صبوحی کش اور خود کو لالۂ داغ دار بنایا ہے۔ دونوں کا حاصل واحد ہے یعنی محبوب کے کمال اور اپنے عجز و نقصان کا اظہار۔ تیسرے شعر میں ہر اک نے اپنی بےکسی کی بنا پر درخواستِ وصل پیش کی ہے۔ امیر کے شعر میں "یارب کہ چند بار" سے تکرار درخواست بھی مفہوم ہوتا ہے جو حسب حال ہے۔ شعر چہارم میں اساسِ مضمون دونوں جگہ ابروئے جاناں ہے۔ خواجہ نے امیر کا مضمون تشبیہی اسلوب بدل کر ادا کیا ہے اور بےحد لطیف کر دیا ہے۔

(۳)

امیر خسرو

عزم آں دارم کہ از دل نقدِ جاں بیروں کنم
آرمت در پیشِ خود را از میاں بیروں کنم

چند گوئی عشق را از دل بروں خوش بزی
گر توانم جانِ خود از دستِ تو بیروں کنم

از دلِ بدخوئے خود خوں نایہ دارم کہ گر
قطرۂ از دل بروں ریزم جگرہا خوں کنم

گوہرے دارم کہ در وے نیست جز لولوی خام
چوں نثارِ خاکِ پایت لولوئے مکنوں کنم

سروِ من یک رہ بگلزار آئی تا در پیشِ تو
سرو اگرچہ پا رواں باشد رواں بیروں کنم

خواجہ حافظ

دوش سودائے رخت گفتم ز سر بیروں کنم
گفت کو زنجیر تا تدبیرِ ایں مجنوں کنم

.. ..

.. ..

من کہ رہ بردم بگنجِ حسنِ بے پایانِ دوست
صد گدائے ہمچو خود را بعد ازیں قاروں کنم

نکتۂ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار
عشوہ فرمائے تا من طبع را موزوں کنم

قامتش را سرو گفتم سر کشید از من بخشم
دوستاں از راستی رنجید نگارم چوں کنم

دونوں غزلیں ردیف قوافی اور وزن کے اعتبار سے متحد ہیں۔ مطلع میں
حضرت امیر خسرو نے جس مضمون پر خامہ فرسائی کی ہے وہ اتحاد محبوب و محب ہے۔ یعنی
میرا مصمم ارادہ ہے کہ جان کے عوض محبوب کو لے کر اپنی خودی اس طرح مٹا دوں کہ
"خلق گر پرسند از نامم عیاں سازم ترا" کا سماں بندھ جائے۔ نہایت رفیع الشان
مطلع ہے۔ خواجہ کا مطلع امیر کے دوسرے شعر سے ٹکر کھاتا ہے۔ جس میں امیر نے خود کو
مخاطب بنا کر سمجھایا ہے کہ عشق کے آفات و مصائب سے گھبرا کر تن پروری کیوں
چاہتے ہو۔ جب کہ تم محبوب کے قبضہ سے باہر نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔
نہایت سادگی کے ساتھ اپنا کال وابستہ جاناں ہونا دکھایا ہے۔ خواجہ نے بھی مطلع میں
اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ ان کے دوسرے مصرعہ کے الفاظ نے اس مضمون کچھ زیادہ
لطیف کر دیا ہے۔ "گفت کو زنجیر تا تدبیرِ این مجنوں کنم" گویا عاشقی سے توبہ کرنا سودا
اور جنون ہے۔ تیسرے شعر میں امیر نے اپنے وارداتِ قلبی کو اس طرح ادا فرمایا ہے کہ
اگر میں اپنے خونابۂ دل کا ایک قطرہ باہر کر دوں تو اس سے بہت سے جگر خون ہو کر
بہ جائیں گے۔ یعنی ؎

آں عجائب ہا کہ در راہِ فنا — دیدہ ام کے شرح آں باشد روا
شمۂ زاں گر بظاہر آورم — پردہ ہائے عقلہا را بر درم (امیر)

اس کے مقابلہ میں خواجہ صاحب کا دوسرا شعر دیکھو بالکل امیر کے شعر کی شرح
معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ کے ہاں "صد گدائے ہمچو خود" میں کسر نفسی کا نکتہ مزید اضافہ

ہے۔ چوتھے شعر میں بھی خواجہ اور امیر مساوی الاقدام ہیں۔ امیر نے "لولوے خام" سے اپنے اشعار مراد لیے ہیں کہ وہ نثارِ جاناں بننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ خواجہ صاحب کے ہاں بھی "نکتہ ناسنجیدہ گفتم" سے اشعار ہی مراد ہیں۔ کہ خود محبوب کے لطیف عشوہ کے بغیر ناموزوں ہیں۔ آخری شعر میں امیر نے محبوب کے راستی و درستی قد پر صنعتِ تشبیہ میں خامہ فرسائی کی ہے اور نہایت لطافت سے محبوب کے قد کو سرو (چوبِ راست ناتراشیدہ) پر ترجیح دی ہے۔ خواجہ نے بھی اسی مضمون کو لے کر بہت بلند کر دیا ہے اور "از راست می رنجد نگارم" سے نہایت لطیف ایہام پیدا کیا ہے دیکھو اساسِ مضمون سب جگہ امیر ہی کے اشعار ثابت ہوتے ہیں۔

(۴)

امیر خسرو

حالِ خود باز بر آئینِ دگر می بینم
بازِ کارِ دلِ خود زیر و زبر می بینم
می رسد از پئے من رنج کہ من زیر و زبر
روزگارے دلِ شوریدہ بتر می بینم
کہ تواند کہ مرا باز رہاند امروز
کیست آں فتنہ کہ در پیشِ نظر می بینم
ایں منم تشنۂ دیرینہ فرو پوش آں دے
شربتم دیر بود زانکہ خطر می بینم

خواجۂ حافظ

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
ہر کسے روز بہی می طلبد از ایّام
مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم
ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قندست
قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

خواجہ کی یہ غزل ان کی مشہور غزلیات سے ہے جس کا ماخذ امیر کی یہ غزل قرار دیئے بغیر چارہ نہیں۔ خواجہ نے مسلسل پوری غزل شکایت زمانہ میں لکھی ہے لیکن امیر نے تغیر و حوادث کا ذکر "حال دل برآئین دگر" "کار زیر و زبر" "روزگار تبر" وغیرہ الفاظ میں کیا ہے۔ ساتھ ہی تغزل کا پہلو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ تیسرے شعر میں انھوں نے "کہ تواند" استفہام انکاری اور "کیست آں فتنہ" برائے تعجب و تعظیم لا کر اپنی بے بسی اور معشوق کا سرتاپا فتنہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔ آخری شعر میں اپنا عاشق صابر اور پرانا پیار محبت ہونا ظاہر کرتے ہوئے جلد تفقد حال کی درخواست کی ہے اور "خطرمی بینم" میں محبوب کی نازک قلب پر اثر بھی ڈالا ہے تاکہ متاثر ہو کر جلد درخواست (شربتم زود بدہ) منظور کر لی جائے ؎

شربتم دیر مدہ زانکہ خطرمی بینم

خواجہ اور امیر کے اس قدر موازنۂ کلام سے جو صرف ردیف میم کی غزلیات وسط میں کیا گیا ہے۔ غالباً دونوں بزرگوں کا فرق و امتیاز معلوم ہو گیا ہوگا نیز یہ کہ خواجہ کے اکثر مضامین کی اساس حضرت امیر کے ہاں پہلے سے موجود ہے جس سے خواجہ کے استفادہ کا پتا چلتا ہے بخوف طوالت بقیہ ایسی غزلیات کے موازنہ کو ترک کیا جاتا ہے جو کسی قدر تغیر قوافی کے ساتھ دیوان حافظ (ردیف میم) میں پائی جاتی ہیں۔

شیخ سعدی، امیر خسرو، اور خواجہ حافظ کے انفرادی مقابلہ سے فراغت ہوئی اب ان سہ حضرات کا مختصر یکجائی مقابلہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ اُن کی ہم مذاقی کے ثبوت میں

مزید مدد ملے۔

سعدی	خسرو	حافظ
تو مپندار کزیں در بملامت بروم	من آں نیم که بعمر از وفائے خود بروم	خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم
دلم اینجاست بده تا بسلامت بروم	ز آستانت بجنِ رضائے خود بروم	راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
چوں ہمہ دارو قدیمم بدہم جانِ عزیز	منم فتادہ بجائے و ہر زماں چوں باد	بہوا داریِ او ذرّہ صفت رقص کناں
تو ارادت نہ کہ از پیش غرامت بروم	گزر کنی بسرم من ز جائے خود بروم	تا لبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم
ور بدانم بدرِ مرگ کہ حشرم با تست	بدست بوس خیالِ تو گر شود ممکن	نذر کردم کہ گر ایں غصہ سرآید روزے
از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم	درونِ دیدۂ صورت نمائے خود بروم	تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم
گر سد از تو بگوشم کہ بمیر اے سعدی	در انتظارِ وصالت نہ دست شد خسرو	چوں صبا با دلِ بیمار و تنِ بے طاقت
تا لبِ گور باعزاز و کرامت بروم	دلت نہ شد کہ بسوئے گدائے خود بروم	بہوا داریِ آں سروِ خراماں بروم

ظاہر ہے کہ امیر خسرو اور خواجہ حافظ کے پیش رو شیخ سعدی ہیں لیکن وہ کچھ شیخ سے بڑھکر امیر کے ہاں اور امیر سے زیادہ خواجہ حافظ کے کلام میں جدّت طرازی پائی جاتی ہے۔ پہلے شعر میں شیخ نے درِ یار پر مقیم ہونے اور وہاں سے چلے جانے کی صورت میں سالم نہ رہنے کو سادہ طور پر بیان کیا ہے اور وجہ بھی بتادی کہ "دلم اینجاست" لیکن امیر خسرو نے "من آں نیم" سے ہمیشہ کے لئے آستانے سے برضائے خود چلے جانے کی نفی کی ہے ساتھ ہی اپنی قدیمی وفاشعاری کا اظہار بھی کیا ہے جس سے کمال ارادت مندی اور خدمت گزاری ثابت ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کا اسلوب بیان

دونوں سے جداگانہ ہے انھوں نے اپنے مطلع میں دنیا کو ایک منزل ویران قرار دے کر سیدھا جاناں کی طرف رخ کیا ہے جس میں اصلی راحت و مقصد مضمر ہے۔ دوسرے شعر میں شیخ نے وفادار قدیم ہونے کی بنا پر اپنے تئیں سچا جانباز ہونا بتایا ہے۔ امیر نے بھی "منم فتادہ بخاک و ہر زماں چوں باد" سے اپنی مداومت اور قدامتِ عشق پر اشارہ کیا ہے اور اپنا کمالِ ضعف بھی ظاہر کر دیا ہے کہ محبوب کے آتے ہی میں بجائے خود قائم نہیں رہتا۔ خواجہ صاحب نے اپنی عقیدت کا اظہار محبوب کے سراپا کمال ہونے اپنے ہمہ تن عکس محبوب ہونے سے ذرہ اور آفتاب کی نادر تمثیل میں کیا ہے جس سے عشق اور اس کی قدامت خود بخود سمجھ میں آتے ہیں۔ تیسرے شعر میں شیخ محبوب کے ساتھ محشور ہونے پر وجد کر رہے ہیں اور لحد سے میدانِ حشر تک رقص کناں جانے کو تیار ہیں۔ امیر محبوب کے تصور ذہنی کی عظمت کر رہے ہیں ساتھ ہی اُن آنکھوں کے جن سے یہ تصور رہنا بندھا ہے۔ خواجہ صاحب نے ترک تعلقات کو غم بسر آمدن اور رندانہ کی تفصیل "تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم" سے کی ہے جس سے محبوب کی معیت و تصور کی عظمت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ خواجہ نے اس مضمون کو بے حد لطیف کر دیا ہے۔ آخری شعر میں شیخ نے محبوب کی جاں طلب کرنے پر رقص کیا ہے جس سے محبوب کا جان سے زیادہ عزیز ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ امیر نے اس مژدۂ وصل کے صرف انتظار ہی میں جان دے ڈالی ہے۔ اگرچہ محبوب نے ان کو بھول کر بھی یاد نہیں کیا۔ خواجہ صاحب باوجود بے حد بیمار اور کم طاقت ہونے کے محبوب کی خیر خواہی

ہیں صبا کی طرح اُڑنے کو تیار ہیں۔ تینوں کے اشعار کا حاصل واحد ہے لیکن امیر خسرو کا شعر زیادہ لطیف ہے۔

(۲)

شیخ	امیر	خواجہ
مستم ازیں بے تو کہ پروائے تماشا دارم	مدتے شد کہ نظر بر رخِ یارے دارم	در نہاں خانۂ عشرت صنمے خوش دارم
کافرم گر دلِ باغ و سرِ صحرا دارم	بلبلم ایں ہمہ افغاں ز بہارے دارم	کز سرِ زلفِ رخش نعل در آتش دارم
بر گلِ روئے تو چوں بلبلِ مستم والہ	نازنین ست کہ بہرش دل و دیں می بازم	در تو زیں دست مرا بے سر و ساماں داری
از رخِ لالہ و نسریں چہ تمنا دارم	خوبروئے ست کہ با او سر و کارے دارم	من بآہِ سحرت زلفِ مشوش دارم
کہ نہ بر نالۂ مرغانِ چمن شیفتہ ام	مست دیدارم و گر می کشدم نیست غمے	عاشق رندم و میخوارہ باوازِ بلند
کہ نہ سودائے گل و لالۂ حمرا دارم	ساقیِ سرو قد و لالہ عذارے دارم	ایں ہمہ منصب از آں شوخِ پری وش دارم
گرچہ لائق نبود گردِ من و دامنِ تو	می روم غاشیہ بر دوش غبار آلودہ	گر بکاشانۂ رنداں قدمے خواہی زد
ہر کجا پائے نہی فرقِ سر آنجا دارم	چہ کنم خدمتِ دیوانہ سوارے دارم	نقلِ شعرِ شکریں و مئے بے غش دارم

مطلع میں تینوں نے محبوب حقیقی کے حسن اور اس پر اپنی فریفتگی کا ذکر کیا ہے۔

شیخ (ہر طرف سے توجہ ہٹا کر) محو روئے یار ہو رہے ہیں ان کو باغ و صحرا وغیرہ کے تماشے سے کچھ سروکار نہیں "کافرم" سے تاکید دعویٰ بھی کر دی گئی ہے۔

امیر "مدتے شد" سے اپنا عاشقِ قدیم ہونا ظاہر کرتے ہوئے بہارِ حسن کی بلبل بنے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب اپنا عشرت خانہ نہانی (دل) ایک حسین محبوب سے

آراستہ کئے ہوئے ہیں جن کے رخ اور زلف سے " گاہے کافر شدن و گاہے مسلماں بودن"
کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ دوسرے شعر میں شیخ محبوب کے مقابلے میں لالہ ونسرین سے
کچھ سروکار نہیں رکھتا۔ اسی طرح امیر اپنے نازنین محبوب پر دل و دیں قربان کئے ہوئے
ہیں۔ خواجہ صاحب کے ہاں اس پر اتنا اور اضافہ ہے کہ محبوب کے ہاتھ سے
خواہ کتنی ہی جفائیں پہونچیں ہم اس کی یاد میں نالہ و فریاد و آہ و فغاں کرتے
رہیں گے۔ تیسرے شعر میں شیخ نے مطلع کا مضمون دہرا کر تاکید مدعا کر دی ہے لیکن
امیر مست دیدار ہیں اور محبوب کے صفاتِ کمالیہ پر جاں نثار " گر مے کشدم نیست غمے"
خواجہ صاحب بآواز بلند شیخ اور امیر کے مدعا کی تصریح کرتے ہوئے محبوب کے
عشق میں اپنا رند میخوار ہونا بیان کر رہے ہیں۔ عوام جن باتوں کی تذلیل کرتے ہیں
خواجہ نے ان کی تحسین عجیب اسلوب سے کی ہے یعنی محبوب کی طرف سے ان کو
مراتب و مناصبِ عاشقی سے شمار کیا ہے۔ خواجہ کا شعر نزاکت مضمون اور تناسب
الفاظ کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ چوتھے شعر میں ہر اک نے محبوب کے کمالِ ادب کو
ملحوظ رکھا ہے مگر خواجہ کے ادبی شان میں بھی رندی و آزادی محفوظ ہے۔ شیخ محبوب کے
دامن تک اپنی گرد کا پہونچنا سو ادبی سمجھتے ہیں اور جہاں محبوب کا قدم پڑے
وہاں سر رکھنا فخر تصور کرتے ہیں۔ امیر اس مضمون کو دوسرے اسلوب سے ادا
فرما رہے ہیں اور خدمت دیوانہ سوار کی بنا پر غبار آلود و غاشیہ بردوش جارہے
ہیں۔ حافظ صاحب کے ہاں بھی قدوم میمنت لزوم محبوب کے لئے نقل شعر شیریں اور

مئے بے غش موجود ہے۔ تینوں میں شیخ کا شعر بلند اور صاف ہے۔

اس قدر یکجائی موازنہ سے یہ بات مخفی نہ رہے گی کہ ہر اک کے ہاں اکثر مضامین کم و بیش تغیر کے ساتھ یکساں طور پر ادا ہوئے ہیں نیز یہ کہ اس طریقہ کے ہادیِ طریق شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

غزلیات کے موازنہ کے بعد اُن کے عنوانات کے انتخاب کا نمبر ہے۔ چند عنوانات جن کا تعلق غزل سے خاص طور پر ہے اور جو پچھلے بیان میں مستقلاً نہیں لیئے جا سکے امیر کی غزلیات سے منتخب کئے جاتے ہیں تاکہ ان کی غزل کے خد و خال اچھی طرح نمایاں ہو سکیں۔

امیر کی غزل میں جو بے شمار مضامین متعدد عنوانات سے پائے جاتے ہیں ان کا کلیۃً احصا کرنا اور ان کی واقعی خوبیوں کا دکھانا ہماری محدود قابلیت سے خارج ہے لیکن ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ پر عمل پیرا ہو کر ہم نے کوشش کی ہے کہ وسط کا یہ مہتم بالشان حصّہ اہلِ نظر کی جلوہ گاہ بن سکے۔

شعرائے متصوّفین کی طرح امیر خسرو بھی اپنی غزلیات میں ساقی سے کاملین، بادہ و شراب سے جذب و محبت اور زلف و خال غمزہ ناز وغیرہ سے شیونات محبوبِ حقیقی مراد لیتے ہیں اور تمام رندانہ مضامین اور عاشقانہ داستان کو جو بظاہر خلافِ زہد و تقویٰ ہے، خلوص و محبت اور طلب عشق کی تحریص و تحریص کا

ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بقول حضرت مولانا روم ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

نمائشی واعظ اور زاہدوں کی عُجب، ریا، مکّاری اور دنیا طلبی کی خوب خبر لیتے ہیں۔ وہ حقائق کو مجاز میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ اُن کے وارداتِ قلبی شعری لباس پہن کر ؎

شمۂ دردِ دلِ عطّار را
کفر کافر را و دیں دیندار را

کا مصداق بن جاتے ہیں۔ یہ حقائق اشعارِ ذیل میں ملاحظہ ہوں:

تصوّف

رندانہ۔ بیا ساقی کہ ما در سے فتادیم — بخدمت پیش مے خواراں ستادیم
سرِ رندی چو کج کردیم در عشق — کلاہِ صوفیاں ہم کج نہادیم
بجز ریساقیاں میریم بارے — چو دادِ طاعت و تقویٰ ندادیم

قطع منازلِ سلوک کا اظہار رندانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انانیت (خودی) کو مٹانے اور عشق صادق پیدا کرنے کے لئے اہل محبت کی خدمت اختیار کر لی ہے اور اپنا ظاہر و باطن یکساں کرنے کے لئے کسی تکلف اور تصنع کو

روا نہیں رکھا۔ کلاہِ زہد اگر کج ہی سہی طاعت و تقویٰ کا التزام نہیں نہ ہو۔ لیکن ساقی (مرشد کامل) کی نظرِ لطف درکار ہے جس پہ ہم ہر دم نثار ہیں (بجوۂ رسا قیا میرکم) یہ تمام حقائق مجاز کے رنگ میں رنگے ہیں۔

"طلب صحبت" بیا تا بے گل و صہبا نباشیم — کہ گل باشد بسے قدما نباشیم

چو تنہا بود نی باید ہماں بہ — کہ از ہم صحبتاں تنہا نباشیم

بیا جانا دمارا باش امروز — چہ میدانی کہ ما فردا نباشیم

چو بگزارند یکجا دوستاں را — چرا با دوستاں یکجا نباشیم

گل و صہبا سے مراد جذباتِ محبت ہیں جو کاملین کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے شعر میں گور کی تنہائی پر اشارہ کرتے ہوئے ترغیب صحبتِ نیکاں ہے۔ تیسرے شعر میں حسن استدلال کے طور پر درخواست ہے کہ جب کہ کل ہم نہ ہوں گے تو صرف آج کے لئے اگر تم میرے پاس آجاؤ تو کیا حرج ہے۔ آخری شعر میں "صحبتِ دوستاں غنیمت شمر" کو ادا کیا ہے اور وجہ وہی خوفِ تفرقہ ہے جو کل یا آئندہ کل ضرور واقع ہوگا۔

عاشقانہ۔ خواہم کہ بکوئے تو روم جاں بسپارم — صد جان دگر در عوض از کوئے تو آرم

گر خلق جہاں زندہ بجانند ولیکن — من زندۂ عشقم کہ شہیدِ غمِ یارم

عوام کے زعم کے خلاف عاشقی کو زندگی اور غمِ یار کو شہادت سے تعبیر کیا ہے عشاق کے نزدیک کوئی دولت غمِ دوست (محبوب حقیقی) سے زیادہ عزیز نہیں جس کا دوسرا نام غمِ عشق ہے

کتمانِ عشق

غمت با این و آں گفتم نہ گفتم — اگرچہ ترکِ جاں گفتم نہ گفتم

ترا جاں گفتم از دل ور تو دانی — کہ من آں از زباں گفتم نہ گفتم

اخفائے عشق! زبان سے محبوب کو جان کہنے میں بھی تامّل ہے۔

فضیلتِ عشق ہر دل بے عشق را من دل نہ گویم — تن بے سوز را جز گل نہ گویم

یعنی انسان اور جمادات کے درمیان عشق و سوز ہی مابہ الامتیاز ہے۔

فضیلتِ عشق بر عقل

شکایت دارم از عشق بر عقل — جفائے شحنہ بر عامل نگویم

مگو با من کہ عاقل نیست عاشق — کہ من بے عشق را عاقل نگویم

لذتِ تلخ (تربیتِ مریدی)

ہماں تلخم کہ می گوئی ہمی گوے — کہ گر بنوازیم بدخوے گردم

انکسار ز من پرسی کہ اینجا کیستی تو — سگم گردِ سرِ آں کوے گردم

وفا ز کویت گر زرم گر خاک گردم — ز زلفت بگسلم گر موے گردم

اسی مضمون کو خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے ؎

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم — وفاداریِ کویش را چو جانِ خویشتن دارم

تصوف (مسلسل غزل)

اگر اصحابِ عشرت مے پرستند — بیا ساقی کہ من ساقی پرستم

مرا گویند در مستی چہ دیدی — کہ مے گوئی دل اندر بادہ بستم

تعالی اللہ ازیں بہتر چہ باشد   کہ از ننگِ وجودِ خویش رستم

عشاق کی پہلی منزل ترک جاہ و مال و نام و ننگ ہے اور سب سے آخری ننگ وجود سے رستگاری یعنی مرشد کامل کی توجہ سے مرتبۂ فنا حاصل ہونا جو اعلیٰ درجہ مقامات سلوک سے ہے۔

شوخی و آزادی :

یا رب چہ باشد گر شبے جاناں در آغوشش آیدم   مستسقیِ لعلِ دیم یک شربت نوش آیدم

بوسہ زنم گلگوں لبش بر رخ نہم میموں رخش   گرچہ بلائے چوں رخش اندر بناگوش آیدم

عشق حقیقی :

ویرانہ شد دل از غمش ناگہ برآورد آتشے   شد رخت شہرے سوختہ خاشاک ایں ویرانہ ہم

خاشاکِ ایں ویرانہ سے مراد وجود ظاہری اُس کے لوازم ہیں جو محبتِ حق سے فنا ہو گئے ہیں۔

عاشقانہ۔ دو ابرویت سراہم در کار دزدیہائے دل   دزدیدہ چشمک می زدواں نرگسِ مستانہ ہم

خواجہ حافظ کے ہاں بھی یہ مضمون موجود ہے ؎

خونِ ما آں نرگسِ مستانہ ریخت

واں سرِ زلفِ پریشاں نیز ہم

عشق و سوز، لبِ جاں بخش :

کشت فراقِ کافرم باز بباؤ زندہ کن   پیش چناں لب و دہاں منتِ جاں چرا کشم

بلاکشی۔ وائے کہ خوں آب شد چند زدیدہ خوں خورم   آہ کہ سوخت جانِ من چند ز دل بلا کشم

اس مضمون پر خواجہ حافظ کی جدتِ طبع ملاحظہ ہو ؎

دلا چندم بریزی خوں ز دیدہ شرم دار آخر
تو نیز اے دیدہ خوابے کن مرادِ دل بر آر آخر

تحملِ جفا آں نیم کہ از جفا دست زیار درکشم — یا پس زانوے خرد پائے قرار درکشم

زلف و خط (عاشقانہ)

دل بخطِ بتاں شدہ دامنِ خویش می کشد — دامنِ دل بچند جا از خار درکشم

خرام خیز و قیامتے نما بہرِ شمارِ عاشقاں — تا بمیانہ خویش را گاہ شمار درکشم

یعنی ذرا کھڑے ہو کر قیامت بپا کردو تو کشتگانِ عشق کے شمار میں میں بھی پہونچ جاؤں۔

لذتِ عشق عشق بود بلائے من کاش بود ہزار جاں — کز پئے دوستی ہمہ پیش بلائے خود کشم

جفائے عشق قند مکرر ہے ع

یک بارہ میرد ہر کسے بیچارہ جامی بارہا (جامی)

غزل مسلسل عاشقانہ

ما دل شدگانِ بے قراریم — ما سوختگانِ خام کاریم
آتش زدگانِ سوزِ عشقیم — رسوا شدگانِ کوئے یاریم
بودیم خرابِ بادۂ دوش — امروز ہم اندراں خماریم

آخری شعر میں امیر عہد الست کی یاد تازہ کرکے مست ہیں۔ خواجہ حافظ کے ہاں

یہ مضمون بدیں الفاظ موجود ہے ؎

رشتۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش ست ما ہمانیم کہ بودیم ہماں خواہد بود

سوزِ عشق۔

چکنم گر آبِ حسرت نکنم رواں ز مژگاں کہ بسینہ ز آتشِ دل، ہمہ دود و آہ دارم

چو فرو شدم بطوفاں چہ کشم بلائے دیدہ چو گزشت آبم از سر چہ غمِ کلاہ دارم

مرزا غالب ؎

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

امیر خسرو کے آخری مصرعہ میں "چہ غمِ کلاہ دارم" کی تعبیر اگر "بس پاک ہو گئے" سے کر دی جائے تو بالکل مناسب ہے۔ "پختہ کارانِ جنوں را کے حیا زنجیرِ پاست"

عرفان سخت بسر و گویم خبرت زباد پرسم تو درونِ دیدۂ دل زکساں چرات جویم

بدلم بدیدہ و جاں ہمہ جا نہفتہ ہستی چو نہ بینم آشکارا بکدام جات جویم

تو کہ بر درِ تو گم شد سرِ تاجِ بادشاہاں چہ خیالِ فاسد ست ایں کہ منِ گدات جویم

یعنی ادراکِ حقیقتِ محبوبِ حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ ؎

کہ خاصاں دریں رہ فرس راندہ اند

بلا احصی از تگ فرو ماندہ اند (سعدی)

نشترِ نگاہ اگر آں دو چشم شوخت نگرد خضر بمیرد وگرت مسیح بیند بدو چشم تو کہ او ہم

"بدو چشم تو" میں چشم کو مقسم بہ لانے سے اور زیادہ عظمتِ چشم ثابت ہو گئی۔

مصحفِ رخ

چہ بلاست بارک اللہ رخِ تو کزاں تحیّر   بخموشی اند ماندہ ہمہ کس بگفت وگو ہم

کلیم لکھتے ہیں ؎ بخموشی بہ تکلّم بہ تبسّم بہ نگاہ

میتواں برد بہر شیوہ دل آساں از من

انتظار بکرشمہ گہ گدایں سوگزرے کہ بہرِ رویت   جگرے دو پارہ دارم نظرے بچار سو ہم

عاشقانہ کشی و بناز گوئی کہ اجل ہی بردجاں   دلِ تو اگر نہ رنجد بمہ من رخ نکو ہم

"دلِ تو اگر نہ رنجد" کے جملہ معترضہ اور "مہِ من" کی اضافت سے شعر بہت بلیغ ہوگیا ہے۔ جملہ معترضہ سے پہلے معذرت کی گئی ہے اس کے بعد "مہِ من" کے تخاطب سے لذّت حاصل کرتے ہوئے محبوب کے قول (اجل ہی برد جاں) پر (رخِ نکو ہم کا) مفید اضافہ کیا گیا ہے یعنی عشّاق کو صرف اجل ہی کشتہ نہیں بناتی بلکہ اچھی صورت بھی ناکاموں کا کام تمام کردیتی ہے۔

سلوک وقت آنست کہ ما روبخرابات نہیم   چند بر زرق و ریا نام مناجات نہیم

شرابِ معرفت

گر فروشیم مصلا زپئے مے بہ ارزنکہ   رختِ تزویر بہ بازارِ کرامات نہیم

"ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ" (حافظ)

شوخی ساقیا گر زاہداں میخوار را کافر کنند   با بحرابِ دو ابروئیت مسلمانش کنیم

زاہدوں پر تعریض کا یہ اسلوب کہ اگر تم میخوار کو کافر کہتے ہو تو ہم اس کو مسجد

(ابروئے یار) میں لے جاکر مسلمان کرلیں گے" نہایت لطیف ہے

عشق ظاہر ہوکر رہتا ہے:

منزلِ عشقت کہ من پوشیدہ درجان میکنم　　رخ گواہی می دہد ہرچند پنہاں می کنم

علامات سے اصل حالت کا پتا چل جاتا ہے گو زبان سے نہ بیان کیا جائے۔

صائب نے یہ مضمون اپنے ہاں اس طرح ادا کیا ہے ؎

می تواں داشت نہاں عشق زمردم لیکن
زردیِ رنگِ رخ و خشکیِ لب را چہ علاج　　(صائب)

انکسار　سودہ گشت از سجدۂ پیش بتاں پیشانیم　　چند بر خود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

معرفت　بر من افشاں جرعۂ از جامِ خود نازاں نشاط　　رختِ ہستی را بہ بازارِ پریشانی نہم

آخری مصرعہ نہایت بلند ہے۔ "رختِ ہستی را بہ بازارِ پریشانی نہم" سے امیر نے دکھلایا ہے۔ بادۂ عرفاں کا صرف ایک گھونٹ تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ لذت بخش ہے جس سے بقائے دوام حاصل ہوتا ہے۔

شکایت　یار بد خو و فلک نامہرباں　　تکیہ بر عمر و جوانی چوں کنم
عشق و افلاس و غریبی و فراق　　من بدیں ساں زندگانی چوں کنم

تسلیم و رضا　خواہ خونم ریز و خواہی زندہ کن　　بندہ ام من حکمرانی چوں کنم

جورِ دربانان　از درت سنگے زدندم نیم شب　　سگ گماں بردند آں من بودہ ام

ریختہ میں مرزا غالب نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے (غالب)

ثمرۂ نیت در رہِ پیرِ کعبہ چوں مردم براہ — گر نکردم حج بسے بیہودہ ام

قناعت و انکسار

گل ز باغِ وصل نزدیکاں برند — من چو سگ از دور با سنگے خوشم

شوخی و رندی

توبۂ دیرینہ را می بشکنم — ساقیا در دہ شراب روشنم
ساقیم گر چوں تو مہ روئے بود — توبہ چہ بود مہر ایمان بشکنم

خونباریِ عشاق

من خونِ دیدہ نوشم این ست عشرتِ من — آیا چہ جائے بادہ بے تو کہ جام خواہم

گرمیِ عشق

دیوانہ ام من اے دل زاں شمع یاد کم آور — کاتش زنم جہاں را ناگہ اگر بسوزم

ذوقِ عشق

ذوقِ خرد بجو ئم کز غم کشانِ عشقم — فضلِ عرب ندانم کز روستائے غورم

یعنی غوری دہقان کو جس طرح فضلِ عرب سے سروکار نہیں اسی طرح عشاق کو عقل کی تلاش نہیں۔

استغراق و محویت

از ہولِ رستخیزم واللہ خبر نباشد — پیش آید ار بناگہ در حشر رستخیزم

سعیِ فنا ما عاقبت تنا ر رہِ یار کردہ ایم — جاں رابمن یزید عدم فرد کردہ ایم

بیع من یزید نیلام کو کہتے ہیں یعنی راہِ طلب میں ہم نے جان دے کر فنا خریدی تھی۔

عاشقانہ من انچہ دوش بریں جانِ مبتلا گفتم — ہمہ حکایتِ آں طرۂ دوتا گفتم

زصبر اگر سخنے گفتم اے فراق مکش — گناہ کردم و بد کردم و خطا گفتم

فراق کی تکلیف کا اسلوبِ اظہار نہایت نادر اور بدیع اختیار کیا ہے یعنی اگر بھولے سے میں نے اپنے آپ کو صابر و ضابط کہدیا سخت غلطی کی اس بنا پر اے فراق، میری آزمائش نہ کر۔

امیر خسرو کی غزل میں من جملہ اور محاسن کے یہ لفظی خوبی بھی موجود ہے کہ ان کی بحور و وزن تغزل کے مناسب ہیں جس سے غزل کا نشتر اور تیز ہو جاتا ہے جہاں انھوں نے چھوٹی چھوٹی بحروں میں غزل سرائی کی ہے ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے مثلاً:

(۱)

عاشقانہ ما کہ در راہِ عشق قدم زدہ ایم — بر خطِ عافیت رقم زدہ ایم

علوِ مرتبۂ عشق تا بطوفانِ عشق غرقہ شدیم — بر سرِ نہ فلک علَم زدہ ایم

ہستیِ فانی چونکہ اندر وجود نیست ثبات — دست در نانۂ عدم زدہ ایم

ہم چو خسرو زہستی اے دوست — ہستیِ ہر دو کون کم زدہ ایم

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
(غالب)

(۲)

لب و عارض۔ این توئی یا بخواب می بینم | یا بشب آفتاب می بینم
در دلِ خویشتن خیالِ لبت | نمکے بر کباب می بینم
شوخی۔ از لبت بوسہ چوں سوال کنم | کہ نہ راہِ صواب می بینم

(۳)

سحر گہ کہ بیدار گردیدہ بودم | صبوحی دو سہ بار نوشیدہ بودم
تماشائے قدرت۔
شدم بامداداں بہ بستاں کہ دل را | کنم خوش کہ مخمور و ژولیدہ بودم
بارانِ گریہ۔
نگارا چہ خوش آشنا ہا چہ کردی | در آبے کہ از دیدہ باریدہ بودم
مقابلۂ چشم معشوق و عاشق۔
مرا فتنہ بودی وزاں چشم بودی | ترا بندہ بودم وزیں دیدہ بودم

کبھی کبھی ایک ہی لفظ میں کسی صنعت (ایہام ذو معنیین) سے کام لے کر عجیب عجیب نکات پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً شعر ذیل میں لفظِ زبان کا لطف دیکھو ؎

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمیدانم | چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

اس شعر میں لفظ گناہ میں غور کرو ؎

نہ کنم ز عشق توبہ کہ سرِ گناہ دارم | چکنم نمی توانم دلِ خود نگاہ دارم

ان کی غزل کا ایک ممتاز وصف محبوب کا سراپا اور وصف نگاری بھی ہے
چند نمونے ملاحظہ ہوں :

مستیِ چشم۔ خمار و خوابِ چشم کافرش ہیں   شکنج و پیچشِ زلفِ ترش ہیں

غمزۂ جادو۔ دلِ پاکان و جانِ پارسایاں   ہلاکِ غمزہائے ساحرش ہیں

قامت۔ سروِ سمن برم کجا تا برش درآرمے   دستِ مرادِ یک زمان در کمرش درآرمے

سرو ندیدہ ام بر ایک بسروِ قامتش   سحر زبانِ خود دمم تا برش درآرمے

رفتار۔ ترکِ ما بر شکلِ دیگر می روی   با مہ از خوبی برابر می روی

چیست بر بستی قبائے فتنہ را   گوئے از میدان لشکر می روی

چند گوئی در روم در چشمِ تو   دیدہ در راہ است اگر در می روی

شیخ سعدی کے ہاں یہ مضمون یوں ہے ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

وصفِ دلبری۔ دلبری گوئی من دلبری ندانم   بارے ز زلف بتاں آموز دلربائی

غمزۂ خندہ اور گفتگوئے معشوق۔

خندہ کن گو پردہ بر جاں می دری   غمزہ زن گر خنجرے در دیں می سکنی

در تکلم لبہائے من گوئی بمیر   ور گلاب را بر بندہ شیریں می سکنی

گفتیم بر روئے زردِ خود بخند   زعفراں را خندہ تلقیں می سکنی

امیر کی غزل میں معاملہ بندی طرفہ آفرینی جدت اسلوب اور اختراع تشابیہ و صنائع کے علاوہ ایک وصف خاص ایسا ہے جس کی وجہ سے ان کی غزل خود ان کے بقیہ تمام کلام پر فوقیت رکھتی ہے، اس وصف کو لفظوں میں ادا کرنا دشوار ہے۔ اس لئے کہ وہ اک وجدانی وحالی چیز ہے، قالی نہیں۔ سوز گداز، درد، تصوف، حقائق و اسرار جو چاہو نام رکھ لو۔ لیکن حقیقت وہی ہے جو مرزا غالب لکھتے ہیں یعنی "ورائے شاعری چیزے دگر ہست"

اس چیز کے اکثر نمونے اوپر گزر چکے۔ چند اور ملاحظہ ہوں:

شورشِ عشق۔ دست نہ در سینہ ام تا بنگری　　آتشِ پوشیدہ در خاکسترے

نواب شیفتہ مرحوم خوب فرماتے ہیں ؎

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ　　اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

دل بارگہِ سلطانی ہے۔ شہرِ دل ویراں شد از بیدادِ تو　　ورچہ ویراں تر شود سلطاں توئی

اسی مضمون کو دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ملکِ دل کردی خراب از تیغِ ناز　　ہم دریں ویرانہ سلطانی ہنوز

مضمون و نفخت فیہ من روحی۔

از گراں جانی من جاناں مرنج　　چوں روانِ جانِ من پنہاں توئی

تعلیم [illegible] ما سوا —

تا نظرگاہِ الٰہی شود منظرِ دل　　زنگِ کونین ز آئینۂ خاطر بزدائے

صحبتِ اہل اللہ۔

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہروئے　　بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ عمر ہاؤ ہوئے

یہ شعر جتنا مجاز پر حاوی ہے اس سے زیادہ حقیقت پر ناطق ہے۔ مولانا رومی خوب فرماتے ہیں ؎

"یک زمانہ صحبتِ با اولیا　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا"

لیکن امیر کے شعر میں مجاز و حقیقت کے اجتماع نے شعر کو مجمع البحرین بنا دیا ہے۔

ترجیح عشق حقیقی بر مجازی۔

نہ بدست باجواناں بہ چمن شدن ولیکن　　ہوسِ جمالِ جاناں نرود برنگ و بوئے

حسنِ محبوب اور اس پر رشک۔

بخدا کہ رشکم آید برخش ز چشم خود ہم　　کہ نظر دریغ باشد بچناں لطیف روئے

حضرت بو علی شاہ قلندر نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے ؎

"غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم"

ریختہ میں مرزا غالب وجد کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں ؎

"واہ رے قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے　　میں اسے دیکھوں بھلا یہ مجھ سے دیکھا جائے ہے"

امیر کے حسنِ غزل پر ہماری (تنقیدی) نظر بھی مطربانہ لہجہ میں یہ معذرت کرتی ہے ع

"کہ نظر دریغ باشد بچناں لطیف روئے"

رحمۃ اللہ تعالیٰ

فضل احمد حافظ

جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہٖ نستعین

دیباچۂ مصنّف

حمدے کہ از میانِ جاں برآید وثنائے کہ از واسطۂ دل گرہ کشاید حکیم حاکمے را عَلّتْ کلمتہٗ وعمّت نعمتہٗ کہ بقلمِ حکمتش در صحائفِ بسطیات دقائق اشعار را نگاشت فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ داشت ابداعے کہ نہ بحرِ سریع را محیط کرد تا زبدۂ لطیفہ بر روئے آب آید قطرہ از عینِ علمِ او وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا وانشائے کہ چہار طبع بسیط را مرکب کند تا چندیں معانیٔ غریب متولد شود قطعۂ ایست از دفترِ فضل وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ وگدایان وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ را بمخاطبہٗ وَاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ بزرگی داد۔ خاکیانِ یُحِبُّھُمْ

وَمُحِبُّوْنَہٗ را بمواجہہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ روشناس گردانید ربط سواد و بیاض لیل و نہار بحکم حکمت مربوط کرد۔ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ط حل و عقد جمہور امور بہ کتب صادقہ رسل را منوط گردانیدہ وَاٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ط خصوصاً رسول امین اُمّی را ہدایت نامہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط برکف کفایت نہاد تا گم شدگان بادیہ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط را بخط مستقیم وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ راہِ راست نماید ؎

شکر او گویم کہ کرد اول مراہستی عطا
وانگہم بنمود راہِ مستقیم مصطفےٰ

زہے واسطۂ حیات عالم و عالمیان کہ رابطۂ ذات آدم و آدمیان ست وخہے آفتاب وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ و ماہ طٰهٰ کہ از رخسار نیرّ او روشن شدہ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى و مشارق الانوار از جبہۂ او نور گرفت۔ مصراع

دروغ بود بر او آنکہ آں دروغ زنا

برعین زبان فال گوئش می گفتند زیراکہ فال ابجد قرعہ باشد نہ قوابع قرآن آں پاک گوہرے کہ زبانش از حکایت و براق تیزی او بود اگر حد گوہر می شناسی مگو کاہن بود وَمَا هُوَ بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ط ہر کندہ دوزخ کہ با او زبان شتعال بیروں کشیدہ جز سوختگی و تب ہیچش در دست نیامد تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ط

بیت

دشمنش را خانہ باید سوختن تا دوستاں
خوش کنند از بیت سوزانش درونِ خویش را

مدح شیخ خود نمیدانم ہردم شیوخ را در قلب خویش فرو بالامی بینم ہیچ گرامی با آں
آیتِ رحمت بازنمی ماند زہے نظامیؔ کہ خسرو نظامی از نام او شد و بر پنج گنج نبی الاسلامؔ
علی خمسِ از ارشادِ آں رشید رسید کہ اگر من کمین را پرتو دولت نظامی نبودے زبانم
کلیدِ مخزن نہ شدے اگر جزو جزو جلد من بکشایند بر بیت ہر قطعہ بجا مدآں ممدوح محمد نام شدے

بیت

یارب آں معنی کہ در کامِ محمدؐ ریختی
جرعۂ بر من چکاں بوئے ازاں بر من رساں

آغاز دیباچہ

احوال الواح ایں عزیز و آثار ایں در زیبائے ایں صفحہ فصاحت و تبیانِ
آیت رویت صحیفہ حصافت کہ بہ تہذیب غرائب مذہّب و تہذیب رغائب مہذّب ست
بمسامع ارباب کلام و مجامع اصحاب کمال بریں جملہ می رسانم کہ چوں عین عمرم از پانزدہ
نظر بہ بیست حدقہ حداقت را بصرے نور افزائے حاصل و مقلۂ مقالت را نظرے دُور نما
واصل گشت و بخواب بندی پر خماران غزل سحر ساز و بچشم بندی سخن چشم باز شد ہر دم
دقیقہائے کہ از گردشِ آسیائے سنگ گرداں تاپختہ و ناپختہ در میزان طبیعت من وزن
می یافت بچنیر سینہ می بختیم و از نئے دو وا اندود خامہ پختہ بیروں می دادم چناں کہ
چاشنی گیران مائدہ آں نوالہائے دل را بدندانِ خرد تناول می فرمودند و بر باعی
آب می گزیدند و آئینۂ معنوی را ازیں دندان فکرت ثنائے می گفتند و اثنیۂ مثنوی را

ثنائے بالذت تلذذ می نمودند و دراں وقت نمودار خیالات در آئینۂ باریک بیناں نو شدہ بود و طبیعتہائے صافی و شاں نیز بتصور آں رو آوردہ و مردمان سواد ات سپاہانی در چشم می کشیدند۔ بندہ نیز بر حکم تیغ آزادگاں آں سکّہ را خریداری می کرد و آں سعادت را مشتری شد و یگان چہارگانی را بطرازِ سپاہانی با صحاب کمال می نمودم وازانم جمالے حاصل می آمد و دراں ہنگام مولانا مفتی الانام مقتدا الایّام صدر الشریعہ معشر الدین غریفی در مسندِ حیات بود و او باکمال علم و جمال فضل در چہارگانی خیال یگانہ و دراں طرز در زمان و مکان مستثنیٰ روز بروز بطریق استفادت بسابقہ آں سبقت جُستم تا بدیں سبقے از فوائد ایشاں بدست آرم و ایں رباعی کہ بیت القصیدہ است نو گفتہ بودم **بیت** ؎

در خندہ چو چشمِ مستِ تو ناز کند　　　　از روئے تو گل ریختن آغاز کند

حالی بر طبق نوالش عرضہ کردم در مذاقش بغایت نمود و در تحسین بزبان شیریں شکر ریز گرد آں چاشنی بحلاوت تمام در کامِ جانِ من ریخت ؎

انّی شکرتُ اللہ عسلَ مقابل　　　　الی الافاضل مثل الذّی حلوا

ہر خلق کہ بعد ازیں ست حاصل سواد کاتب می زاد قرۃ العین مبصّران می گشت و در افواہ اہل مقال کامیاب می شد و اہل طرب چنگ دراں زدند و پیران چنگ پشت حال می آوردند۔ الغرض در بساط گاہ من صنّف فقد استھدف خود را برجائے نہادہ بودم و از اصحاب کلاک ہر تیز فنی کہ می خواست بر من زخم آرد چوں در

آماج گاہِ کاغذ من می رسید خطا می کرد و روے بخاک می نہاد و لگد می خورد گنبد کناں می جست ؎

إن الحسود رمی إلیّ سہامہ
حنقاً و مطمئنّ وجنّتی قرطاسی

شہرے چوں دہلی و کوہے بہ کراں و دریاے درمیان ؎

کأن بحراً محیطۃً صدفٌ
من رای البحر کان فی صدفٍ

ہر سنگے را کہ از وے بجنبانی گوہر سخنے بیروں دہد و ہر خاکے را کہ از و بکاوی چشمۂ معنی بیروں تراود ؎

یکے دریا پُر از دُرِّ جہاں تاب
نباشد ہیچ دریائے بدیں آب

و درو سے متبحران نظم و آشنایان بحر و معلّمان سفینہ بعدد قطرات باراں در چنیں دریاے میانِ چندیں غوّاصان گوہر سخنم بر روے آب آمدے ۔ آرے سر چشمۂ حیات صافی بود و سیلاب شباب تند و طبیعتے از آب رواں تر لاجرم جملہ تر سخنان را دست از سخن بست یشبہ نیست کہ ہنگام علو ظرائف مصنفات و درا وصاف لطائف نشاءات در نشاطِ جوانیست و ایّام علوم طرائق مصنفات درا وساط زندگانی سرآن شاب کہ در شب شباب آتش طبعش چراغے پر زبانہ بازنیفروخت بعدازاں از دودمان قلم او بر صحائف روزگار دیدۂ روشن نماند و سرآن درخت ترنارسیدہ کہ از شاخ او در موسم نوروز برنائی بآب لطائف گلے نشگفت پیش از نہال نہاد او بر طریق طبقہ فضل و فضیلتِ او ثمرۂ پختہ نرسد ؎

شاخِ جواں کہ میوۂ تر پے بہ پے دہد　　روزے کہ پیر گشت چناں میوہ کے دہد

سخن شکّرے ست کہ شیر دندانان را خائیدن نداد ندو در کبر سن خود نتواں خائید

اما چوں جوانانِ شکر خائے سلک جواہر ایشاں را بسے بایستے کہ در رسیدہ باشد و

بدیں نعمت بسیار دنداں زدہ باشند ہر آئینہ ایشاں را ایں کاسہ پخت دماغ لقمہ شود و

مغز سخن از استخوان سینۂ ایشاں را ایں کاسہ بیروں آید و زباں را چرب گردانیدہ و

تا سر ایں مائدہ وسال از الوانِ عمرسی و دو تمام بیروں نیامد زبان ازیں لذّت بکام

نرسید و پختگی ایں حلوا را حلاوت در نیافت ؎

تا نشد آتشِ جوانی تیز　　خام بود ایں ابائے شہد آمیز

دانستگان دانند کہ در زمانۂ نادانی از آغاز جوانی کودکانِ خوش طبع را سودائے

اشعار بسیار در سر پیچید۔ اما آتش طبعان کہ از نے قلم دود انگیزی کنند ہنوز دمدمۂ انفاس

اہل نفائس نیافتہ باشند و آں سودا را پختہ بیروں نتوانند داد ع

دراں خامی شد و خامت کشد ما آں کہ در اوّل

اما چنیں کسیکہ پیش از مدت حمل زاید ترکیبش در غایت ضعف بود و قالب او را

بقا نتواند بود و بقبول قابلہ نرسد ؎

در عالمِ اُمّہات و آبائے شکم　　ہر طفل کہ ہشت ماہہ زاید نزید

سخن آنست کہ در زبانہائے گویندگان نماند و سخن بماند و آنچہ گفتہ شد و

ناگفتہ ماند ہماں طفل ہشت ماہہ ہست کہ زادن ہماں بود و مُردن ہماں نظم

بساکسان که سخن گفت در زمانه ورفت — چو خام بود سخن پخته را نشد منظور
نبودے شاعر الّا همه بنی آدم — اگر شدے سخن جمله مردمان مشهور

حقیقت ست که چوں نو برآمده ست - دریں فرد شود خواهد که دُرّ نوادر برروئے آب آرد اگرچه نو گوهرے چیده از غیر اوزان و چو زرے سنجیده از کان ارکان نوازندگی برکشد امّا ضابطهٔ حل و عقد معانی تمالک نداند که دو رابطه ضبط قبض و بسط معانی را تماسک نتواند نمود و عقد نظم را برابطے کشاده و سلک سوز را کشادے بربسته نیارد آورد که عاقبت شطهٔ [له] زلالش از زللے خالی باشد و بضرورت خط خیالش از خللے نباشد بیت

کودک از پیرِ آسماں باشد
هنرش تیرِ کودکاں باشد

و چوں شائبهٔ در معمورهٔ عمر درآید و سواد او زنامهٔ عمر به بیاض رسد اگرچه مدارج ارکان ترکیب بزینت متانت مزیّن گشته و بهنگام انشعاب و انبعاث انشا کثرت عمل قلت خلل باشد و سرشتن دقیقهاے نیک پخته شده و نوشتن لطیفهاے سخت پخته گشته اما هم از آسیب شیب که زمان وداع دواعی ست چوں داعیهٔ خاطر دعا گفته باشد و سلامت خیر باد کرده و بادِ هوس در شاخِ حیات در شکسته و بهار وجود از نکهات خزاں گشته و بوستانِ دماغ گل طبیعت پدرود کرده و سرچشمه آب و گل از خاک کاهش انباشته شده هر آئینه آئینهٔ خیال را تصورے جمیل روئے نماید و تیغ زبان را از حلت طبع جواهر آبدار بر سر حرف نیاید و عین عبارت بکنه انگیزش بلیغ نتواند رسید و دیدهٔ بصارت صورت

[له] جود دریا ۱۲

معنی بدیع بخواب نتواند دید **مثنوی** ؎

چوں زانگیزش بماند طبع پیر — گر کند ترکیب نظمے زو بگیر

گرچہ نثرے نظم کردن کار نیست — دُر طلب کن بحر را مقدار نیست

نظم کز معنی نشانے نبودش — صورتے باشد کہ جانے نبودش

معنی نو بہ کہ باشد در سخن — لفظ خود نو نیست کس را جز سخن

از نو انگیزی مرا بر خاست نام — ورنہ بسیار اند ارباب کلام

وهرگاہے کہ خازن حفظ از محصّلان تخیل نقدہائے سرہ ایشاں را برمائدہ پُر دل د صُندوق سینہ اگرچہ ہمہ ابواب بر بستہ ہائے بے شمار دارد از وے چہ بربندد وہر وقت کہ گنجینہ آں لفظ معالان تامل عقدہائے نادرۂ معنی بکشاید کلید زبان در کلید آں زنخ اگرچہ ہمہ اسباب دندانہائے بسیار دارد از وے چہ کشاید **نظم**

تا چشمہ آب نارد دلو از کجا شود پُر

تا ابر قطرہ ندہد بحر از کجا شود دُر

القصہ مراد ازیں عبارت ومقصود ازیں استعارت آنکہ در اوائل شباب قوت انگیختہ نوادر بغایت غالب بود واحکام استحکام بربست سخت محکم باشد وآثار آثارت بدائع نیک بود خلاصہ چندیں اینست کہ صاحب سخن در پیری بر بندد وانگیختن نتواند در کودکی انگیزد وبربستن نتواند. اما زمان وسط حیات ست کہ ہم تصنیف بمثابتے زاید کہ شائع تواں کرد وہم ترکیب بمثابتے آلاید کہ آنرا شائع تواں خواند **بیت**

در جوانی سخن جواں باشد
سخنِ پیر ناتواں باشد

ایں سخن بلند کہ بالا رفتہ است نہ ہم در شعر تواں گفت وایں دُر یار جمند کہ در دل فرو ماندہ است نہ ہم در نظم تواں سفت بلکہ در کار فتوی علی العموم رائج و جاری ست وعلی الخصوص در جمیع علوم ساری ست قطعہ

جوہری تا کودک ست ارچہ بود بالغ نظر | ہم خطائے افتدش تا با تجارب یار نیست
ورنہ در پیری تجارب ہستش از غایت بسرُو | تجربہ کے سود دارد گر بصر در کار نیست
در بہاراں گل تواں از بوستاں چیدن مگر | دررد را دیوانہ ہیچ یدکسے ہشیار نیست

و در جمہور امور وسط پسندیدہ است چنانکہ واسطۂ عقل موجودات می گوید کہ خیر الامور اوسطہا وازعین علم بباید نگریست کہ منزلت وسط تا چہ جائے بود جائیکہ امر مطلق در جملہ صلوات بریں جملہ می فرماید حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلوٰةِ الْوُسْطٰى وجماعت سنت سنیۂ محمدی را کہ خیر الامم ست بدیں صفت موصوف گردانید وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً۔ و در الطعام کہ انعم الانعام ست بریں نوع گرداند۔ من اوسط ما تطعمون اھلیکم۔ قطعہ

گر بخواہی کہ راست آید کار | راست پرسی زمن میانہ نکوست
تو ہم از نقش کار صورت کن | کالفِ راست درمیانہ اوست

وباریک بیناں کہ در ایامِ جوانی کہ وسط زندگانی ست بلکہ تیر شکل در شبِ سواد

موے شگافندو دو کنند و این نوع خاصہ طریق منطق این منطبق ست کہ ذومعنیین می انگیزم
در ہر معنی من کہ چوں موئے باریک ست بشگافند و شود یعنی باریک در نظر آید بیت

یکے معنئ چوں مویم کہ بشگافند دو مو گردد
جوانم من وے این طرفہ کا ولادِ دو مو دارم

مرا اگرچہ سودائے جوانی در سر ست لیکن ازیں روے کہ میان بچگانِ اشعار
دو موے شدہ ام یعنی اشعارِ من کہ در خط مو بموے محاسن ست یگاں یگاں پختہ
می شود ع ے

تا بدانند بچگاں کہ ہلم

و بریدن من ہمہ از محاسنِ اشعار ست۔ آرے رلیش المرءِ محاسنہٗ
باآں کہ کارِ اشعار ہمہ تعلق بہ رخ دارد معہذا کلک تراشیدۂ من کہ دو زبانش
چوں دندانہاے شانہ ست بہنگامے کہ جعدش می کنم ہمبراں تراشیدہ صد ہزار
طرۂ مسلسل برمی بافد نظم ے

بناتِ دلم را قلم شانہ کرد
نکو می کند کلموا شانہا

ہنوزم آغاز خط بود کہ نقش بندانِ تقدیر سواد باریکہاے اشعار در
بناگوشِ من دو دیدند و تکلفاتِ عارضی را از بلغہ بلاغت خط در کشیدم و آنکہ در زیر
نمود از رخ بود مو بموے بمحاسن پوشیدم بیت

در آمد این شرابم بر در آب
چو شارب گشت موہا بر سر آب

بعد ازاں بمرادِ نوخیزانِ عصر شاہد سخن را چاشنی رونده و جنبشِ قلم را روش آینده و مرجان معانی را کلید زنده و مرجان الفاظ را چشنی خنده برانگیختم گاه غزل روان و تر چوں آبِ حیات بلکه از آبِ حیات رواں تر از سواد بیروں می ریختم و جان اوستادان گزشته را زنده می گردانیدم و گاه قطعه از تیغ زبان بر معاصران بد زندگانی سخن را بریں سرزنش می گشتم که بیت

طرفه آبے ست دریں چشمۂ حیواں که ازو
دوست شد زندۂ جاوید و بداندیش بمرد

و پیوسته ہمبریں آب جدولِ سفینہا با ہر چشم و روے آشنائی میدادم و در بحر رویت آشنا بازگونه می کردم تا بجائے رسانیدم که ہیچکس را در سخن نبود و ہیچکس بسخن اگرچه جمله کتاب عالم محرره بردا جہائے من شده بودند با ایں همه نمی خواستم که ایں حشو را جمع کنم یا دیوانے سازم یا دفترے پردازم از برائے آں که نظم سخن اگرچه نیکو بود گہ خواندن ولیکن بهر نبشتن نیکوتر باید بیت

بقصرِ شاه لآلی نثار پاے بود
و لے ذخیرۂ گنجینه گوہرے باید

حاصل بعضے از ابناے جنس و اخوان انس بنات ابیات و امہات قصائد من

خوات آنرا بپردہ اخوۃ باعصمتے تمام نگاہ داشتہ بودند ہریک را برمن جلوہ کردند
نامن آں مخدرات را از کاغذ و قلم در لباسِ حریر و قصب بیارآستم و در عقدِ تحریر آوردم
اگرچہ بر فضول حمل خواہد شد ایں قدر آوردم بعد ازیں چہ زاید **بیت**

مؤد بیند ہمہ زادگانِ خاطرِ من
کہ کلکِ من بنباتِ نکوئے شاں پرورد

خلاصہ ایں بر بسیط راکشادہ ترے بر بست کنم و ایں آیتے ست کہ باشارت احیا
احیاهم الله سوادات ست کہ از بیست تا غایت بست و چہار سال در آتشِ رنج ماند
و قلم آسودۂ آں آسودہ را ربط دادم و ازاں اشتات مجموعے ساختم۔ چوں ایں ہمہ
زبدۂ لطائف حیات بود بر مثال سواد جوانی و وسط زندگانی نہجے کامرانی نام ایں
فرخ نامہ فرخ صفات وسط الحیات کردہ شد تا خوانندگانش بدیں نام خوانند **نظم**

چو میانِ زندگانی ہمہ ایں سخن کہ راندم
خوش و خرم ست ازانش وسط الحیاۃ خواندم

ہر بیتے کہ ازو بجا ماند در زیر آں گنج پنہاں شدہ پیدا شود و ہر مصراعے کہ ازو بگشایند
درونِ آں بحر ناپید اگردد **بیت**

پیداست زہر قطرۂ کلکم پیداست ہرچند کہ دریائے سخن ناپیداست

در دیباچۂ تحفۃ الصغر ذکر کردہ شدہ است کہ بر سر ہر شعرے در صفت شعر بیت
نبشتہ افتادہ ازاں جملہ ابیات شعرے تمام محبوب می خیزد و ایں خاص وضع من ست

که دراں کتاب مکتوب ست و بعد در جملهٔ ابیات سلسله هم ازیں باب خواهد بود که درانست
مقصود ازیں یاد کرد آنست که چنانکه در تحفة الصغر وضع نو رفته است دریں دیوان
نیز طریقهٔ غریب و آئینده آمده است که پیش ازیں هیچ مبصرے را نظیر آں در نظر نیامده است

نظم

زبار یکی ندیدستش هیچ بینا
چو من باریک بیں بودم بدیدم

و آں تخلص ست حال موقوف که مشاطهٔ تقدیر برآں مادهٔ لطف موقوف داشته بود تا من
که استاد محکم آنرا حال گردانیدم صنعت حال موقوف زاد حملها که از افسون گری قلم من
خلاص یافته است ایں قلم تخلص است بیت

اکنوں که آب دیده بلا گشت مر مرا
چشم مرا که باز خرد از بلائے آب
دریائے مکرمت شرف الدولهٔ فتح ملک
اے آنکه ریزی از سخن جاں فزائے آب

نظم

هنوز تا چه کند غمزه هائے نیزه درت
اگر ز لطف بریں بنده مهرباں نبود
ستوده نصرت دنیا محمد سلطاں
که جز بدولت از محمدت نشاں نبود

نظم

بخاک افتاده ام بر آستان حضرت جاناں
کسے باشد که ایں افتاده را از خاک بردارد
جهان عدل فخرالدیں که عدل هیچو موے او
بموے خویش بربسته گلوے شیر نر دارد

و دریں تخلص چناں که رسم شعراے اول ست در آخر نسبت درست

مدح مخلص چنیں شاہ کشورکشائے یا سرور زمان یا صفدر روزگار آوردہ نشدہ است مگر ہم
در بیتے کہ خطاب و نام ممدوح خواہد بود و ایں بیتے ست کہ بعد از بیت تخلص آید و ایں
چنیں در نظم نوعے بغایت غریب و عجیب افتادہ است۔ ایں ضعیف قوت آں نداشت
کہ جملہ تخلصہائے اشعار خود را بدیں صنعت بیارایدا ما دل آں داشت دانائے من گفت
کہ دانستہ باش کہ ع

ہر کسے را دریں سخن باشد

اما دانایاں دانند کہ زیانم ہم بریں تخلص پیش کامگار نبود در خلاصہائے دیگرے
گزرے می نداشت۔ بدیں سنت استاداں را بیشترے رعایت کردہ شد کہ ہر تخلص را بہرے
دیگر ست و از آں خویش را جائے بجائے مراعت نمودہ آمد تا مرعی ماند متابعت ایشاں نظم

گرچہ گفتِ اوستاداں پیروی کردم بدل ❊ لیک بہرِ جانِ خود را نیز چیزے کردہ ام

و نزدیک بینش دوربیناں وضع صنعتے از تصنیف کتاب چوں پسندیدہ بود دیگراں متابع آں
شوند ہر آئنہ او متبوع باشد در مذہب سخنوری ایں محل اجتہاد ست۔ زیرا کہ ہر کرا حسن طبیعتے نباشد
دیوانے یا کتابے از انشائے خویش تواند کہ بدانایاں نماید اما دانایاں دانند کہ نمودار
وضع صنعت ہر دانائے نداند نمود نظم

چراغ وضع حکیم ست و ہست ایں روشن ❊ کہ ہر چہ وضع حکیم ست مستقیم بود
اگر فروزش آں بر کنیز تو سہل ست ❊ تو خود مگوی کنیزت چو آں حکیم بود

و در چنیں سفینہ استاداں متقدم کہ بہرکے دیباچہ بودہ است بگزشتہ ام و صد ہزاران بودہ الا

در سلک انشا کشیده بیشتر صنعتهاے متقدمان را بر سبیل عاریت نموده اند مگر استاد عالم افضل الدین بدیل خاقانی که در ترجیعات نگاه داشت یک قافیه در هر خانه وضعے ست ملک او و کم آن چنان اتفاق افتد شعرا را برین نمونه برآورد و بعد از و هیچ صاحب سخن را این قوت و قدرت نبود که این صناعت را متابعت کند مگر بنده خسرو که بعض اشعار خود را هم بر طرز استاد خاقانی نام شعرا در شایع ابیات رانده است و هم در شعر آن را نام عنوان سرنامهٔ معانی گردانیده ولیکن بنده این قدر تصرف زیادت دارد که نام شعرا را در آخر همان شعر در بیتے درج کرده است تا این شعر را بدان نام خوانند اگر در دیوان رقم سرخی بر سر سواد شعری نقش نکنند آن نام محو نگردد بیت

نکو تر چیزے اندر شعر نام ست | که ماند زنده زین نقش سیاهی
تن خسرو بمیرد این یقین است | دل خسرو نمیرد هیچ گاهی

ز نام شعر که بر مردم نماند بدترین چیزها ست و بهترین چیزها که در شعرها ز نام مردم ست و فرزندان درین کار نیز از برائے برآمدن نام ست که چون جوهر سخنور در خاک گم شود چنان که ع

در خاک بجوئی و نیابی ما را

از عین شعر که چشمهٔ آب حیات ست زندهٔ جاوید گردد بسا سلیمانان صاحب قلم که بشمار انگشت نیایند در مشت خاک فرو شدند که هیچ جائے بر نیامدند مگر در حمایت دولت پادشاهان سخن زنده ماندند و بسا تخت نشینان در زیر زمین خفته که تا صبح قیامت بیدار نه شدندے مگر از علم قلم شعر بیدار شدند و بیش نخفتند اگر بهار شاهنامه را فردوسی نیاراستے گل ضحاک تا صبح یوم النشور نخندیدے

وشجرہ بارانِ ابدالدہر نامی نماندے وماہ بہمن در ابر نہاں شدے وکمانِ رستم از بلندی بچرخ نرسیدے واگر جواہر تیغ گنج را نظامی در سلکِ نظم نیاوردے دُرِ نطاقِ اسکندری در قعرِ چاہ مکنون ماندے وتاجے کہ بہرام از دہانِ شیر بیروں آورد در شکم گور مدفون گشتے **بیت**

اے سخن جاویدزی کآبِ حیاتی وزتو　　　　ہر کہ یک قطرہ بیابد زندہ ماند جاوداں

ممدوحاں را واجب ست کہ تا زندہ باشند مردۂ مادحاں باشند چوں زندہ کردہٗ دم مسیحی ایشانند وازیشاں نامے ماند **نظم**

افسوس کہ زندگاں بمردند　　　　باقی قدرے فسردگانند

ہرچند کہ زندہ می نمایند　　　　چوں بے خبرند مُردگانند

دریغا کہ مابے دولتاں در زمانے موجود گشتیم کہ وجود جود معدوم گشت وشجرۂ سخن را کسے تبر کندہ نمی خرد دریں روز بد بدترینِ عیبِ مردم سخن ست کہ بہترینِ ہنرِ مردم ست **بیت**

آرے آرے عزتِ گفتار نزدِ مردم ست　　　　گاو را نبود خرد زاں خوار شد نزدِ سخن

امروز تانِ درست کسے دارد کہ زبان درست ندارد وبالاتر کسے نشیند کہ شین را سین گوید **بیت**

با ایں ہمہ من خوشم بیک لفظ درست　　　　گر نان درست نیست گو کمتر گیر

ایں خردۂ نادرست کہ از گرہِ قلم بسود ا بیروں دادہ شد التماس آنکہ چوں صرافانِ سخن وناقدانِ معانی دریں سیم سیاہ بنظر سرہ نگاہ کنند مہرۂ قلب مرا ردنکنند وبحرِ لطیفہ قبول درکشند **نظم**

خداوندا قبولِ خویش کن بار
زچشم ناقبولانش نگہدار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدا شد چون کتابِ من بتوحیدِ خدا
ہست اُمیدم کہ بخشد ایزدم نورِ ھدا

(بحر رمل مثمن مقصور وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

حمد رانم بر زبان لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن — آنکہ بخشیدہ ہست از قرآن هُدًی لِّلْمُتَّقِیْن

از سفیدی و سیاہی گیر تا لوح و قلم — یک رقم از خطِ حکمش وَهُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْن

رحمتش بین مہربان چون مادری کز فرث[1] و دم[2] — شیر خالص میرساند لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْن

شکر اگر گوییم و گرنے ما گدایان را ز غیب — قسمتِ روزی دہد وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْن

وانکہ از قند شکر ہم کرد شیرین کامِ خویش — از نوالش خورد حلوا را سَیَجْزِی الشّٰکِرِیْن

ہیچ چیز از نیک و بد پیدا نگردد در جہان — ہرگز اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْن

دیدۂ نقاش را کز خونِ دل صورت کند — آن نگار صورتِ نقّاش مِنْ مَّآءٍ مَّهِیْن

---

[1] لید ـ گوبر [2] خون

من غلامِ روی ایشانم که او بر روئے شاں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ خالِ دیں بنہاد واندر خلد کانوا خالدین
نورِ آمنّا بربِّ العٰلمین داد از رسل ‌‌ اہلِ ظلمت را کہ می گفتند کنّا مشرکین
انبیارا از ید اللہ خطبۂ دولت نوشت ‌‌ جز خبر از دفترِ کلّاً جعلنا صالحین
آنکہ از نور ہٰذا ربّی آمد از درست ‌‌ چوں عنایت یافت گوید لا احبّ الآفلین
راند از یک چوب موسیٰ سحرۂ فرعون را ‌‌ گر کسی گفتند ارسل فی المدائن حاشرین
عالمی را زندہ کرد از مصطفیٰ چوں شرع را ‌‌ زندہ کرد او چوں فرود آمد با روح الامین
وائے بر قومے کہ بت را سجدہ بے حجت کنند ‌‌ بارسل گویند اتونا بسلطانٍ مبین
تا سزا گویاں کہ بر وے افتراہا کردہ اند ‌‌ ہم سزا بینند از شمشیر نجزی المفترین
تا بر آرد دود از اہلِ شرک دوزخ بر فروخت ‌‌ ہیزمِ کانونِ دوزخ جملہ کانوا کافرین
آتش از خشمش سخن گویاں بآوازِ بلند ‌‌ ہرزہ گویانِ زباں آرای عنہا غافلین
قہر او مملو کند اے اہلِ کفراں قوم را ‌‌ خانہ با خانہ درک را جملہ منکم اجمعین
ہر کرا غافل کند فردا کہ حکمش کے شود ‌‌ آگہی دادند امروزش ازاں کیدِ متین
کافراں چوں زرد گردند از نہیبش روزِ حشر ‌‌ ہمچو کافور زردشاں بیں نسرّ الناظرین
ہر کرا شد کشت دنیا پختہ و دیں خام ماند ‌‌ دانہ دادش از جعلناہم حصیداً خامدین
ظالمی کو دست از حبل المتین او بداشت ‌‌ در چہِ دوزخ بماند بئس مثوی الظالمین
ہر کرا آراست از حسنِ عمل احسان او ‌‌ جلوہ گردش بخت بر تختِ یحبّ المحسنین
باز چوں بکشاید او از روضۂ جنت دری ‌‌ حور و غلماں باشد ایشاں را باصحابِ الیمین

گر ز دستِ صالح آید یک عمل پاداش آن ... ده نعم بخشد ز بخشش نِعمَ اَجرُ العامِلین

نصرت و خیر است ای مومن ترا روزی از آنک ... ناصرِ خیر است دیگر وَهُوَ خَیرُ النّاصِرِین

مومن از طاعت کند بیشک ولیِ حق شود ... چون خداوندش بحق بخشد وَلِیُّ المُومِنِین

از خدا ترس و مترس از مکر شیطان ای ولی ... خوانده آخر گهی وَاللهُ خَیرُ الماکِرِین

از امانت دار قال الله شود قال الرّسول ... زرق کم کن کاگه است ایزد ز کیدُ الخائِنِین

لَن تَنالُوا البِرَّ حَتّیٰ تُنفِقُوا گر خوانده ... هر چه بدهی بهر او ده لا یُحِبُّ المُسرِفِین

ای بملکِ لایزالت خطبه حَتّیٰ لا یَمُوت ... ما همه میرنده ایم وَاَنتَ خَیرُ الوارِثِین

هر چه خواهی آن کنی گفتن که آرد کان مکن ... هر کجا تقدیر تو گوید که کُنّا فاعِلِین

تختهای پشت شان راهیه از نار الله است ... آنکه آیاتِ ترا دیدند وَعَنها غافِلِین

وانکه او سر رشتهٔ اِنّی اَخافُ الله گرفت ... دادیش نورِ هُدیٰ از سلکِ کانُوا مُهتَدِین

تا بتحریر آورد آزادی همه بنده ... کاتبِ اعمال شان کردی کِراماً کاتِبِین

مُسلمِ رسمیم آلهی تا مسلمانِ عمل ... کز تو ما مسلم مخاطب اِن کُنتُم مُسلِمِین

هیچ نکشاید ز درهای دگر در آنِ تست ... رَبَّنَا افتَح بَینَنا خو وَاَنتَ خَیرُ الفاتِحِین

گر جهانی پر گناهِ ماست عفوت بیش از آنست ... بیش ازین گفتن نمی آرم که کُنّا خاطِئِین

خواه ازین بیچاره طاعت آید و خواهی گنه ... گر عنایت از تو باشد ذٰلِكَ الفَوزُ المُبِین

یک نظر در کارِ این مسکین کن ای ناقد بصیر ... چون کشائی چشمِ رحمت سوی قومِ مُجرِمِین

رهبرم لا تَقنَطُوا مِن رَحمَةِ الله کن که من ... بر سبیلِ مفسدانم کم سَبِیلُ المُفسِدِین

نور دہ چشم مرا از سرمۂ اُنْظُرْ اِلَیْکَ — چوں لقای خویش بنمائی لِقَوْمٍ عَابِدِیْن
یارب از بیچارۂ خسرو را دریں توحید تو — در سخن رفتہ است لغوی اَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْن

لامکاں بگذشت و اینک میرود بالا ہنوز
نور ایں نعت از برای پابوسِ مصطفٰےؐ

(بحر ہزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن بار)

وفا را نیست در آئینۂ عالم نمو داری — کہ از آسیب ہر تردامنی بستست زنگاری
نہ بینم صیقلی صدق تا ز آئینہ نزداید — کہ رخسارِ سلامت را پدید آید نمو داری
ولیکن صورت از آئینہ چوں برتافت بینندہ — نگر صورت کہ ندہد آئینہ از صورت آثاری
دریں عہد از کسی کآئینِ نیکوئی بود صورت — نکو صورت کسی بینیش نہ مردم روی سنگساری
دمِ سگ گیرم و گوشِ وفا را حلقہ سازم — کہ کم در حلقۂ مردم چو سگ دیدم وفاداری
سخن با خویشتن گویم نہ با ہمنا و فاخوئی — کہ در ویرانیِ عالم ز مردم نیست دیاری
نصیحت کردنِ مردم بنا مردم بداں ماند — کہ بر آبِ رواں صورت نگار و صورت انگاری
من از بہر نصیحت جاں دہم بارے کہ بنیوشم — تو ہم بنیوش بد نبود گرت دل میدہد باری
جہاں با غفیت پر حسرت دو ہم سبزہ و ہم گل — گہی ز و باد بر دست آید و گہ گاہ گلناری
چو در باغ آمدی مشنو فریبِ عندلیباں را — کہ گل معشوق بد عہد است و میلش نیست با یاری
نہ بینی غنچہ را با دِ صبا سر میکند ہر دم — بزخمِ سر زنش ز انگہ کہ دل بستست بالخاری

درین بستان چه نیکو تر زر افشان کردنی چون گل
که بلبل داستانی برزند در هر سخن زاری

ولیکن بر فلک بر شد درخت مردمی زاهر
که از سنگ لئیمانش نه برگی ماند نی باری

کریمان در گل و خون شان گل بسته در صحرا
که بر هر سبزه می ریزد بهر لب چند دیناری

زمانه هر که از باغ کرم بیرون دهد بوئی
ز خون آورد لاله ماند بر هر روی کهساری

فسون دوستی امروز در گوش کسی خواند
که بر ماران زرینش نگهبانست مسماری

گره پیوسته زابروی کسی بر آب نگشاید
که اوذه جا گره بر لب نه بندد نیشکرواری

زهی دوران وحشت کاهل دین را در غم دنیا
نه انکاریست در عصیان نه در اسلام اقراری

گروهی همچو در پیچیده در سلک صفا انگه
برون سوگونه صفوت درون سو بسته زناری

دگر قومی ز گوهر کرده دعوی و چو در بینی
دل از سوراخ بیجاده تنگی بسته بسیاری

پدیدار آفتاب هر یک دو ز حرص زر خواهان
که بتراشند رنگ آفتاب از روی دیواری

کسی را کافتاب زر بگرمی تافت بر رویش
اگر بی پوست رو باشد نیاید کرد انکاری

ترازو نیست گردون را ازینسو سنگ ازانسو زر
یکی را سنگ می سنجد یکی را زر بخرواری

اگر سنگت دهد از بهر زر بگذار بی سنگی
که مردی زر و بی سنگ را ننهند مقداری

مرا بین کان ترازو دید چون با گوهر تمکین
زر نادادهٔ بر بست سنگم بو العجب کاری

چو سنگم داشت در سختی چو زر در کورهٔ آتش
بلرزانید چون برگ رزم از باد تیماری

درین موسم که سنگی گشت آب و ماند در لرزه
بر آب خود نماند از لرزه سنگ جان من باری

چو در برج کمان شد خور ز تاب آفتاب غم
مرا بر رخ ز آتش گشت بالای کمان داری

فتاد از سردیِ ایّام در من لرزه وانگه تب ‌ ‌ همی کرد آتشی تیزی زهی سوزنده دلداری

بسانِ شعلهٔ آتش بسی لرزیدم و بر سر ‌ ‌ ز دود آه لرزان تر ندیدم هیچ غمخواری

همانا سنگ و آهن بوده ام کز لرزه چون اعضا ‌ ‌ بهم بر میزدم آتش برون میجست هم باری

مگر دان پرتوِ خورشید میلم تافت بر آتش ‌ ‌ که در می آمدم بی موجبی در چشم اغیاری

بحمد الله که اکنون از شفای غیب شخصم را ‌ ‌ نه از تب هست آسیبی نه از هر لرزه آزاری

زمن آرد برون تب را چو بنیم نعت احمدؐ را ‌ ‌ ببازوی دلم از رشتهٔ جان بسته طوماری

محمدؐ نوشداروی کرم کامد ز شهدِ لب ‌ ‌ شفای هر تنی زاندوه عصیان گشته بیماری

لب آتش فشانش نیست در بندِ جهانسوزی ‌ ‌ شکرزان خانه از نی ساخت در هر نیشکرزاری

چو بگشاید نمک زان لب متاعِ یوسفان هرگز ‌ ‌ بقلبی نیز ننشاند کسی در هیچ بازاری

چنان فرخنده دیداری چو ماه چارده وانگه ‌ ‌ محاسن جمع گشته باچنان فرخنده دیداری

خرد نادیده موی زان محاسن گم شد اندر وی ‌ ‌ چو نابینا که ناگه گم کند ره در شبِ تاری

بشبهای عدم میگشت هستی راه گم کرده ‌ ‌ که او از شمع نوری تا کمان پر کرده انواری

قلم از دودهٔ آن شمع نعتی راست کرد آنگه ‌ ‌ ز روی تختهٔ تقدیرش آسان گشته دشواری

ز بهرِ دائراتِ آسمان و نقطهٔ گیتی ‌ ‌ ازل از لای لولاکش بگفتن داد پرکاری

ندارد بر درش آن قدر هر نه کلّهٔ گردون ‌ ‌ که مسکین عنکبوتی پرده بند بردرِ غاری

چگونه عنکبوتی را برزم اقبال عنقائی ‌ ‌ که بهر یک مگس ده حله می بافد بهر تاری

الا ای بلبلِ ما زاغ و ما زاغی چو تو بلبل ‌ ‌ بدنیا کی نظر دارد چو زاغان سوی مرداری

تو ئی بازِ سفید کُن یدالله طعمه جائے تو | که گیری نه پلنگِ چرخ و نه‌ای هیچ مقداری

تو مرغِ چشمهٔ عینی سر از نه چرخ بر کرده | بمقداری که مرغی میکند از آب منقاری

کمند افگندی از گیسو بکنگرهای عرش آنگه | ببامِ عرش بر رفتی زهی شب گرد عیّاری

کمانِ عرش تا جای کشید اقبالِ تو کانجا | گمان باشد براق و وهم را با گرم رفتاری

شهابِ روز تا شب نادر در تابِ کمانِ تو | ز پشت آهوی خورشید اگر تابندش اوتاری

کمانهائی که از نه چرخ بسیاری بلند آمد | دو گان میکش فلک را با زمی کن سر چو سوفاری

ضمیرت را چه قرب آن براقِ غیب پیمائی | که از حبل المتین آورد جبریلش سر افساری

درونت گنج اسرارِ خداوندست در حضرت | هر اسراری که بود اندر ضمیرت یافت اظهاری

تو از تیغ زبان بشگافتی مو در میانِ سر | ولی نشگافتی هرگز چنان چون موی اسراری

بیا در لیلة المعراج تو جان میدهد هر شب را | بر بینان زنده میدارد شبی هر جا که بیداری

اگر سر نهندش خورشید خاکِ لعنتش بر سر | بلی از خاک نتوان گشت اگر سر برکند ناری

چرا ندهد بلال از بهرِ خالِ حورِ عین عنبر | که دارد مایهٔ نکهت ز خُلق چو تو عطاری

شهنشاها باسم خدمتی در خدمت آورد م | ز کانِ سینه پر لعل شیرین چون تو ایثاری

ازین خرمهره چندانکه از کرم بپذیر خود دانم | که نبود لایق چتر تو هر لولوی شهواری

قبولِ حضرتِ خود کن حروفِ چند بی معنی | درو خود لایقِ نعتِ مبارک نیست گفتاری

قلم را کی دو سر باشد که از نعتت سخن راند | اگر دو دو چراغی خورده در شب کرد تکراری

ولیکن نامه از برات سیاهم کرد تا شوئی | بآبِ عفو گز کوثر برون آرند انباری

زور ۱۲ اشارے

دراں بازارِ پر سودا که خاکی هم نیرزد جاں — جز از تو کیست مشتِ خاک بیجا را خریداری

منِ خاکی که از زادِ عمل خاکست در مشتم — چو طفلاں خاکبازی کردهٔ و ناکرده کرداری

ولی از خوابِ لوث و احتلامِ غفلت آلوده — تنی در کوی فسق از مستی و شهوت گرفتاری

اگر دانند هر کس کز گنهگاری چها کردم — گنه باشد که بخشایند بر چوں من گنهگاری

حجابم چوں نبود از کس که پوشد ایں خباثت را — منِ بی‌شرم ازیں قوت که دارد بنده ستّاری

ولیکن دل بدیں امید خوش خوش بند میباشد — که کوشنده شفیعی دارم و بخشنده غفّاری

بیا رب بسته ام خود را تو دانی هر چه خواهی کن — در آنساعت که بر بندم بسوی آنجهاں باری

بخواه از حضرتت و با خلعتِ ایماں روانم کن — نگاه ور چوں برانگیزم ز داری جانبِ داری

فرو مگذار در هر دو جهاں بیچاره خسرو را — عنایت را بگو کو گویدم نگذارمت باری

پرده برابرِ فلک پوشید ایں شعرِ بلند
آری آری هم بدیده آب دارد هم حیا

(بحر مثمن مجنون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

رسید کوکبهٔ آفتاب در سرطاں — سحاب گشت بروی زمیں ستاره فشاں

شنیده ام سرطاں را بود بچشمه گذر — عجب نگر که گذر یافت چشمه در سرطاں

قمر که نان درستش بس از مهے بینی — چراغخانهٔ او آفتاب شد مهماں

نخست همچو سلیماں بتختِ باد نشست — پس آنگهی چو خضر تافت سوے آبِ عناں

کجا ستاده بود پیش تیرباران را کنون که ابر ز قوس قزح کشید کمان

ز پشت باد برآنگونه گرم کرد رکاب که خانه خانه بیالای آب راجولان

نشست بر جگر باد تیرباران سخت ازانکه قطرهٔ آبست تیر را پیکان

صبا ز آهن محلول آب سوهان ساخت که تیرباران راهم ز آب دان سوهان

چو ابر تند برآمد ز آفتاب بلند که من کجا ہد بجرم تو پیشکارهٔ کان

درین میانه چنان گرم شد اثیر برابر که فرق تا بقدم خوی برآب گشت بسوان

چو مهر مادر گردون شده است پوشیده چرا ز ابر مه از شیر می کند پستان

چو زنگ آئینه از غم بود چه سازد زابر آئینهٔ آفتاب آئینه دان

گهی نماید و گاهی نهان شود خورشید چو دختران حریص از حجاب شادروان

بریخت آب چو پیکان مه همه پرشد اگرچه بر نشود چون نکو بود پیکان

برآب خویشتن آمد زمین خشک مزاج که داشت زحمت خشکی بفصل تابستان

چه آتش است که دارد براق برق امروز که برشده است بمیدان شیر چرخ جهان

چگونه برق نخندد که ژاله سنگ انداز حباب شیشه گری راگشاده کرد دکان

مگر طبیعت خامس شده است آب که ساخت حباب چون فلک شیشه خانهٔ گردان

ز ابر فتنه ازان در جهان فتد کورا برآسمان برود بر زمین زند باران

نسیم حلقه کند هر گوشه ماهی را بروی آب هر آن قطره کافتد از باران

چو مار می برود آب سوی هر سوراخ که دید مار که باغوک باشد افسون خوان

کنون به لب جوی که بگذری دانی — که ربع مسکون خود با محیط شد یکسان
ز باد آب چو لرزان شود بدان ماند — که شاهدان که بمالند دامن چو کتان
صبا بر آب چه بندد گره نمیداند — که آب را بگره بسته داشتن نتوان
گیا ز خاک برآمد چو مردم اندر نقب — چنین بود چو ز گردون ستاره شد رخشان
گه گشاده ببین ابر را تو پنداری — که پاره پاره شدست آسمان کران بکران
نه ابرهاست که از پرّهای پر آب است — ز باد کوه که دیدست در هوا پران
ز کوه سیل خروشان فرود می افتد — که می دوید و سر آمد به سنگهای گران
بکن بکوه تماشا مکن قرار بتهی — که کوه از پی اینست سنگ در دامان
خیال اهل تماشا بچار گوشهٔ حوض — چو آدمی که پدید آید از چهار ارکان
کنون نوای چکاوک نیوش از لب رود — که گاه بازی سرو است و سبزهٔ بستان
حواصل است یکی مرغ کاغذین بر آب — عجب‌تر آنکه ندارد ز زاد آب زیان
بساط خاک چه دیبای آبگون و درد — بسان صورت دیبا نظارگی حیران
بگوشهای چمن سبزه می دهد خبری — که آب هست همه روز در خیال ازان
به تیغ بید از آن دست برد بید انجیر — که بکر دختر گل را بخنده دید چنان
خموش کرده درختان سر از چه جنبانند — رسول باد چه افگند باز در سرشان
همی تواند سوسن سخن کند آری — ز قطره‌اش پر از آبله شده است زبان
عروس شاخ دگر باره از سر برون آورد — بگوش اگرچه بیفتاده بود بار خزان

زهر نهالِ چمن آب می چکد ز تری چنانکه از بر و اندام نوبرانِ جوان

چمن چو طوطی گویی حدیث خواهد کرد چو دید ز آئینهٔ آب عکسِ خود بعیان

میان سبزهٔ تر آب جا بجا شده گرد تمام چون پر طاؤس آئینه بمیان

چنان نهفته شد از طوطیای سبزه زمین که خاک باغ کنون توتیاست گرد جهان

ایا نسیمِ صبا چشم پر غبار مرا ز خاک باغ گه از گاه توتیا برسان

بگو بآب چرا چشمهاست می ریزد چنین که گرد چمن نرخ توتیا ارزان

گل است چون شرها و فرو دریز د ابر درخت سبزه کند توتیای خود ارزان

درخت و سبزه و آبی روان بهر طرفی بسان کوثر و طوبی در روضهٔ رضوان

نشان ز کلهٔ مشکینِ ابر و دجلهٔ خاک بهشت گشته و طاؤس بر کشیده فغان

زهی دراج که او هست از هوای خودش تمام روز پر از شیر و شکّر است دهان

گرفت یاد ترنّم زبانِ باد این شعر ز شرم آب شده به زبان شادستان

خطاب این شجر السحر شد که بر سرِ شاخ بر اوست خوش مزه و بلبلیست خوش الحان

کجا بگوی معانیش می رسد خاطر که دید جوهر آتش بجز شعاع و دخان

ز دیگرانِ سمو الذاتِ من سخن مطلب که از سراب دروغ است دعویِ طوفان

ز طبع نیز نخواهم مدد ز گوهر کس که ماه مهر نجوید ز ژاله سنگ افشان

گرم ز شرم بود هر کجا سخن وز دیست زبان او بسر هم هم بر خشم تیغ زبان

بدیهه های بدیعیم را بسی برهانست اگرچه حاجت نبود بدیهه را برهان

مرا بشعر مباهات نیست اما هست | ز بعد حمد بنعت گزیدهٔ سبحان
محمد ابن ذبیحین و صاحب قوسین | که زیب یافت از و دو کمان و دو قربان
نیامدست چنان فرخ اختری بشمار | حساب احسن تقویم را بهیچ قران
از و چو مژدهٔ لا تقنطوا رسد با جم | ز فیض رحمت رحمن کرا رسد حرمان
کسی که سنگ روان کرد سوی گوهر او | هر آئینه گهری وا دهش از ین دندان
مکونات همه روزهٔ عدم می داشت | بدان امید که قدرت نهد ز هستی خوان
معلم اوست باوراق علّم الاسماء | خلیفه آدم و ما طفلی از دبیرستان
زهی همای همایون کوهسار صفا | که بود تا بهوای هویتش طیران
بدید مقصد خود را گمان است آنکه ندید | گمان نبود مسافت ولی نبود گمان
ایا مخالف ایمان مگو که زبدهٔ خاک | چگونه بود که بر لامکان گرفت مکان
تو آدمی و اگر سنگی افگنی بهوا | بقدر قوت تو در هوا بماند آن
خدای عز و جل با کمال قدرت خویش | اگر بچرخ برد خاک را شگفت مدان
ز پرتو رخ او نور مه یکی بد و شد | کدام کس به از و کرد ماه را تابان
مگو که نیست روان حرف التیام بچرخ | کز اشتقاق قمر بود این سخن بطلان
دگر دلیل نگوئی ز فکر باطل خویش | که سیمیای فسون دیده را نمود چنان
تو مردی و بتوانی که خانهٔ از سنگ | بسازی و شکنی باز سازیش آسان
کسی که چرخ بسازد شکست نتواند | زهی جماعت کامل نمای بانقصان

ترا که عقل نه این است از نیش میگوئی   که روزگار قدیم است و نیستش پایان
اگر قدیم بُدی دهر و آدمی چو نبات   تفاوتی نبدی از نبات تا حیوان
خدای خالقِ عقل از کمالِ قدرتِ خویش   خبر همی دهدت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان
که عالم است تو با او براستی بازآی   که راست گفت تو با او صحیفه برخوان
وگر نبی ز نبی بد تو همچو آن بشری   رسول چند گهش یاد آر دای نادان
درست قول خدا یست و قول پیغمبر   چه جای قانعه کفر و حکمتِ یونان
ایا شهی که اَطِیعُوا الرَّسُول خطبهٔ تست   مطیع طاعتِ تو هر که هست انسی و جان
ترا است چتر سیه بر سرت شبِ معراج   که بر سر بیه رسول من اللهی سلطان
همین سلاله تویی از سلاله من طین   ببین گهر که تویی کان کائنا من کان
بشر بمثل تو گر دو نه گرد داین ممکن   ملک مکان تو دارد نه دارد این امکان
نخست ذات تو آنگاه سیر هفت فلک   نخست آب و پس آنگاه آب را جریان
قدر بروی زمین چون تو گوهرے می جست   وگرنه بحر چه می بیخت خاک را چندان
کشید بر گلِ آدم تو کار فرمودی   چو کرد روز ازل قصر مردمی بنیان
ز بهر آنکه بود سقف دینِ تو بر پای   نهاد پنج ستونِ نماز در ارکان
گر از بهر آدمی بیت دین شود معمور   کجا ز آب و گلی خانه گردد آبادان
بریز خونش به تیغ انا نبی السیف   کشد ز بهر هلاکش طعانه طغیان
حکایتی که هم از پیش پادشاه بود   رسول چند گهش راست آر دای نادان

تو ختم رسلی و بحضرتت نرسد   کسی که خاتم هیبت لیش گشت ملک کشان
زآب رای تو دین را گلی شگفت چنان   ندید آنکه ز آتش ندید لاله ستان
بدان نمک که چشید از لب تو سیر آمد   جهان ز نعمتِ دیدار یوسفِ کنعان
کشید پیش تو دست اندر آستینِ ادب   اگرچه دستگهی داشت موسیِ عمران
مسیح خوانچه کشی پیش نیست بر خوانت   شکسته از تو شود خوانچه فلک را خوان
خطابِ تست ز دیوان رحمت ارسلناک   کسی که سر ننهد بر خطت زهی خذلان
حقیقتِ تو نمی گنجد اندرون جسد   چنانکه در خط و دفتر معانی قرآن
بحرف و صوت چه دریابد از کتاب تو کس   چگونه حل شود اسرار نامه از عنوان
گهرشناس عنایت کشیده در یک سلک   لآلی سخنت با جواهرِ قرآن
نه شاعری که دروغی بلغو راست کنی   نه کاهنی که از انجم کنی رموز بیان
رسولِ پاک خدائی و پاک تر زانی   که من صفت کنمت یا ببذل یا ز احسان
قلم چه نعت تو گوید خود اینچنین راهی   چه حد رفتن طفلانِ نی سوارِ بنان
تو ابر لطفی و امت زراعتِ بی بر   تو آفتابی و یاران کواکبِ رخشان
یکی یگانه ابوبکر ثانیِ اثنین   که آهوانه شود او براق صدق نشان
دوم عمر که زهی سر نفاذ فرمانش   بر آبِ نیل رود بهر کوری شیطان
سوم چراغ دو شمع آفتاب ذوالنورین   بر آسمان کرم ابر با حیا عثمان
چهارمین علی آن شهسوارِ دین که ببرد   حسام سرفگنش گوی نصرت از میدان

دگر حسین و حسن نور دیدهٔ زهرا — که واجبست براحسان هر دو استحسان

حد هلال و بلالت کجا شناسد کس — کنند وصف شب قدر و ماه نو بمیاں

صحابه هر همه خاصند خاصه معشر عشر — همه بشیر رحمت شده بسیر جناں

ز بعد طاعت حق باد ثابتم در قلب — اطاعت تو رسول و محبتِ ایشاں

زهی ز نور تو اندر شب عدم تقدیر — نوشته ام رب اندر صحیفهٔ ابداں

کنم بنام تو جاں را بهر ارجا قسمت — اگرچه نامهٔ تو نیست هیچ جا ساماں

چه غم ز دیو چو ایمان بنده الیست زغیب — نهاده در دل و دل در اصابع الرحماں

زبان آتش دعوی کجا رسد برما — که پیش قاضی حاجت بریم چوں تواماں

برد ز دست تو امی سجل اَطِیعُوا لنار — که بنده را دهد از مالک عذاب اماں

دروغ سنج گرانم توام رهانی و بس — دروغ من چو سنجند جمله در میزاں

کریم طبع شفیعا امید می دارم — که از دهندهٔ ایماں بخواهی ایں احساں

که چوں بجانب عقبی سفر کند خسرو — قیامتش دهد توشه نعمتِ یزداں

هست ایں معراجِ شاہنشاهِ سلطانِ رسل
آنکه باشد خاکبوس آستانش انبیا

(بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

نسیم بهاری خوش آمد هوا را — که برگی دهد بلبلِ بے نوا را

کشید از میان بید شمشیرِ لرزان — کنون دست بنما چه پائی حنارا

بهشت است باغ اندرو سرو طوبی — که همسایهٔ سدرة المنتهی را

بهاری برآمد گل و می بنوشد — کیانِ بهاری ز بهرِ بهارا

فلک خضر و ظلمت ابری بهر دم — دهد آبِ حیوان گلِ کم بقارا

هوا گرم شد باد سرد اندر آمد — گل لعل بکشاد بندِ قبارا

گل زرد در خنده شد همچو ده مه — یکی زرد ده مه به بینی عفارا

گلِ غوزه را خنده آید که ناگه — کند غنچه در غوزه یاد صبارا

چو آتش که از چوب و از سنگ خیزد — گل و لاله می خیزد از خار و خارا

چو از لاله شد کوه پر آتش تر — صبا گفت من جانب الطور نارا

اگر سبزه خط بر زمین می نویسد — خطا می کند باز گویم خطارا

صبا دامنِ آب را می بمالد — چو دست خطائی و حربه خطارا

ازان آب و سبزه کند چشم روشن — که این نور یابد آن توتیارا

شود در زمان روشن از آب و سبزه — بود قابل ار چشم نرگس ضیارا

چراگاهِ آهو شود چشمِ نرگس — کشاید چو در باغ چشمِ چرارا

در آئینۂ آب عکسِ بنفشه — چو زلفِ سیه بر عذارِ عذارا

چو پرداخته گشت فصلِ بهاری — زبان است گره بست سوسن ادارا

کند زاغ را از سخن تیره لیکن — چو شهری پسر مقری روستارا

بآوازِ خوش فاختہ قمری امّا — سحرگہ چو توحید خواند خدا را

صبا بوی گل در دماغش رساند — درود آور در روضۂ مصطفا را

اولوالعزم راہِ ہدایت محمدؐ — کا ولوالامرِ مطلق شد اہلِ ہدا را

فرستادہ کز درِ رحمت آمد — در آمد دلش صفّۂ اصطفا را

چو حبل المتین یافت بگذشت در دم — بدیں چار زندانِ نیلی قبا را

دو عالم یکی گشت در نور پایش — چو یکدم سہ چرخِ برین زد انا را

بچرخِ دوتا چوں یکا یک برآمد — محمدؐ سہ تا دید چرخِ دوتا را

ہمیں بود معراجِ موسیِ عمراں — کہ بر تیغ کہ زد بہ تیزی عصا را

بدیں شاہ ہیں حاجبانِ دو چشمش — گرفتند در قابِ قوسین جا را

بر آتش شد آں زاغ چشمی کہ چشمش — ہمی گفت مازاغ ہر دو سرا را

چو بر آسماں تافت خورشید چشمش — دو شد ہر چہ یکماہ بد ہد سما را

حقش کرد برراہ تا پردہ آرد — ز باطل زمینِ یہود و نصارا

ہمہ سرکشاں را بہ تیغِ شریعت — نہاں کرد سر در زمیں آشکارا

مدینہ سرافراز شد بر مداین — چو خسروِ غلام آمد ایں بادشا را

زہی خواجہ کز بندگانِ گزیدہ — تو خاص آمدی حضرتِ کبریا را

تو در دار ملکِ رسل ملک داری — کہ جم دار ملکت دہد ملکِ دارا

تو سلطان ثانی و سلطان ثباتی — کہ سلطاں نشانند ملکِ دلارا

خطابت بود خطبهٔ این ولایت　　که یزدان کرامت کند اولیا را
نهادند پا بر هوا اولیایت　　چو تو زیر پا آوریدی هوا را
تویی اوّلی آخرت یافت امّت　　چو بر روی دنیا زدی پشت پا را
گر آخر رسی ای رسیده ز اوّل　　تو آخر شهِ اوّلی اولیا را
اگر پس رسی جمله را پیشوائی　　ز پس رفتنت محرمِ پیشوا را
وجود تو بحریست کان ز آخر آمد　　در درجای غوطه بود نه عطا را
تویی سایه وز آفتابِ قیامت　　جهان راست در سایهٔ تو مدارا
حدیثِ دقیق است لولاک بر تو　　کزان سیر کشیب بود آسیا را
چه خواندست هر کاف قرآن ثنایست　　تو حامیم قرآن مر آن کافها را
بر آمد همه کارها از دعایت　　بر آوردی از خود چو تو این دعا را
درِ تو که دال است بر رائے رحمت　　بران حلقه میم است مر مرحبا را
چو پایت نهد پاشنا بیرون از در　　فلک بوسد آن پا و آن پاشنا را
فلک بوریا بود نزدیک فرشت　　چو تو فرش خود ساختی بوریا را
عیارا توان گفت جز اختیارا　　چو تو اختیاری شمردی عیارا
بکعبه که او خانهٔ حرمت آمد　　که کعبه شمارم جنابِ شما را
همی گویم از چار رکنش چو هستم　　کبوتر مر آن کعبهٔ ارتضا را
ثنا اوّل از ثانی اثنین گیرم　　که آئینه بودست صدق و صفا را

بیکدم از نو زنده شد مورِ مرده | چو با مارِ خوش کرد غارِ وفا را

دویم آں یگانہ کہ موی ز عدلش | بہم بست بازوی جور و جفا را

خداوندِ نورین شد شمع سوم | کہ کرد از قلم لوح قرآں گوا را

حیا آمدی ابر را چوں بدیدی | کفت داد آں ابر فرخ حیا را

چو احرام گیرم بر رکنِ چہارم | سزد از قضا حیدرِ مرتضا را

چو گرزِ عصف آتش بخشاں شد از خوں | فلک مرورا گفت بنگر صفا را

بخلقِ حسن بیں کہ داد آنکہ زہرش | جزا کوثرش داد روزِ جزا را

حسین آنکہ خود تشنہ بنیی نم احساں | دہد شربت از خونِ خود کربلا را

چگونہ کنم مدح دیگر صحابہ | کہ یاراں سحابند مرغِ سخا را

درو دست رضی اللہ عنہم رضوا عنہ | چو کشت ست ہر یک ریاضِ رضا را

ایا خسروی کز گہرہای نعتت | بحرمت چو بیت الحرام ست ما را

علا کرد چرخم کفت چونکہ شعرم | علی می دہد نکتہ بو العلا را

کسے کو بخواند ازیں نعت بیتے | نخواند بجز بو العلا ام علا را

دہی سی و دو سال شد در ثنایت | نہ گفتہ ہست زاں ہیکے ایں ثنا را

نجات از درت جویم و جای نیست | ازیں رو کہ جا نیست دیگر نجا را

چو سلطانی آمد گدای درِ تو | تو سلطانی از در مراں ایں گدا را

اگرچہ سفالیست از خاکِ دہلی | برو کار ریحانِ لطف و رضا را

چو ایمان ز خوف و رجا نیست بیرون — درونِ قلم دار خوف و رجا را

هر دری زیں مہرۂ پیشانیِ صاحبدلیست
گر ملک تسبیح ازیں سازند ہم باشد روا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

مباش خفتہ چو طفلاں بگاہوارۂ تن — کہ آفتابِ قیامت درآمد از روزن
ازیں نشیمن اگر مرغ زیرکی بر پر — کہ آشیان غرورست و دام گاہِ محن
زمانہ خانۂ دیوست اگر اماں طلبی — قدم بروں نہ ازیں دیولاخ اہرامن
مدار دست ز فتراک صاحب اقبالی — کہ چیرہ دست بود بر عنانۂ توسن
روندہ از نظرِ رہنما رسد بمقام — نہ از سجادہ و زنبیل و خرقۂ و سوزن
چو روشن آب ترا آفتاب خانۂ بود — ہزار سنگ تواں لعل کرد از روزن
چو روشنست ترا آفتاب پر شکنت — بخندہ خونِ جگر لعل می کند یمن
دلی کہ نور خدا اندرو مقام گرفت — ق خیال را نتواں داد اندرو مسکن
چو آئینہ کہ مقابل بآفتاب کنی — درو چگونہ کسی صورتے تواں دیدن
بلوثِ زرق میالای دامنِ طاعت — کہ زہرِ ناب شود از لعابِ مار لبن
تو آں مبیں کہ ترا خرقۂ بود چوں صوف — کہ خلقِ صاحبِ کشف ست زیر پیراہن
بگوش تا کنی آں باد از سر بیروں — کہ ناگہاں ببرندت سر تو با گردن

سر افگند بکمیں ابر اگر تو داخوانی　　بیفگنند سرت را کله ز سر مفگن

گلِ بقا طلبی خاکِ پای مرداں باش　　که گل نتیجهٔ خار است در درونِ چمن

رسی بهمّتِ عالی زاوجِ همّت خویش　　که بود قطرهٔ آب آنکه گشت درِّ عدن

بدستِ جهد دلِ آهنینِ خود بزدا　　که قابلیّتِ آئینه هست در آهن

نه از مشیمه بزاد ست آدمی دانا　　نه لعل سفته برون آمده است از معدن

ترا ز نور خرد آبگینهٔ خاطر　　چو شیشه ایست در آبِ حیات پیوستن

اگر نه بر سرِ آنی که آب خود ریزی　　بسنگلاخِ امل شیشهٔ خرد مشکن

نشانِ مردمی از مردمانِ این ایّام　　طمع مدار و ز اندیشه دور کن این ظن

ز غایت خنکی جمله پوستین پوشند　　درین زمانهٔ گرگ این سگانِ روبه فن

سخن درست میفگن برون که در معنی　　به از مقالتِ بلبل خموشیِ سوسن

بهرزه لب چه کشائی یکی به پسته ببین　　که خشک لب چه به است و کشاده است دهن

اگر نه چرب زبانی زبان دراز مکن　　که دیر زنده نماند چراغ بی روغن

ترا چو عاقبة الامر جای در خاکست　　چه سود ثروتِ قارون و قوتِ قارن

بکمانِ رستم دیدی که هیچ کار نکرد　　ز ابر تیره چو پوشیده شد مهِ بهمن

چو دهر آبی بی کوششی نخواهد داد　　چنیں ز بهر چه می کوبی آب در هاون

چو کشت زار فلک دانه نخواهد پخت　　بسوز ز آتش خورشید ماه را خرمن

ز کیش تیر برون کش دو شاخه چو زا　　بزن بدیدهٔ خورشید و هیچ چشم مزن

کجا فتاد سخن از کجا در افتادم | درین حدیث زبان درکشم چه جای سخن

ز قید نفس برون آیم و رها نکنم | کاسیر دیو بماند فرشته در گلخن

طهارتی کنم از آب چشمهٔ تجرید | برون نهم قدم دل ز آبخانهٔ تن

ز دیده خاک شوم پیش آستانهٔ او | مگر بچشم عنایت نظر کند بر من

چراغ ملت و دین مبین نظام الدین | که دین و ملت مبین شد بنام او روشن

بزنده داشتن شب دل منور اوست | چراغ پایه نه طشت آفتاب لگن

بسینه سوز دل و آب چشم او آن کرد | که گرد آتش بر عود و آب بر چندن

وجود او شده مشکوة عشق را گوهر | ضمیر او شده اسرار غیب را مخزن

دران زمان که بخلوت انیس قرب شود | گر است زهره که تا گردوش به پیرامن

اگرچه دریا در راه پیش او آید | قدم برو نهد و تر نگردد ش دامن

وقار او ز کمال شکوه آن سنگیست | که تیغ روشن ناهید را شده است فسن

برای آنکه به بند دد و دست شیطان را | کشید رشتهٔ زنار را ز گلوی شمن

ابا ز گوهر تسبیح در کف خاتم | ابا ز جوهر تیز بهر بر سرت گرزن

زمین اگرچه ز اوتاد کوه شد قایم | یکی توئی ز اوتاد الارض در زمین و زمن

بگاه فکر بفرقت همای سایه فگند | همای قدس که بر شاخ سدره ساخت وطن

بدست تست چو حبل المتین عجب نبود | اگر بکنگرهٔ عرش بر شوی برسن

ز بهر پرورش طفل روح را از لفظ | زبان چو شکر شکرت دهد نبات حسن

زکانِ خود گہری بخش باغِ عالم را | کہ بلبلان ہمہ لالند و طوطیان الکن
حضورِ خدمتِ تو یافتن بملکِ جہان | بود خریدنِ گوہر بدانہ ارزن
نسیمِ زلفِ تو تا در دماغِ عالم رفت | نگشت بیش بگرد دماغ مشکِ ختن
کفِ چو ابرِ تو بیرون کشد اگر خواہد | بباغ جامہ پیوند از گلوی سمن
ببخش ما را بارانِ رحمتی بدعا | چو باز ماند از آبِ حیات جوی بدن
ہزار ناوکِ تقدیر رد تواند کرد | کسی کہ حرزِ دعای تو باشدش جوشن
مرا رسد کہ بجای رسم چو بنشانم | رکاب قدر تو منت خدای را ذوالمنن
بزرگوارا از بندہ خسرو این ابیات | قبول کن ز کرم گرچہ نیست مستحسن
اگرچہ بلبلِ نطقم بہ گلشنِ عالم | ز شاخِ دولتِ تو می پرم درین گلشن
بصیدگاہِ عنایت مکن فراموشم | کہ نیم خوردۂ شاہین خورند زاغ و زغن
دراز شد سخن و جرات از قیاس گذشت | بذیل عفو شدہ آنچہ رفت لجن[1] لجن
کنون دعای تر اور د حال خود سازم | کہ ہست حرزِ دعای تو سینہ ام مامن
دلت کہ زمزمِ قدس است باد تا یابد | غریقِ چشمۂ مقصود در نہان و علن

روضۂ قدس است این جنت کہ گرد روی شوی
بینی اندر کنجِ ہر بیتی نہان ہر دو سرا

(بحر مجتث مثمن مخبون مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

خوش شدند راہ روانِ ولایتِ اسرار | کہ در نشیمنِ عزلت گرفتہ اند قرار

لہ بروزن لجن، ہر چیز کہ بگل آغشتہ شدہ باشد۔ نیز گلِ سیاہ در تہ حوض و جوی آب وغیرہ۔ برہان ۱۲

نشستگان جهان گرد چون مسافر آب | روندگان زمین مانده آسیا کردار

بچشم همتِ شان چرخ کمترین نقطه است | که شکل دائره بینی ز گردشِ دوّار

سماع جان شنوند و زبس بر آتشِ دل | هزار گونه معلّق زنند بر دیوار

عنان کشاده بصحرای قدس می پویند | علم ز آتش دل کرده ز آب دیده سوار

درند صف هوا و هوا شود غالب | بسوی بارگهِ کبریا کنند قرار

گهی خورند ز شمشیرِ لن ترانی زخم | گهی دهند بر اورنگ ربِّ هب لی بار

تن خمیده چو چوگان و گویِ سر در پیش | جهانِ نوبتی و طبع زیر ران رهوار

بباز گوی سرای مرد راه از سرِ حال | اگر ترا سر بازیست اندرین مضمار

چه پاکباز شدی بر شکستگی دل نه | که سنگ خسته به اندر سرِ حریف قمار

سفر بعالمِ مقصود میکنی هیهات | براه غیب بمردان غیب پا نفشار

دلی چگونه رود هر کس اندرین راهی | که گشت سوزنِ عیسیٰ بپای عیسیٰ خار

نیاز مند ثنا نیست آستانهٔ فقر | حریم کعبه چه محتاج خدمتِ زوّار

خود این طریق محیطی است کاندرو بینی | نهنگ طوفان آشام و حوتِ یونس خوار

ز نیک و بد نتوان یافت ساحلش خالی | که هم صدف بود و هم گهر بدریا بار

یکی بمانده دهان بسته بر مثالِ صدف | تن استخوان شده دل پُر ز لولوی شهوار

دگر بسلک سلوک اندر آمده چو گهر | برون لباس صفا کرده و درون زنّار

مپوش کسوتِ دین بهرِ زردیِ دینار | مکن بگردنِ خود رشته در میان دو دار

ترا چو علم نباشد مکن عمامه دراز — که جای خنده بود طیلسان به پشت حمار

دراز عمامه بزرگی طلب کنی نه ز علم — هزار بار کلاه بهتر است از دستار

چو کوسِ زرق زنی ارغنونِ زهد مساز — ازآں که طبل نشاند نشید موسیقار

کجا بزرق شود خانهٔ عمل عالی — کجا بچوب شود خیمهٔ فلک تیّار

بدستِ حرص و هوس رُوح را اسیر مکن — که پیش دیو نشاید فرشته در پیکار

خرد که تاج سرِ تست بهر ملکِ اید — تو نعل توسنِ شیطانش می کنی هشدار

بیفتد آدمی ار پایمال گشت خرد — سر آید اشتر اگر زیر پائے کرد مهار

همانست عقل که خود را شناسی و خود را — تو عقل نام کنی گرد کردنِ دینار

میانِ آن دو فریق از زمین هی پرسی — همین ست عقل که این عاقل ست و آں طرار

درم ز مرد شود قلب مردمی بینم — که هر نقش درم قلب می شود هر بار

بشر مباد که گردد بدستِ حرص اسیر — مگس مباد که ماند میان شهد بشار

ز دست پرِ مگس جاش بر درونهٔ شیر — مکن که گاه ترا جع ندامت آرد بار

نه رفت صاحب آمال در رهِ اعمال — نه گشت مالکِ دینار مالکِ دینار

زر ار چه صد پے حلش کنی حرام بود — سگ ار چه ده جا بسمل کنی بود مردار

قراضهٔ که ترا داده اند ساخته — ز مهر آں دل چوں سنگ خویش امیار

ترا معائنه گردد که سنگ بود آں زر — چو سنگِ گور پدید آرد از زرِ تو عیار

دراز کلاه زر و چهرهٔ نگین نانسے — عروس وار بجای کله بپوش خمار

کسی که مرد بود خود لباسِ زن نکند — کله بجای یلا در کمین بلائے سوار

کتابِ عُجب چه خوانی بخوان ازین که پدید — معلّم ملکوت از عماد اشکبار

تواضع است ز آدم خلقتهٗ من طین — تکبر است ز شیطاں خلقتنی من نار

اگر ز خاکی چوں خاک سر برُوئے زمیں — فرود آر وگر ز آتشی فرود میار

مپرز بادِ تکبّر که تودهٔ خاکی — ازاں که حاصلِ او هیچ نیست جز که غبار

تن ار ز کبر بخواهد بر آسمان برود — بر آسماں برود بر زمیں فرود گذار

چه فائده است که خاکی که از هوا فگنی — که باز گردد و بر ریش سر شود انبار

سکوت از حرکت بهتر است در مردم — مکانِ ثابته بالاتر است از سیّار

نخواندهٔ که چو ساکن طلب کند حرکت — بکبرِ خویش رضا بایدش نه اشکبار

خزینهٔ زر و یاقوت یافت از خورشید — چه کوه راه همه تن سنگ شد برای وقار

دو گوهرِ تو که با چار گوهر ند بسلک — بر آستانهٔ تجرید کش برائے نثار

بهشت نقطهٔ جسمی خطِ عدم در کش — ز هشت نقطهٔ تحقیق چشم بآل بر آر

خر از چه حبس کنی در سیاه خانهٔ تن — که گلخنش ز درون است و ز بروں گلزار

چو مرد پاک شد از خویشتن کند تجرید — چو نافه مشک شد از خونِ خود شود بیزار

چو خانه فلکت هست ترک ارکاں گیر — که در بهشت نه زیبد ز آب و گِل دیوار

چو تیغ چند تواں خفت درمیانِ نیام — صفِ هوا است به پیش تو ضربتی بگذار

کسی که خواهد بالائے آسمان برود — هر آئینه که قدم بر هوا نهد ناچار

ز خاک بگذر و بر آفتاب خیمه بزن — که ابر را ز زمین برکشیده اند بخار

سه پایه شرع و طریق است بعد ازاں تحقیق — که ساخته است قدر نردبان هفت حصار

دراں سه پایه دو حرف اند دو لا بباید اند — برو اگر نتواں سر بباز و پای بیار

فرو شگاف بمقراضِ لا حجابِ وجود — پس از حجاب به بیں سترِ حضرتِ ستار

سرِ وجود قلم کن بزخمِ تیغِ نیاز — خطی بکش پس ازاں بر صحیفهٔ پندار

قلم چو بر سرِ او مو بود نیاید خط — قلم شده است چو سر نفس مو نگاه بدار

دگر بزیر کله سرِّ صوفیاں داری — بصوفیان کله صوفیانه را بگذار

صفا مجوی بصورت ازاں که نتواں یافت — ز خلق رسم طریق و به پشم خلق شعار

گلیم سرِّ تو هر گه که گشت موی سرت — شنو ندارد مزّل ز عالمِ اسرار

چو بر نشانه رسیدی ندا ز نطق بند — که زخمِ تیر ز پیکاں بود نه از سوفار

بکشف رمز نیابد هر مرید راهِ مراد — بنقد راز نشاید مشیرِ شاه مُشار

ترا ز بیضهٔ همت نشاید الّا کشف — اگر کشی بگریبان سرت کشف[لے] کردار

چو گردِ خویش برآئی سپهر زردهٔ تُست — چناں که دایره زاید ز گردشِ پرکار

بفکر باز نتواں کرد غیب را پرده — بوهم باز نتواں یافت چرخ را اقطار

چو مایهٔ ملکی بایدت بفعلے کوش — که آں ز صحبتِ ایشاں نبخشد استظهار

نبات قابل انساں شدن نقابل نیست — ولیک در تنِ انسانش باید استقرار

من و تو ایم شده هم ولی و هم اوتاد — گل است و آب که هم گل شُدست هم انهار

لے سنگ پشت یعنی کچھوہ ۱۲

بعز عزلتِ خود در رسیدهٔ خود را / مکن ز حضرتِ عزت بذُل ذلت را خوار

بعزلتی که بود چشم بر سرِ دولت / نه عزتش که خود عین ذلتش انگار

یگانه بره دین نه بکم از انگشت / که سجده از تو بکویش یکے بود بشمار

مکن نماز ملوّث که خود روا نبود / تو در نماز و درونت پُر از ضیاع و عقار

خیال در دل و در دست مهرهٔ تسبیح / خدای بر لب و در دست لعبتِ فرخار

اگر بصومعهٔ بت گر شوی تو بی حاکم / وگر نه خربزه حنظل خوری ترا ست خیار

کنی بگاه نیت از دو دست نفیِ دو کون / نهاده از پئے گنج اندر آستین مسمار

اِل بسینه بود قرب کی شود حاصل / صنم بخانه بود نار کی شود گلنار

بسجده گوئی سبحان ربی الاعلیٰ / پس آستان سگی بوسی و نداری عار

برِ تو بیت حرام است از پسِ حرمت / که آسمانِ فلک بود در سپه سالار

هو الله است ترا چو سعی اللهت آخر / چه حالتست که خسرو خداست ای غدّار

تا خود خطا کنی و التفات هم نکنی / که از خدا و دو برید ند در زمین و بیار

ترا اصلاح نماید گنه برخصت دیو / ترا حلال بود می بگفتوی خمّار

اگر نظر بغلط سوی مُصلے نکنی / گهش مزور خوانی و گه خدا آزار

بر اهل فسق مرئی[1] جوئی این بدان ماند / که پا دراز کند با کلنگ تو تیمار

چو از دیانت و دین در تو نیست جز رسمی / چو نام مستی در مستگی[2] و در مستار[3]

ملک چو نقش کند ماجرای این غماز / فلک چه گوی زند در زمینِ ناهموار

---

[1] ریا ۱۲ [2] و [3] نام گیا ہے ۱۲

زخنده رسم بشر ضحک و نطق داری لب — که خندهٔ زنی و هرزه گفتی در کار
چو نیست مردمی در تو نیستی مردم — بشر نشد کسی از خنده طوطی از گفتار
شقی سعودِ ابد را چسان شود قابل — گهی درود گری را کجا کند سنجار
سعادتی که در آمد نحوستی که رسد — نه خیر بیند نی شر نه بنده نی احرار
ببین ببین سعادت که از سرِ عادت — چگونه خنده زند بر نحوستی اختیار
اگر متاعِ سعادت بهر دکان بودی — هر آئینه که پُر از مشتری شدی بازار
ترا دهند قبای که بر تو دوخته اند — بعاریت نرسد طیلسان زاغ بسار
درین محیط قدم راست کن که همچون چرخ — ز راستی که در آرد دو قرب خدمتگار
بقوس کج نگر و جیب خالیش در پیش — اسیر سهم و سراپای بسته با تاتار
چو قلب تو ز درستی و راستی معنی است — اگر بفعل گرائی همان کنی اظهار
اگر درون سیهی از برون سفید مباش — که بد بود حبشی را سفیده در دیدار
بشوی تختهٔ باطن بهفت آب صفا — که آهن آئینه گردد چو دور شد زنگار
یقین بدان که هم از خون خویش گیرد رنگ — کسی که باشد و ندانش در شکم چو انار
حذر ز صحبتِ آلودهٔ سیاه دلاں — ازاں که رنگ حنا را سیه کند اشجار[1]
یگانه باش چو سلطان صبح تا گردد — سپهر گرد سرت بالعشی والابکار
چو بایدت که به بینی قبات عزّت را — طواف کن همه شب گردِ گنبدِ دوّار
هزار مرده شود زنده هر دم از دم صبح — چو جاں زنی از بهر زنده داری اسحار

---

[1] زاج سیاه یعنی سنجی ۱۲

چرا به نیمه بدل میکنی تمامت عمر | که مردهٔ بلیالی و زندهٔ بنهار
کدام فائده زاں به که مردمِ دانا | تمام عمر بیاید اگر بود بیدار
چو دستِ مرگ بعنف از تو جاں بخواهد برد | تو تن بر آزرِ خود را بدست خود مسپار
مخسپ اگرچه بهر تار موشبی داری | که هم سپیده دمد بامداد از شبِ تار
بتا بدستِ تو وام است حجتش آں خط | که در زبانِ بلاغت بنشتهٔ بعذار
هر آئینه که چناں دام خویش نستاند | زما جزائے موجه چرا کنی انکار
وگرچه کهنه شود خط سیاهیش برد | درست تر شود ایں دعوی اندریں انکار
دو گوش تو دو گواهند اندر آخر خط | شنوده صفوتِ آں حال را بسه و چار
به پیش چشم تو دارند آں سیاه و سپید | که در معائنه حاجت نباشد استخبار
چو رو بجانب زنداں کنی بحکم قضا | نخست وام کنی بعد ازاں کنی اقرار
حساب تست رواں بر جریدهٔ شب و روز | چناں سپید و سیاهی که می کند هموار
دو عارضت بخطِ خویش نسخه میگویند | ازاں سپید و سیاهی که می شود بیکار
چو سر بگوش تو در کرد موبهائے سُبل | حدیث شاں سرِ موئی بگوش کُن زنهار
اگر زمانه ترا رشتهٔ دراز دهد | مپیچ رشتهٔ خود در گلوی خود چوں تار
چو بایدت که بحرفِ تو کم نهند انگشت | همیشه بر سرِ خود باش چوں جرِ جرّار
بهر چه بانگ زنی باز بشنوی از چرخ | جواب باز دهد گنبد از سر ناچار
کبوتری نکشی گر ترا شود روشن | که چرخ و طبع چه زحمت کشیده اند بکار

بروی چو کج از تیشہای سخت زنند | ز رنج ناحیہ آگاہ گردد از نجّار

چو انگشت در انگشت درزبان مقراض | ز رنج گردن چو لہ پے گسستن تار

گرت سپید بود جامہ خلق را داری | چہ جامۂ کہ بود زیرہ کوشش قصّار

چو عقل داری و ابلہ شوی چہ گوید کس | کہ نحس باشند کیوان و مشتری بجوار

بریز اشک ندامت کہ نامہای سیاہ | بآب دیدہ توان شست دست استغفار

تن از مجاہدہ کوب و ترکن از گریہ | کہ از گلاب معطّر کنند عود قمار

بسوز آتش تہذیب آبدان وجود | کہ آب علوی گردد چو یافت قوّت جار

بسلسبیل تنعّم مشوی روے مراد | کہ آفتاب قیامت سیہ کند رخسار

اہل چو بہ زندت رنج خواہ بی راحت | کہ سرکہ بہ ز عسل از برائے دفع خمار

مرید صورت مقصود بیند از پے رنج | مسیح دولت معراج یابد از سر دار

چراغ سینۂ مردست دود آتش درد | چناں کہ ظلمت شب نور دیدۂ عیّار

بمیرد آتش دل زندہ گردد از دم شوق | برآور ایں دم روح اللّٰہی شو از انصار

من از فسردہ دلاں سوز عشق چیں گویم | زہی محال کہ آتش بروں جہد ز چنار

ز بہر دوست کشد طعنہ مردم زیرک | ز بہر پوست شود کشتہ روبہ مکّار

وفا برفت و از و نقش ماند بر کاغذ | بروی آں ہمہ از علتش نگشتی تار

ز سنگ دلاں مطلب کاہ جو چو شیر دلی | نیافتہ است کس از گریہ نافہ تاتار

محال کون کہ من خواہم از خسیس خساں | خیال محض کہ خواہی تو از لئیم انار

مشعبدی کند ابله زهی اولوالالباب
رفوگری کند اکمه خهی اولوالابصار

کز ہی زسفلہ و ورنگی زدون کجا یابند
کمان بچاچ غریب است و توز در بلغار[1]

کریم گشت کسی کش اگر تو زهر دهی
دهد مقابل آنت شراب نوشگوار

درخت بارور آخر ندیده کورا
تو سنگ می زنی او بر تو می فشاند بار

مکن مکن کرم ار باشدت عسیر و ثمین
مده مگر نعم ار بایدت یمین و یسار

نهفته خوان ورق جود تا بیابی نام
که اسم گردد حرف تهجی از اضمار

نه جواد چو بهر ثنا کنی احسان
نه مثاب چو بهر ریا دهی ادرار

خود انقطاع کرم از کریم ممکن نیست
چو انفکاک ضو از آفتاب با انوار

بدست خویش عمل کن که زیب می ندهد
زبید سایه نیابد بجو اهش اسفیدار[2]

سخاوتی که دولت میکند بند بند
جراحتی که نکو می شود بخار رم خار

در سخا نه که دار جزا کند خراب
اگر بنار میسرت برانگند ابرار

تبر زنی بشجر ز خشم سایه رانرسد
وسلے بریده شود سایه چون برند اشجار

چنان نخوشست ثنا لبش سبکی چون طاؤس
بدست و پایش اگر نیست بال و پر بنگار

مبین حریر منقش بگردن دراج
تو باز بین که چه معترض داردش منقار

مگو که نیست ثنا دهر را چو حادثه نیست
نزاده دی ز پریر[3] پرست و پاره از پیرار[4]

سخن چه ره برد اهل وجود را بعدم
کشف چه کم کند آب محیط رالطعنار

طرب بنزاست بر آنکس که رفت از خانه
ندم رواست بران دم که رفت از مزمار

---

۱ غارتگری ۱۲ ۲ نام درختے ۱۲ ۳ روز پیش دیروز ۱۲ ۴ سال پیش از سال گزشته ۱۲

ولے ز تابشِ دستِ عدم چہ خیزد سوز
دو دست بر ہم سائی چہ حاصل آید بار

ز تند باد ہوس آب موج خواہد زد
بہ بید باز خرد گوئے تا برو ہشیار

چو آشنائے ریاضت رہاندت زیں موج
چو آشنا نہ بود جاں برآید آید نار

بداں کہ قطرۂ آب ست آنچہ از تو چکد
کہ قطرہ قطرہ شود سیل و سیل گشت بحار

چنیں کہ خانہ ز گل کردۂ بنا بر آب
درو چہ ایمنی اندیشہ را بخود بہ گمار

چو مادۂ تو ز آب ست صورتِ خود را
میانِ آب ببیں خویش را ہمیں پندار

چگونہ مردمِ عاقل دعا طمع دارد
ز صورتے کہ بر آبِ رواں کنند نگار

سکونِ خویشس چہ بینی در رفتنِ ایام
کہ آں تو میروی آنرا ہنوز نیست مدار

خود آں مسافرِ آب از غلط ہمی بیند
کہ ساکن ست سفینہ مدار دست مدار

وہے شکست فلک را ہمی مداں با آں کہ
ز راستی دم کژ آں نماید ایں گفتار

دل از نوازشِ او خوش مکن کہ از پئے صید
بآہوان بہ سرِ دشت می کند رفتار

عقاب پیش بآوازِ طرفہ ماہی را
ز قعرِ آب بروں آرد از برائے شکار

چو دستِ دورِ شرابِ فنا دہد در دست
چہ طرفہ مست شوند ابلہاں باول کار

چو شیر ساز کند چنگ خویشس در گلّہ
چہ خوب جستہ زنند آہوانِ خوش رفتار

سفید کردنِ دندانِ شیر خود چہ عجب
نعوذ باللہ اگر خود بگیردش بکنار

ز لوحِ عمر بشوید دو رنگ دہرِ دو رنگ
ز چرم ماہ برآرد دو ماہ چرخ دمار

بگرم مہریِ گردوں مبیں کہ ایں مادر
ہزار حادثہ جوید ز نہ شکم یک بار

همیں بلانگراماں در حدِ ملتاں — شکست میمنهٔ مومن از کفِ کفّار

چگونه شرح تواں داد آں قیامت را — کزاں فزعِ ملک الموت خواستی زنهار

چه گویم آں صفتِ حمله کردنِ غازی — بروئے خیبریاں همچو حیدرِ کرّار

ولے چه چاره تواں کرد حکم محکم را — که گشت نامزد از کارخانهٔ قهّار

زمینِ رزم که شد بازگشتِ بودِ همه — بسا که ریخته شد خون و همراں شد بار

چو جرعه خونِ شهیداں بگل سرشته تمام — چو گل گلوئے شهیداں برشته بسته قطار

دواں بازی سر در شکنجهٔ فتراک — شکنجه کاری گردن برشتهٔ افسار[1]

مرا اگرچه که سرزاں دواں بازی بود — هم سزاست گلو زاں شکنجه بے آزار

اسیر گشتم و از بیم آں که خوں ریزد — نمی نماند ز خوں در تنِ نحیف و نزار

چو آب بے سر و پا میدویدم و چو حباب — هزار آبله در پا ز رفتنِ بسیار

ز پا پیهاے من از آبله جدا شد پوست — چناں که باز شود در زنهاے پا افزار

ز رنج سخت شده جاں چو قبضهٔ شمشیر — ز ضعف چوب شده تن چو دستهٔ جفّار

دمے نماند بیایم ز بود ره تشنه — دمے شده شکمِ من زمانده ناهار

برهنه مانده تنِ چوں درخت گاه خزاں — هزار باره چو گل از خراشِ خار آزار

بگریه مردمکِ دیده قطرها می ریخت — چناں که بگسلد از گردنِ عروسی هار

فروده[2] که مرا پیش کرده ره می رفت — نشسته بر فرسے چوں پلنگ در کهسار

---

[1] با گذرور ۱۲ [2] شاید فروجه باشد بمعنی چوزهٔ مرغ ۱۲

کشادہ از دہنش نکہتے چو بوئے بغل — فتادہ بر زنخش سبلتے چو موئے زہار

زماندگی قدمے گر بماند می بستوہ — گہے طغانہ کشیدے ختم گہ تکمار[۱]

ہمی زدم بدل سرد دم ہمی گفتم — گزیں بلا نتوانم کہ جاں برم نہار[۲]

ہزار شکر خداوند را کہ داد خلاص — نہ دل ز تیر شگاف و نہ تن ز تیغ فگار

چو خواست کالبدم خشت گور راست کند — ز سر شد آب و گلم قصر عمر را معمار

ولے چہ سود مرا از خلاص آں رشتہ — گسستہ گشت چو سلک مہاجر و انصار

دریں زماں کہ چمن خاک را نگاری کرد — ز عکس لالۂ خونی ست دستہائے چنار

بریخت آں ہمہ رو ہائے ہمچو گل در خاک — ز تند باد حوادث خزاں ست ایں بہار

جہاں پر از گل و مجلس تہی ز گل رویاں — چگونہ خوں نہ شود دل چو غنچہ زیں تیمار

نماند ہیچکس از دوستان پار امسال — معائنہ ست کہ امسال نیز گردد پار

پیالۂ بدہیدم کہ از سر حسرت — تہی کنم ز مے و پُر کنم ز گریۂ زار

تو نیز ہمچو من اے ابر نوبہار کنوں — ز آب دست بشوئے و ز دیدہ خوں میبار

کنوں کہ ششصد و ہشتاد و چار شد تاریخ — مرا بسے و سہ آمد نوید سی و چہار

نہ سی و چار کہ گر سی ہزار سال بود — چو در حساب فنا شد نہ سی بود نہ ہزار

نہ شاعرم چہ کہ جادوگرم میان خاک — نہ خسروا رچہ کہ کیخسروم میان غار

چو ماشویم سخن را حیات باد کہ ہست — حیات ساکن شاعر روانی اشعار

نتیجہ بہ ز دُرر در خریطۂ دانا — قبالہ بہ ز درم در خزینۂ تجار

---

[۱] تیر بے پیکاں ۱۲   [۲] بسیار ۱۲

همیں قصیدہ حیاتِ ابد بس ست مرا
کہ تا بحشر بود وردِ راویانِ دیار

ملائم ست کہ حکم الحکم کنم نامش
باتفاق حکیمان و حاکمانِ کبار

سبق گرفتہ ام ایں نکتہ را بہ مکتبِ طبع
بہ پیشِ پیرِ خرد بر صحیفۂ افکار

بہ ملک ہست زہر قافیت مرا سعتے
چہ عیب ار سبقِ خویش می کنم تکرار

سخن دراز مکن خسروا اگرچہ دعاست
کہ بیشتر ز درازی ست پیچشِ طومار

زبانِ تو ز سخن موئے شد مپیچ دراز
زبانِ تیز طلب کن ز غیب موسی وار

ز لفظ خوش ترشم پند تلخ را بنیوش
کہ دفعِ تلخیِ مے ہست تیزیِ آچار

خرد بناطقہ تیزی بہ بخشد ار تنبیہہ
فلک بنامیہ ادرار بخشد از مدرار

مؤثرست نصیحت ز طبعِ زندہ دلاں
چو امر و نہی طبیباں بہ خانۂ بیمار

نصیحت آنکہ درے باز کن معانی را
کہ دال باشد بر راہ رحمتِ دادار

بہر سخن کہ رود ابتدا بہ قرآں کن
کہ بہ بود ز نبی[1] در معانی استفسار

چو ابتدا ز نُبی شد خبر طلب ز نبی
ازاں کہ لائقِ آں مبتداست ایں اخبار

بگیر صوم صموت از نعیم مدح و غزل
ولے بہ شربتِ توحید مدح کن افطار

بہرزہ چند کنی ترہات را مایہ
کہ آں ثنائے فلاں ایں مدائحِ بسیار

ثنا سزاست ولے زانِ ایزدِ متعال
مدیح گوے ولے زان احمدِ مختار

مہیمنا بہ کلیدِ کرم درے بکشائے
کہ وارہد سرِ من از ستانۂ اغیار

---

[1] بالضم قرآن مجید ۱۲

تنفّسے ز ہوائے ہویتم بفرست | کہ از غبار انیّت نما ندم آثار
دراں زماں کہ توئی و منی زمن برود | تو باشی و من و بنود ز آدمی آثار
بفضل مرحمتے یا رحیم یا رحمان | بلطف مغفرتے یا غفور یا غفّار

بر دو عالم پا نہد کس تا دریں عالم رسد
زاں کہ بیروں از دو عالم عالمے دارد خدا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

من کہ در گلزارِ عالم نو نوائے می زنم | باغ جاں را از نفس بادِ ہوائے می زنم
کلکِ سحر آشام را بر یدِ بیضا می نہم | جادو انِ دہر را بر سر عصائے می زنم
تیر فکرت چوں زنم از فیلسوفی بگزرم | تیغ ہمت چوں کشم بر پادشائے می زنم
ہمتم بر عرش و الاستوی شد از کرم | من کہ اکرامی علی العرش استوائے می زنم
دامن از بارِ گہر صد پارہ بینی خلق را | چوں ز دریائے سخن موجِ سخائے می زنم
گوہرِ نظمم ہر دو دل کے رسد بدکیں مگو | سنگسارم بر دلِ ہر روستائے می زنم
ہندو از زربت کند مومن خدایش کردمن | سنگ بت گر بر سرِ ہر بت خدائے می زنم
دل چہ بہرِ زر چو گرز دم خوردگاں شد بیقرار | از لعاب ارقمش ہر دم شفائے می زنم
لا دو سر شد دورباش دین و دنیا چوں ترا | دورباشی می زنم ہر گہ کہ لائے می زنم
با فلک دارم سرے و زد دورباشش خویش ہم | نہ سراچہ از سرائے تا سرائے می زنم

پا نہم بر پشتِ گردوں لیک می سوزم زِ مہر
کیں لگد بہر چہ بر پشتِ دوتائے می زنم

خط کشیدہ ابلقِ ایام را تا شد قلا
وز علم چوبِ ریاضت بر قلائے می زنم

خسروم بر پادشاہانِ سخن فرماں روا
تحت خود بر فرقِ ہر فرماں روائے می زنم

جائے من دہلی کہ ہر حرفم سوادِ اعظم ست
طبل دار الملکی اندر روستائے می زنم

ہم بدیں شعرے کہ کردم عالم العلمش خطاب
کاہشے در جانِ ہر دانش فزائے می زنم

چوں کنم بر اسپ نے برگستوانِ کاغذیں
بو علی را گیرم و بر بو العلائے می زنم

از قلم شمشیر چوبینم چہ بینی طفل وار
حرفِ من بنگر کہ بر بالغ نوائے می زنم

گرچہ تیرِ کودکاں شد کلکِ من من ہم بدو
ہوشگافانِ جہاں را بے خطائے می زنم

تیز بالیست او سرہم آہوئے در ہم شگاف
کز دو شاخش مشک تر در ہر خطائے می زنم

ذکرِ عنبر می کنم پیشِ دوات نامہ وش
خردہ کاوی بر قفائے عطر سائے می زنم

دیگِ زریں نیست بہرِ پختن سودا و کلک
کفچہ لیسانِ دو عالم را صلائے می زنم

ساختش از زر چہ می بینی کہ صوفش در برست
من ز صوفش پشتِ معنی بر ردائے می زنم

می زنم نوکِ قلم در صوف یعنی چوں مسیح
عیب گویاں سوزنی اندر عبائے می زنم

حاش للہ فکرتِ من زیں معانی فارغ ست
من بر ایں نقشِ فطرت ز افترائے می زنم

چند گویم کآسماں بوتہ ست طبعم کیمیاست
کآتش اندر بوتۂ ہر کیمیائے می زنم

بس دقیق ست ایں خراسِ کہنہ من بر آں نبستہ چشم
چوں شتر چرخی بگردِ آسیائے می زنم

سیمیا کارے ست کارِ چرخِ لعبت باز و من
چشم باز د دست را بر سیمیائے می زنم

شد سخن بر چرخ و آوازے بر آمد تا چه شد — چوں مشعبد نعرهٔ از گنبد نائے می زنم

گفت من گفتم که بر دل می زند چوں بنگرم — سنگ بر یاقوت ہر دل بے بہائے می زنم

ہر چه بنوشتم سیه کردم تمامی نامه را — خانهٔ پُر ہور چه بے ماجرائے می زنم

کلکِ من گر مشک می ریزد ہم آہوئے من است — بر خطائی می زنم گر بے خطائے می زنم

کہربا شد روئیم از زردی که از بہرِ طمع — سر بپائے ہر خسے چوں کہربائے می زنم

میوهٔ مقصود می خواہم ز ہر خود رستهٔ — مرد می را سکّه بر مردم گیائے می زنم

چوں بطے کاندر سراب افتد دریں گرداب خشک — پرِّ نومیدی بپایدِ آشنائے می زنم

گر ہمه سیماب گردوں بد بود بتود عجب — ز آتشین آہے که در صبح و مسائے می زنم

دودِ غم می پیچدم چوں مار در غارِ دہن — کز دم آتش در جہاں چوں اژدہائے می زنم

آب مروارید در چشمم فرود آمد ز اشک — وز مژه میلے درونِ توتیائے می زنم

دل اگر بر نطعِ غم پامال گردد بوریاست — من ہم از دل آتشے بر بوریائے می زنم

بے وفا عمر از پئے جاں بر دنم دم می دہد — من مگر کز مہر دم با بے وفائے می زنم

چوں وجود کس دریں بابِ بقا کوسے نزد — بر سرِ راهِ عدم کوسِ فنائے می زنم

ره بچر خم نیست چوں آں گوسفندِ باغیاں — سبزهٔ می بینم از دور و چرائے می زنم

نیست چوں فرِّ ہمایم زاغ رنگی می زنم — نیست چوں رفتار کبکم زاغ پائے می زنم

بر صواب ار نیست کلکم ہم نشانے میدہم — بر نشاں گر نیست تیرم ہم بجائے می زنم

ابرِ بے باراں که خندد برق بر بے آبیش — من ہماں یک خندهٔ بر بید جلائے می زنم

می کشم دل را بجائے نقش و تیر خستگی | بر غلیوازے کشادم پر ہمائے می زنم

دیو کنجشکے شده گشت نیازم خورد و من | چون ندارم هیچ سنگے ہائے ہائے می زنم

رغبتے در فسق چون سست اعتقادے می کنم | رکعتے بے صدق چون ناپارسائے می زنم

از خلاف طینتم پائے وجود اندر گل ست | با چنین آلودگی لاف صفائے می زنم

آتش سوزنده را بر نور من بگزیده ام | بولهب را سکه پیش مصطفائے می زنم

از نشاط مادر شهوت که مرد از وے نزست | چون کبوتر صد معلّق بر ہوائے می زنم

دیدهٔ خود را خود از عشق نگارے می کشم | مهرهٔ خود را ز خود بهر دغائے می زنم

سرخ کردم چشم خود را با جوانان لاجرم | کوه غم در پیش صعب مرتقائے می زنم

جنگ تن تا زندگی برجاست جانی می کنم | چنگ دل را تا رگے برجاست نائے می زنم

سینه ام بے علم دین دل از بصر سر بر زند | بوالعجب سر سینهٔ با ژاژ خائے می زنم

عمر من در صرف شد بے حرف حرف علتم | جمع کرده علت و از سینه وائے می زنم

در علل زحمت بسے دیدم شفا حاصل نشد | هم علل بهتر ازین دم کز شفائے می زنم

گاه قصد من بمعنی گاه خوئے من بلفظ | بے خبر زین علم سر با مبتدائے می زنم

حرف دارم ناقص و محکوم غیرے همچو فعل | گرچه از اسم علم عالی علائے می زنم

کان علم خوانی و نه اسم بر من سبے خبر | کان اسم لا خبر اینک ندائے می زنم

ماه من تا کے بمعنی من که و ما چه بگوئے | نفی کن ما را که من از بقائے می زنم

دهر پرد شنام شد مفعول مطلق بر همه | حرف شان را که در انگشت صحائے می زنم

هست در معنی مونث هر کجا جمعِ رجال
من دریں جمعِ مونث مرحبائے می زنم

هست مفعول بنصب و قصهٔ فاعل برفع
فاعلم من ایں تظلم بر بنائے می زنم

فاعلم بهرِ وقوعِ فعل و بل مفعول جوئے
در رهِ تذکیر و تانیث ازوائے می زنم

گر بکارِ منطق و منطیق بندم منطقه
خود نطق زیں بحرِ ناطق آشنائے می زنم

این و کیف و وضع و ملک و کم متی فعل انفعال
شد مضاف جوهرم زینج دہائے می زنم

با چنیں دعوی چو گوئی کیف و کم گویم جواب
کیف ما کان الٰہی را دست و پائے می زنم

سنگ و اں بنود بشر لاشی من اشیا ر حجر
من همه دل تنگ و بر هر در صفائے می زنم

کالبهم بالقوه چوں انسان و چوں بعضے بقعبل
چیست فعلم خامه در رهزنا سزائے می زنم

جنس انسان هست حیوان نوع انسان هست انس
من نه زیں هر دو به هر دو متکائے می زنم

هست انسان لاشی و جو جو خورش حیوان و من
هم همایم طوطی از بهرِ غذائے می زنم

نیستم انسان نه حیوان بلکه جسمِ نامیم
کاب و خاکی می خورم نشو و نمائے می زنم

فضل حق از لطف فصلے ساخت بهرِ آدمی
من ازاں بانگے بهرزه چوں درائے می زنم

گر بخواند طوطی از فضل آدمی خوانند من
پس مرا مردم مخواں چوں کژ نوائے می زنم

آدمی حیوان ناطق داں چو شد ناحق شناس
ناطقم اینک بهیقی جانگزائے می زنم

هر کسے اندر کلامی مانده کیں چوں آں چرا
من نمی دانم همی چوں دست و پائے می زنم

پاک را علت نگویم کز خیانت آفتاب
کز فروغِ آفتاب دیں ضیائے می زنم

داں که علت گفت حق را چوں بود بهرِ شفا
علتش را از شفائے دیں دوائے می زنم

ور دوا دین سنت قائل علّتے دارد دراز　　تا ہمیرد زود در مہرش درائے می زنم

شرک نارم در بگوئی صانعِ خیرست و شر　　خنجر سر بر سر ہر ما سوائے می زنم

وان کہ علت را حوالت می کند بر فعل او　　جاں فدا کردہ بہ پیشش ہم فدائے می زنم

یکزماں در یکتن از ہر دو فراہم گشت صد　　ور یکے ثابت انیسش را بلائے می زنم

چوں دو دم عاجز نہ حق پس لازم آمد حق یکے　　من یکے می گویم و چرخ از دلائے می زنم

چند گویم کز طبیعی نعمتے دارم بہ طبع　　چرخ را بر خوانچۂ خالی صلائے می زنم

دعوی از علم عالم حجت تزویر خنظم　　دل گوا بر جہل و جہلے بر گوائے می زنم

سفلہ چوں آب و گلم بے وزن چوں نار و ہوا　　پس ازیں ہر چار پا بر ناروائے می زنم

طبع را رہبر نمائی و ہمی گویم بہ جہل　　کز طبیعت خیمہ بر رہبر نمائے می زنم

ہمچو علوی کز کثافت میل در سفلی کند　　آدمی ام لیک چوں حیواں چرائے می زنم

نے چو سفلی کز لطافت منزلش عالی بود　　از حدِ خود یک قدم برتر وطائے می زنم

خاک و آب و باد و آتش شد ز لطفِ حق پدید　　منکہ نطقم نیست خاکی بر بقائے می زنم

آب آتش کے شود تا از ہوا بر نگزرد　　بگزرم زیں کے کہ من بر رہ ہوائے می زنم

از اساسِ آہ زاید برق و من از برق آہ　　ابر را تم کز مژہ ہر سو گیائے می زنم

خاک نقطہ نقطہ معدوم و من از معدوم شے　　پس ز سر مستی لافے چوں سگائے می زنم

آب دیدی در محیط خاک بیں خاکِ تنم　　در محیط آب جرعہ جوں بکائے می زنم

باد گرد آب بیں و گرد اشکِ من ببیں　　باد نومیدی کہ از دل در صدائے می زنم

زهره‌ای گر بندئی بر هوا اینک ببیں — زهره‌ای کز نفس در رهِ هوائے می زنم

تار دیدستی محیط باد آهِ من نگر — کاتش آلوده دمے در هر بلائی می زنم

چند سنجم باد چوں میزان چرخ از وزن شعر — حسب ایں کفه کنم حسب کفائی می زنم

ناقصی را ماه خوانم گاو را بر وے شرف — بے شرف گاوم که رائی در ریائی می زنم

گرچه خورشید انوری گردم چو گردوں ازرقی — بی سنائی دم کزاں انجم سنائی می زنم

مکرمانِ عهد را مریخ نحسِ اصغر ست — من در ایشاں بامیدِ عطائی می زنم

زهر طبعم در وبال از نیشِ آں عقرب وشاں — زاں چو عقرب خویشتن را خود قفائی می زنم

چوں زحل حایط شوم هر جا که بینم برهٔ — وز طمع دنداں در و چوں ناشتائی می زنم

مشتری هستم سعادت را ولے چوں مایه نیست — بیع و شرٰی می کنم لافِ شرائی می زنم

جویم از سهم سعادت در رسد سهمے ز غیب — کارتفاع سعد اکبر بر همائی می زنم

تیر چرخم در کشاکش از قد چوں قوس خویش — گرچه زخمے بر دلِ مشکل کشائی می زنم

دو دو پاره گشت یعنی دو جسد مانند حوت — کافی است و تیغ از بهرِ ابائی می زنم

در شرف مریخ گردوں زیں بداں و رهعدِ من — خنجرِ مریخ بر هر بذ منائی می زنم

گرچه چوں هشتم فلک بے دقائق شد دلم — بار رفعت بانهم چرخ التقائی می زنم

بخت می خواهد که ایں اجزا بکلی طے کنم — وز توکل جزو را دار الجزائی می زنم

تا مگر در بارگاهِ دولتم راہے دهند — بر درِ هفت آسماں دستِ دعائی می زنم

چوں دریں ره یک طرف تار ست و دیگر سوی نور — یک قدم در خوف و دیگر در رجائی می زنم

چوں دریں درگاہِ داور التجائی می زنم　　خسروِ بیچارہ ام یارب پناہم دہ بخویش

گر بہ پیری موئی اندر نقش ایں مشکیں سواد

ہر خطی مشکینست ننشستہ بروگردِ خطا

(بحر سریع مطوی موقوف وزن او مفتعلن مفتعلن فاعلات)

زلفِ تو بر خرمنِ گل پا نہاد　　گل بزیرِ عنبرِ سارا نہاد

دل بزلفت رفت کاندروی خدا　　سرِّ سبحان الذی اسریٰ نہاد

ہر کہ چشمت را بہ نرگس عرضہ داد　　آئینہ در پیش نا بینا نہاد

روئے تو جاں برد و بر لب جاش کرد　　خستۂ را بیں کہ بر خرما نہاد

دیدہ بالائے تو دید و پیش او　　جاں کشید و دل برآں بالا نہاد

بازدود از ما برآورد آتشے　　کاز رویت در نہادِ ما نہاد

در دلت یک ذرہ ہم ننہاد سود　　آں کہ آتش در دلِ خارا نہاد

پا بخونِ خسرو افشاری کہ او　　زیر پایت چشم خوں پالا نہاد

چوں ندید از چشم شوخت مردمی　　دیدہ بر لطفِ شہِ والا نہاد

قان ملک طغرا کشِ منشورِ ملک　　کاختراں را سر برآں طغرا نہاد

بادپا را چوں بمیداں تک دہد　　بادگری روے در صحرا نہاد

آسماں نور از ستارہ رام کرد　　بر خطابِ نصرۃ الدنیا نہاد

بای چوں بر دارد و بنہد بخاک — یارب آں برداشت گویم یا نہاد

دہر ازاں آتش کہ دارد خنگ او — داغ بر نہ کرۂ رعنا نہاد

روئے ہیجا آئینہ بیند بہ تیغ — آں زماں کو روئے در ہیجا نہاد

رو بکوہ آورد چوں موسیٰ درج — ہمچو ثعباں بر ید بیضا نہاد

می تواند زاں سناں ہمچوں معاد — کوہ را بر کندن و بر جا نہاد

سرمہ خواہد کردنش از نعل خنگ — وز برائے دیدۂ اعدا نہاد

گر کشد بر کوہ چوں خورشید تیغ — کہ شود چوں ذرہ ناپیدا نہاد

صبح تا تیغش دم از خورشید زد — خویشتن را لاجرم رسوا نہاد

خسروا بہر کمر شمشیر تست — بحر ہر دُرّی کہ بہمت نہاد

زاں کمر در ہر کہ گردوں دخل کرد — از پئے آرائش جوزا نہاد

بخت آں برناست کیں گردوں پیر — شد جواں تا دل بر آں برنا نہاد

سر نہد اسکندر و دارات ازاں کہ — ہستی اسکندر وش و دارا نہاد

کشتی مے چوں رواں شد بر کفت — از کرم پا بر سر دریا نہاد

کے تواند بے چراغ رائے تو — آفتاب از خانہ بیروں پا نہاد

جود تو گوش صدف را پارہ کرد — نام لؤلؤ ہر کسے لالا نہاد

مشک ارزاں شد بوصف خُلق تو — کلک من چوں روئے در سودا نہاد

مشتری جز مدح تو ننوشت ہیچ — خامہ را بر روئے کاغذ تا نہاد

خاص از بہرِ دعائے دولت ماہ رو در آسمانِ ما نہاد

نوش می کن نوش وارِ مے کہ تو اندریں نہ ساغرِ مینا نہاد

تا بجوا ہر چرخ بر دستِ تو رفت ہر سحر جامِ جہاں آرا نہاد

آبِ حیواں خورد خنگت پائے قدر چوں خضر بر گلشنِ خضرا نہاد

گر زند بر روزگار آسیب ایں بادِ رواں
باز یابد روئے عمرِ رفتہ را سوئے قفا

(بحرِ رمل مثمن مقصورہ وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

منت ایزد را کہ عمرِ رفتہ از سر باز گشت وان سریع السیر ماہِ من زلشکر باز گشت

دیدہ روشن شد کہ آں موجِ شکر لب رخ نمود خانہ گلشن شد کہ آں سروِ سمن بر باز گشت

آفتابم نیم روزی بر سر آمد ناگہاں مرغ من از نیمۂ رہ نامہ بر در باز گشت

حسن او مارا بہارے گشت در عین تموز در حمل گوئی کہ خورشید از دو پیکر باز گشت

رنگش از گرما سیہ گشتست در نی چیست ایں گو دکِ تارفتہ با خطِ معنبر باز گشت

زلف او آلودۂ خوں شد کہ کردم چشم پاک ہم بحالِ خویش گوئی مشک اذفر باز گشت

تا خیالِ مردمِ چشمم باستقبال شد در رہش از گریہ باراں آمد و بر باز گشت

قامتِ شیرینِ او آمد کنارِ چوں نئی بوالعجب کارے ست در نے ہیں کہ شکر باز گشت

دی شبِ ہجراں بنادانی در آمد از درم آفتابی دید بر من دید و ہم از در باز گشت

من کنوں زو زندہ ام تر جاں کہ در جاں رفتنش
راہ دیگر رفتہ و از راہِ دیگر باز گشت

یوسفِ دل را برادر خواندہ بود دستِ غم
یوسف اندر ملک خود آمد برادر باز گشت

کوہِ غم بر داشت از پیشِ دلم چوں قرّہ داد
کز غزا ز کوہ خاقانِ مظفّر باز گشت

نصرتِ دنیا محمدؐ کز سپہ در کوہسار
سدِّ آہن بستہ مانندِ سکندر باز گشت

آفتاب از کوہ سر بر کرد تا گیرد جہاں
دیدہ ماہِ رایتِ او را برابر باز گشت

صیت ہر شاہی کہ ہر جانب رسید از کشورے
رہبرش آوارہ شد چوں او بکشور باز گشت

عود اگر کرسی جم سازند تختِ کیقباد
عاقبت ہم باشدش در زیرِ مجمر باز گشت

کافرِ بدکیش ہر تیرے کہ سوئے دیں کشاد
سہم تو بادی برو زد ہم بکافر باز گشت

بسکہ سوئے آستانت باز گشت ہر سریست
ز آستانت ہر کہ از پا رفت از سر باز گشت

در و لعل زاد گشت از جود تو در ریسماں
آں زماں کز تیغ دستت سوئے ساغر باز گشت

جوہری دی سلک در می بست و گفت این چنیں
ریسماں در رفت در سوراخ گوہر باز گشت

ہر کرا پیراہنے چوں گل بصد پیوند بود
آمد اندر بزم تو دامن پر از زر باز گشت

کشتیِ کامے کہ در گردابِ نومیدی فتاد
موج زد دریائے دستت سوئے معبر باز گشت

کلکِ خسرو تا کلید خانۂ مدحِ تو شد
جملگی درہائے معنی در سخنور باز گشت

از تکلف کے رساند کس بہ شعرِ او سخن
کاں بجاک و آب دارد آب ز در باز گشت

سنگ را ہر چہ باید در ہوا انداختن
چوں بخواہد ہم بسوی خاک اغبر باز گشت

تا ابد بر چار بالش تکیه زن کز هفت چرخ — فتنه را در عهدِ تو پهلو به بستر باز گشت

باز می گردم ز جنبش مدح در فصلِ دعا — لیک بر نوعے که نتوان زاں نکوتر باز گشت

بیں میانِ ایں سوادِ شعر مقدار بیاض
راست چوں حرفی میانِ موئے یارِ دلربا

(بحر مجتث مثمن مخبون وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

جہانِ حسنے و مثلِ تو در جہاں نبود — وگر ز حسن چه باشد ترا که آں نبود

خیال باشد در آئینه نظیرِ رخت — که بے نظیر تری از تو در جہاں نبود

بمجلسے که تو لب را ترش کنی درمے — حریف نبود کش آب در دہاں نبود

دہانِ تو دلِ تنگِ مرا ز خاموشی — چناں برد که کسی را بدو گماں نبود

خروشِ من بفلک پایه پایه می نرود — اگر ز زلف تو بر راه نردباں نبود

ہزار بار بکوئے تو بگذرم روزے — اگر ز اشک خودم آب در میاں نبود

باشکار درآیم بگیرمت به کنار — اگر بدیده دروں شرمِ مردماں نبود

برد توسنِ عشق توام عناں از دست — چنیں بود چو بدستِ خودم عناں نبود

ہنوز تا چه کند غمزہائے کینه ورت — اگر ز لطف بریں بنده مہرباں نبود

ستوده نصرتِ دنیا محمد سلطاں
که جز بذاتِ وے از محمدت نشاں نبود

دران دیار که او بارگاه نصب کند — ستاره هرگز محتاج آسمان نبود

برون کشند زره مار و جوشن ماهی — سپهر کینه ور ار در کفش کمان نبود

کدام لحظه ز بادِ سنانِ چون مویش — که موی بر تنِ بدخواهِ او سنان نبود

ز سبزهٔ خطِ امان داد باغ را عدلش — که در ولایتِ گل شحنهٔ خزان نبود

خدایگانا ز ارکان مملکت چو توئی — بچار گوشهٔ عالم خدایگان نبود

اگر ز چرخ فرود آورند گوئے قمر — به پیشِ رخش تو در خورد صولجان نبود

بغایتی ست ز تنگ خنگِ گرد مهرهٔ تو — که گرد باد بر روئے زمین جهان نبود

برائے هیچ نهادی نهادِ دشمن را — بس ست خنگ تو گر بادِ مهرگان نبود

هلاک دشمنی از تیغ آبدار تنک — ازان تنک چه بود گر هلاکِ جان نبود

بدین صفت که سخن می کند رهیبت تو — چگونه تیغِ ترا لرزه در زبان نبود

ز دشمنان همه را از زبانِ چرب کشند — که چرب بیش بجز از مغزِ استخوان نبود

قبائے قدر تو گردون چگونه دوزد اگر — ز خیطِ ابیض و اسود بریسمان نبود

نسیم خلق تو دارد که بر صبا چه کند — ز راهِ طیبت اگر روئے گلستان نبود

سیه شود رخِ گل ز آفتابِ ریستان — گر ابرِ دستِ تو بر دهر سایبان نبود

ز جود تو زمین از بادِ لعل در جگرست — اگرچه کوه بر اندام او گران نبود

ز دولتِ تو منم خسروِ ممالکِ نطق — که در زمانه چو من ساحر البیان نبود

ز روئے غیب که آرد گه پرده برگیرد — اگرچه بادِ صبا کلکِ من روان نبود

عطاردی نکنم بر دقیقہائے سخن   گرم ز مدح توام خامہ در بناں نبود
کدام روز کہ املاءِ نوک خامۂ من   دعائے دولتِ تو وردِ انس و جاں نبود
ترا خدائے دہد عمرِ جاوداں و ملک   کہ ہیچ ملک بہ از عمرِ جاوداں نبود

نرگسِ جادوے این افسون و مدبر لالہ زار
لالہ ہائے منتِ عنصر بود نشو و نما

(بحرِ مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

چو زلف غالیہ گون بر عذار بنشانی   نہد بہ پیشِ رخت آفتاب پیشانی
زشانہ زخم زباں گرچہ می کشد زلفت   نمی کند سرِ موئے کم از پریشانی
خراب کرد جہاں چشمِ کافرِ افسوس   کہ نیست ہیچ کسے را غمِ مسلمانی
حدیثِ روئے تو تا از دمِ صبا بہ شنید   بہ بست لعل لبت از سپید دندانی
بروں کشید سر از آبِ روشن آں سبزہ   کہ داشت جوئے لبت زیر آب پنہانی
جہاں سیاہ مکن از سیاہ کاری خط   دگر کنی رسدت زانکہ آبِ حیوانی
مرا بہ تختۂ دل جز خطِ وفائے تو نیست   اگرچہ تختۂ ما ہیچ بر نمی خوانی
چہ عہد ہا کہ شکستی ازاں دلِ سنگیں   زبس کہ سخت دل و نادرست پیمانی
اگر نہ بر سر آئی کہ مگسلی از من   مرا کہ موئے شدم در غمت چہ پیچانی
سوارہ می گزری مست کج نہادہ کلاہ   عرق چکاں ز دو رخ چوں گلابِ ریحانی

بزیر نعل سمند تو گشته شد شهرے — عنان بدار که مستی و تندمی رانی

تو می روی و بتو آفتاب می نرسد — مگر بسایهٔ فتراک شاه گیهانی

جلال گوهر افراسیاب نصرت دین — که باد نصرت او بر زمانه ارزانی

چراغ دودهٔ دولت محمد سلطان — که روشن ست بدو دودمان سلطانی

سکندری ست که ثانی ندارد اندر دهر — مگر در آئینه بیند سکندر ثانی

برون کشید سر از زیر شهپر عونش — همای معدلت از بیضهٔ مسلمانی

حدیث بخشش او باد اگر برابر برد — هزار بار کند ابر تیره بارانی

خدایگانا دوران نامدار فلک — نیاورد چو توئی از سرائے دورانی

تراست برج فلک اوج طالع تو رسد — بدین طلوع زہے آفتاب نورانی

گہ نشستن این برج میرسد که اگر — بر اوج چرخ بگردش بگردانی

سپهر پیر عصائے شهاب کرده بدست — بر آستانت نشیند زبهر دربانی

زمین چو آب بلرزد بگاه جنبش باد — دران زمان که عنان ظفر بجنبانی

چو ایستی تو بمیدان نه ایستد هرگز — خدنگ تیز رود هر کجا که بنشانی

کشی چو تیغ بر آری فرو شده خورشید — که باد تا ابد ملکت سلیمانی

بگیر چین و ختا را به تیغ چون داری — هزار بنده چو خاقان و بنده خاقانی

نوای باربدی زد بمجلست خسرو — نکو شنود دم این بلبل گلستانی

همیشه تا که درین گلشن کبود کند — دو دست از سر رعنا هزار دستانی

هزار دستۂ گل در دو دستِ تو بادا — که دسته دسته بفرقِ جهان برافشانی

نرگسِ جادوگر این افسون دمد بر لاله زار
لاله را بی منتِ عنصر بود نشو و نما

(بحرِ ہزج مسدس محذوف وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

زهی رویت شگفته لاله زاری — دو رخ حسن ترا گل پرده داری
رخت را بهتر از مه می شمارم — و زین بهتر نمی بینم شماری
درختِ صندل آمد قامتِ تو — که می پیچد برو زلفت چو ماری
روان کردی سمندِ کامرانی — نه ترسیدی که برخیزد غباری
بدنبالت روان شد آبِ چشمم — که ریزد بر سرِ راهت نثاری
چو خود رفتی به تسکینِ دلِ من — خیالِ خویش را بفرست باری
نخواهم یادگارے از تو لیکن — خیالت آنکه بدهی یادگاری
دلم یک چند بود اندر پسِ کار — فراقت باز پیش آورد کاری
گلے نه شگفته بختم را ز وصلت — ز غم هر موی بر تن گشت خاری
ز شاخِ بخت چون برگے ندارم — بخواهم از جنابِ شاه یاری
شهنشه نصرتِ دنیا محمد — که نارد چرخ چون او شهریاری
بگاهِ زلزله کوهِ گران سنگ — ز ذاتش عاریت خواهد وقاری

جہاں دارا توئی دارا جہاں را — جہاں دایم ہمی گوید کہ آری
زمیں شد مست ز اقبالت کہ دارد — نگہباں ہمچو رایت ہوشیاری
سپہرِ پیر از رائے تو ہر دم — گزد انگشت ہمچوں شیرخواری
مگر زد لافِ گوہر با تو دریا — کہ ابر از ژالہ کردش سنگ باری
چو در باریدن آمد ابرِ دستت — گہر گیرد گل اندر ہر دیاری
ز بہرِ نظمِ خسرو در ثنایت — کشد ہر لحظہ درِّ شاہواری
حدیثِ مدح چوں پایاں ندارد — بدعوت بہ کہ باشد اختصاری
مدارِ دارِ عالم باش در ملک — بود تا دارِ عالم را مداری
حسود ملک را بر دار می کن — وزیں دارش رواں می کن بداری

ہست روحِ ناطق ایں شعر و ز تاثیرش قلم
کو نگردد آدمی باری شود مردم گیا

(بحر ہزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)

کسے راکیں چنیں زلف و بناگوش آنچناں باشد — اگر در دیدہ و دل جائے سازد جائے آں باشد
بلائے گشت حسنت بر زمین و ہمچو تو ماہے — اگر بر آسماں باشد بلائے آسماں باشد
مرا چوں ہر دمے سالے ست اندر حسرتِ رویت — دریں حسرت اگر صد سالہ گردم جائے آں باشد
بسے خواہم میانت را بگیرم و لے ترسم — کہ تنگ آئی ز من بہر آنکہ چیزے درمیاں باشد

چو از غم پاره شد جانم رہا کن گز لبِ لعلت — بدنداں بر کنم چیزے کہ آں پیوندِ جاں باشد

بہ بوی می فروشم جاں بداں شرطی کہ اندر وے — اگر جز مہرِ خود بینی ترا جاں رائگاں باشد

مرا ہر بندی از تن بستۂ ہر بند مویت شد — نہ بندم دل بجائے گر ازیں بندم اماں باشد

دلِ خود را بزلف چوں خودی در بند تا دانی — کہ حال چوں منی اندر دلِ شب برچساں باشد

درونم ز آتشِ اندیشۂ بند از بند می سوزد — عفا اللہ چوں کسی کو را تپ اندر استخواں باشد

گزشت افغانِ من از چرخ جائے رفت کز رفعت — نباشد آسماں آنجا مگر درگاہِ خاں باشد

سراں را تاجِ سلطانی محمد شاہ بن سلطاں — کہ تاجِ سلطنت او راست تا ملکِ جہاں باشد

چہ میموں یافت یا رب بختِ او از حقۂ گردوں — کہ ہم ہموارہ بیدارست و ہم دایم جواں باشد

گہر در ریسماں بستہ ست خنگِ او ز ہے رستہ — کہ در پیشانی خوگر بزینش ہم مکاں باشد

گلستانِ فلک زیر رکاب آورده چوں تارد — کسے را کاں حناں باد صبائی زیرِ راں باشد

ز بہرِ خنگِ او کہ می کشد بر آخرِ گردوں — قمر کش خرمنے ہر شب براہِ کہکشاں باشد

جہانگیرا اگر از بارانِ تیرت خصم بگریزد — سنانت از پی آویزشِ او ناوداں باشد

بہنگامی کہ در خندیدن آید مرگ در ہیجا — یلاں را از پئے آں خندہ رخ چوں زعفراں باشد

دراں ہنگام پیکانِ تو آمد شعلۂ برقے — کز آں آتش زنی گر دشمناں را خان و ماں باشد

نشستن جائے خود تیرت بچشمِ دشمنی سازد۔ — کہ از سہمِ سعادت طالعِ او را نشاں باشد

ہمائے فتح شد پرورده در زیرِ پرِ تیرت — نہ زاغے کآشیانش بر سرِ زاغِ کماں باشد

شود ز آب سنانت غرق طوفانِ بلا عالم — بہ نیزہ گر نہ دہ جا بند بر آبِ سناں باشد

بروی تیغ جانِ دشمنانت از پے رفتن
مراغه می کند چوں خس که بر آبِ رواں باشد

چو طفلاں مردمِ چشمِ سراں در خاک می غلطد
وے خاکی که ایوانِ ترا بر آستاں باشد

بسے شبہا که مه در آسماں بیدار می دارد
ز بہرِ آں که در برجِ جلالت پاسباں باشد

ببازی تنگ می ریزی میانِ آب ہر روزے
بلے بر پشتِ ماہی تنگ تو بر تواناں باشد

حسابِ بخششِ باراں چو در عہدِ تو می ریزد
سزد گر دفترِ گل بستہ اندر ریسماں باشد

اگر مدح تو پا بر سایۂ گردوں نہد شاید
ز کلکِ خسروش جائے که جوشِ نسوباں باشد

گزشتم از مکانِ مدح و در راهِ دعا پویم
ز من بشنو دعائی را که ره در لامکاں باشد

بدار ملک و دولت جاوداں می باش دشمن را
بدار ملک برمی کُش که ملکِ او ہماں باشد

شاد باش اے روزِ نورانی که خواہد ایں عروس
کز پسِ سی پرده بنماید رخش از پسِ صبا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

مکش بگردِ رخ از خطّ دلربا پرده
که کس ز شب نکند آفتاب را پرده

ز بیمِ آں که رسد چشمِ آفتاب بتو
بر بند ابر بہر لحظه در ہوا پرده

کند به پیشِ خطت پرده پوشی سبزه
چو گل بباغ کشد بر سرِ گیا پرده

گل از رخِ تو بدزدید روئے پنہاں داشت
و لیک پاره شدش ناگه از صبا پرده

جمالِ روئے تو پوشیده چوں نخواہد ماند
مپوش پیشِ رخ از پرده دو تا پرده

تنت بجامہ نهفتن چناں بود کہ کشد | بروئے بادہ ز جام جہاں نما پردہ
شبے بود کہ چو پیراہنت کشم در بر | کہ پیرہن بنود در میانِ ما پردہ
دلم ربودۂ آں باد می شود ہر دم | کہ می رباید ازاں یارِ دلربا پردہ
دلے چو نیست امید کشادم از رویت | ز روئے خوب تو چوں باد می کشا پردہ
مرا بدیدہ درون ہست ہفت پردہ کہ زد | ہزار پردۂ خیالت ز پردہ تا پردہ
زدی بپردۂ دل زخم غم نہاں چہ کنم | کہ شد شگافتہ اے ترکِ بیوفا پردہ
فلک کہ پردۂ او آہِ من بسوخت مگر | بخواہد از درِ فرزند پادشا پردہ

شہِ سپہر سراپردہ نصرتِ دنیا
کہ بخت پر درش آویخت از ہما پردہ

بگوشۂ کلہش آفتاب می نرسد | کہ ہست بر سرش از سایۂ خدا پردہ
زبہرِ آنکہ درش را بپردۂ بیند | سپہر را کند اندیشہ زیر پا پردہ
فلک بلند ازاں شد کہ پردۂ در او | گرفتہ ماند فتد گر کند رہا پردہ
زہے برشتۂ حکمت زمانہ گشتہ اسیر | چناں کہ اسیرِ طنابست دائما پردہ
ستارگانِ فلک آسمانِ نو یابند | چو دولتِ تو بصحرا کشد سرا پردہ
کند ز سایۂ چترِ تو چرخ پیوندش | چو ابر را بدراند جابجا پردہ
تو سایہ بانِ سرِ عالمی کرا زہرہ | کہ بر سرِ تو کند سایہ چتر یا پردہ
درِ گشادۂ تو آفتاب را ماند | سحاب وار بدو گشتہ آشنا پردہ

روا بود اگر آورد لشت بر دیوا | چنیں کہ بر درِ تو یافت متکا پردہ
نوای صیتِ تو کاہنگ او بنہ پردہ است | بساختہ فلک از بہر او نوا پردہ
نسیم خُلقِ تو روزی خُلق را چوں گل | کشاد از پسِ ہر پردۂ جدا پردہ
شہا ز بہرِ خیالاتِ مدحِ تو خسرو | کشاد ز آئینۂ طبع با صفا پردہ
اگر قبول کند شہ بجلوہ آورد بیت | مشاطۂ فلک آورد بکر با پردہ
چو ترک بستہ زبان ست وگر خطا گوید | بذیلِ عفو فرو پوش بر خطا پردہ
ولیک در سخن او چو عیب بسیار ست | بہ آں بود کہ کند پیش او دعا پردہ
ہمیشہ تا کہ بود دولت تو بادا نصب | بہ بستہ بر درِ شاں ز رشتۂ بقا پردہ

ہست چشم خرد کحل الجواہر ایں سواد
بو العجب کحلی کہ شد چندیں فلک را توتیا

(بحر مضارع مثمن محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

ای من شبے پلک نزدہ بے تو بر پلک | بر جای خواب ماندہ مرا خار در پلک
ہر چشم بندئی کہ تو انست کرد خواب | گردد نگشت بستہ مرا یک دگر پلک
چشمم ز خواب چونکہ نشد بستہ بعد ازیں | گردد مگر کہ بستہ ز خونِ جگر پلک
خالی ز آب نیست چو یک چشم زیں دو چشم | از شام کس چگونہ زند تا سحر پلک
تا در خیال زلف تو پیچید چشم من | دُر بافتہ است موئے تو با موئے ہر پلک

چشمت چو تیرِ غمزه کشاید رضا دهم — سازد گر از سیاهیِ چشمم سپر پلک

جانا بچشمِ من نه مژه هست این که تیرِ تست — در دیده غرق شسته[1] سرش مانده بر پلک

آخر پلک نه سرمه چرا می کنی سیاه — اے چشم بد ندیده ازاں خوب تر پلک

در آرزوئے سرمه کند مر ترا بکن — جاروبِ آستانِ شهِ نامور پلک

قاآنِ ملک دیدهٔ دولت که می نهند
از دیده بر ستانهٔ او بحر و بر پلک

از آستانِ او نتواں برگرفت چشم — گر زیرِ پائے خلق شود پے سپر پلک

در آرزوی خدمتِ آن در نباشدش — از سرمهٔ سیاه نه بیند مگر پلک

شاها چو بر سمندِ سبک رو شوی سوار — بر دیده بگذری که نیابد خبر پلک

بیروں فتد ز پرده نظر بهرِ دیدنت — بندد اگر چه پرده به پیشِ نظر پلک

گر دیده بر رکابِ تو نالم شگفت نیست — چوں چشمِ نرگس ار شود هم پر زر پلک

بهرِ فسادِ خدنگِ تو در چشمها مژه — تا بد ز موئے رشته کند بر درِ پلک

روزے که از مهابتِ پیکانِ دیده دوز — کرده ز ناوکِ مژهٔ خود حذر پلک

بدخواه را ز موئے تنگافانِ لشکرت — پر تیر گشت چوں سپرِ تیرگر پلک

از تیرِ تو اگر بپرد دیدهٔ عدو — شاید ازاں که می شودش پیچ زیر پلک

موئے شود ستاده بر اندامِ دشمنت — از هیبتِ تو چوں مژه بالائے هر پلک

---

۱ شسته مخفف نشسته ۱۲

ای عدل پروری که ز عدلِ تو بعد ازین | دریا چو پیش بادہ نهد شیر نر پلک
جائے کہ ابرِ دستِ تو گردد گہر فشاں | چشمِ سحاب را شود از گریه تر پلک
بخشیِ جہاں بیک زدنِ چشم و آن زماں | هیچت به پیش چشم نیاید مگر پلک
خسرو چو مدحِ تو بنویسد روا بود | از صفحۂ دو دیده ورق سازد از پلک
تا پیش روئے مردمکِ دیده روز و شب | گه پرده دار باشد گه پرده در پلک
بنشین بچشم خانۂ شاهانِ روزگار | تا پرده داریِ تو کند پیش در پلک
پائے تو باد بر زبرِ چشمِ چرخ زیر | تا دیده زیر باشد و ماند زبر پلک

دودۂ این شمع نور افزائے چشمش بس بود
از کسوف ارزی امثل خورشید گردد چون سها

(بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

گر از خطِ تو سبزه صحرا بگیرد | سرش سبزه باد اگو تا بگیرد
نهانی مریز اے پسر خونِ عاشق | که روزے ترا آشکارا بگیرد
لبت خورد خونم گرش من نگیرم | همان هر دو لب یک دگر را بگیرد
دو زلفت دو عقد است راس و ذنب را | که خورشید را بی محابا بگیرد
ازاں عقد خورشید یابد رهائی | اگر خدمتِ شاہ والا بگیرد
الغ قاں ملک نصرت دین و دنیا | که اقبالِ او دین و دنیا بگیرد

زپہنائے تیغ و درازیِ نیزہ — جہاں را درازی و پہنا بگیرد
بدولت گہی گرچہ تنہا نباشد — ولیکن جہاں جملہ تنہا بگیرد
زہے آسماں قدر شاہی کہ تیغت — چو خورشید شرقا و غربا بگیرد
سخن گو یدار پیش دست تو دریا — رواں آب لبہائے دریا بگیرد
دم مدحتت چوں زند بندہ خسرو — جہاں جملہ بادِ مسیحا بگیرد
ہمی تا مہ و آفتابِ منور — کہ از کہ بریں چرخ مینا بگیرد
رخِ ہمچو ماہت مبادا گرفتہ — جہاں آفتابی مبادا بگیرد

خامۂ اہلِ سخن ہنگامِ نقشِ ایں حروف
بر سرِ ایں حرف اگر سجدہ کند باشد روا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

شہر یارے کاخترش تا ماہِ تاباں می رسد — ماہ تاباں از پئے خدمت شتاباں می رسد
شاہ چرخ ایوانِ کیواں منزلت کز ارتفاع — گر سرِ ایواں رسانہ تا بکیواں می رسد
نصرتِ دنیا محمد گو ہرِ افراسیاب — آنکہ او را دورِ دارائی ز دوراں می رسد
شخصِ دولت را رسید از عنصرِ اقبالِ او — از عناصر ہرچہ در ترکیبِ حیواں می رسد
شد ہمہ تن چشم سعدینِ فلک از انتظار — تا ز غیب از بہرِ اقبالش چہ فرماں می رسد
کابر دِ تختِ سلیمانی ز بادِ دولتش — من بریں خاتم گر ش خوانم سلیماں می رسد

اے سکندر موکبی کز ملکت ار گویم سخن — از قبائے تست اگر چینی بخاقاں می رسد

چوں بصحرائے ظفر جولاں زند گلگونِ تو — گوئی خود بادِ صبا سوی گلستاں می رسد

زاں ثریّا دامنِ افلاک در دنداں گرفت — کز پی سم بوس تو دامن بدنداں می رسد

مہر و مہ در شیوہائے کوئ تو غلطیدہ اند — آنکہ از نہ چرخشاں چوگاں بمیداں می رسد

گر دریں سالے مغل با پر بوم و روئے شوم — صف کشیدہ چوں کلنگاں از خراساں می رسد

لیک وقتِ گریز از تیغ کشور گیر شاہ — زیرہ زیرہ می شود آنکہ بکرماں می رسد

دشمنان جاں را بچندیں آرزو تر می کنند — ہرکجا از تیر ترکانِ تو باراں می رسد

گوئیا دامیست کو بر دشمنت خواہد گزارد — تیغ را ہر زخم کاں از پیک سنداں می رسد

چوں کند دشمن حکایت از زبانِ تیغ تو — باشدش در جاں سخن کاندر لبش جاں می رسد

خاکِ ملتاں ہر زماں پر آب دیگر می شود — چوں سپاہی ہیچو دریائے بملتاں می رسد

آفتاب از بہرِ جودت زر مہیّا می کند — گرد کاں از بہرِ این در حجرۂ کاں می رسد

وہم کو بالاتر از نہ چرخ نتو اند رسید — گر کند ہمراہی صیت تو آساں می رسد

کلک خسرو کش ار[1] سیر خوش اندر سر ست — چوں صبا در باغ مدحت عنبر افشاں می رسد

شعر او چوں با دعائے دولتت ہمراہ شد — از بلندی بر فرازِ ہفت ایواں می رسد

عمر بی پایانت بادا تا سرانِ ملک را — زیر پای قدر تو عمرے بپایاں می رسد

خانۂ پر سحر ہر بیتے ازیں دان و ببیں
زیں عجائبہا کہ ممکن نیست اندر سیمیا

---

[1] شاید کہ بجائے "ار" "خیال" باشد ۱۲

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

چو بخت روشنِ من سر بر آسماں آورد مرا بحضرتِ شہزادۂ جہاں آورد

خدایگانِ سلاطینِ عصر نصرتِ دیں کہ بخت بر درِ او سر بر آستاں آورد

بلند مرتبہ محمود شاہ بن سلطان کہ عزم او کرۂ چرخ زیرِ راں آورد

عنانِ باد بیکبارگی برفت از دست ازاں کمیت کہ با بادِ ہمعناں آورد

برائے ضبط جہاں آفتابِ تیغت را قضا زمادرِ ایّام توأماں آورد

حدیثِ چشمۂ خورشید بر فلک می رفت فلک حکایتِ آں تیغ درمیاں آورد

عدو کہ از سرِ کیں تیغ می کشد او را گرفتہ ریش اجل بر درش کشاں آورد

جہاں کشا یا در رزم بند نیزہ نیست کہ نیزہ بالا خون بر سرِ سناں آورد

زبانِ شمع چرا سوخت کو بگستاخی حدیثِ آتشِ تیغِ تو در زباں آورد

برائے روشنیِ دودمانِ دولت را ترا خدائے جہاں شمعِ دودماں آورد

نخفت ہیچ شبی چشم بخت از ین شادی کہ آسمانش بقصرِ تو پاسباں آورد

نسیمِ بزمِ تو چوں بزمِ بوستاں بگرفت بپردہ داریِ گل را بہ بوستاں آورد

بہ تیغ سایۂ گل را ہمی برد سوسن کہ او بمجلسِ تو یادِ گلستاں آورد

حدیثِ جودِ تو یاراں بگوشِ ماہی گفت صدف زگفتِ تو آتش آب در دہاں آورد

زابر تا صفتِ دست تو نویسد باد بروی آب خطِ روشن و رواں آورد

بیادِ دستِ تو دریے رود بسایۂ خویش سحاب اگرچہ کہ بر کوہ سائباں آورد

٭ گستاخی ۱۲

دعا نگفت بگردولتِ ترا خورشید — بوقتِ صبح کہ رو اندر آسمان آورد

بیا دِ بزمِ تو دل غنچہ گشت نرگس را — زبا دلرزہ چو در شخص ناتوان آورد

ہر آں گہر کہ ز مدحِ تو در زبانِ قلم — در آمدہ است کجا در قلم توان آورد

خدا یگانا ایں روزگارِ بے حاصل — زمانہ حاصلِ من رنج بیکراں آورد

بروی من سگی کرد بہرِ ناں گردوں — کہ سگ نخورد اگرش[1] بروی ناں آورد

چو بخت دید کہ دستم کسے نمی گیرد — گرفت دستِ من و بر خدایگاں آورد

کنوں دعائے ترا ورد خود کنم کز غیب — ملائک از پی تعویذِ انس و جاں آورد

ہمیشہ تا کہ گہر را جہاں بخدمتِ تو — بخواست رشتہ بگردوں و ہرکاں آورد

ببزم شیں[2] و گہر بخش خلق را چنداں — کہ جوہری نتواند بریسماں آورد

اندریں شعر ست در ہر بیت دو معنی چنانکہ

در یکی خانہ ست گوئی میہماں دو بادشا

(بحر متقارب مثمن سالم وزن او فعولن فعولن فعولن فعولن)

زہے ملک خوش چوں دو سلطاں یکی شد — زہے عہدِ خوش چوں دو پیماں یکے شد

پسر پادشاہ و پدر نیز سلطاں — کنوں ملک بیں چوں دو سلطاں یکے شد

دو چتر از دو سو سر برآورد و از در — زمیں زاں دو ابر در افشاں یکے شد

یکے ناصرِ عہد و محمود سلطاں — کہ فرمانش در چار ارکاں یکے شد

[1] باشد کہ "صد" باشد ۱۲ [2] مخفف نشیں ۱۲

ز بہر جہاں داری و پادشاہی   جہاں را دو شاہ جہاناں یکے شد

دگر شہ معزّ جہاں کیقباد آں   کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد

بدیں قصّہ بشنو کہ یعقوب و یوسف   دریں ملک بے رنج اخواں یکے شد

بدیو و پری گوی اے باد اینک   دو وارث بملک سلیماں یکے شد

کنوں روی در چیں نیارند ترکاں   بہندوستاں چوں دو خاقاں یکے شد

بروں شد دوئی از سر ترک و ہندو   کہ ہندوستاں با خراساں یکے شد

یکے شد دو فرماں دہ ہفت کشور   بہر ہفت کشور دو فرماں یکے شد

عدو کے زید گرچہ صد جانش باشد   چو اندر دو تن ملک را جاں یکے شد

دو عالم یکے گشت از نور دولت   چو نور دو خورشید تاباں یکے شد

کنوں گشت سنجیدہ کار ممالک   کہ دہلیز شاں را دو میزاں یکے شد

دو روئی تیغ از میاں رفت بیروں   ازاں رو کہ دو تیغ برّاں یکے شد

بصد میہمانی صلا داد عالم   چو بر خوان شاہی دو مہماں یکے شد

فلک تا دو مہ نیست محتاج انجم   چو یک شب دو ماہ دُر افشاں یکے شد

بآب دگر بینی آفاق ہر دم   چو از ابر رحمت دو باراں یکے شد

برات سعادت نویس اے عطارد   بر اہل زمیں چوں دو دیواں یکے شد

بشاخ ثنا بلبلے گشت خسرو   چو در باغ ملک ایں دو بستاں یکے شد

بقا بادشاں دیر و خود بہر ہر یک   جہاں را دو امر فراواں یکے شد

بادِ شبگیری به بستان برد بوی این سواد
گل گریبان چاک کرد و غنچه پیراهن قبا

(بحر رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

وقت آن آمد که بر بالای گردوں بر شود ‌ ‌ ‌ ابر نیسانی گر از آواز بلبل تر شود

از زر افشانِ گل و نرگس همه روئے زمیں ‌ ‌ ‌ شد چنانکه ار خاک را در دشت گیری زر شود

صبحدم مرغاں ببانگ آیند و از بادِ نسیم ‌ ‌ ‌ خاک زیرِ پرّ مرغاں بیضهٔ عنبر شود

گه قبا را چست بندد گه کله را کژ نهد ‌ ‌ ‌ غنچه را آندم که بر خود خواب اندر سر شود

آب را بادِ صبا زنجیر در گردن کند ‌ ‌ ‌ دست بید انجیر را چوں بید با خنجر شود

هر زماں دریا و نیلوفر سپر بر روئے آب ‌ ‌ ‌ بفگند تا از حبابش قبّهٔ اسپر شود

آب را بینی که از تندی چه گنبدها کند ‌ ‌ ‌ چوں ز باراں آبله در پائے نیلوفر شود

نوبهار از لاله بلبل را بطشتِ خوں نشاند ‌ ‌ ‌ تا چرا عاشق بروئے لالهٔ احمر شود

بر زمینِ گنده ناگوں قطرها افتد ز ابر ‌ ‌ ‌ سلکِ مروارید تر در گوشِ سیسنبر شود

زلفِ سنبل دام چشمِ نرگس افسوں خواں شده است ‌ ‌ ‌ تا مگر بلبل بداں افسوں بدام اندر شود

سرو و سوسن با بنفشه زاں تواضع میکند ‌ ‌ ‌ تا مگر در خدمتِ آزادگاں در خور شود

ابر در سیاره افشانی قیامت می کند ‌ ‌ ‌ زیں قیامت راضیم گر تا که این محشر شود

کار دورا لگوں شود گردان و در هر مجلسے ‌ ‌ ‌ ساقیاں را دستِ مطلق بر مئ و ساغر شود

---

۹ بر وزن بے لنگر سبزهٔ الیست میان پودینه و نعناع ۱۲ ‌ ‌ ‌ نسخه۲ گر بود

باغ می گوید که من در وجه ساقی می نهم — هر زر و سیمی که گل را جمع در دفتر شود

غنچهٔ نوخیز می خواهد ز بستان بر کند — تا بسوی مجلس شهزادهٔ کشور شود

شه نصیر دولت و دین کز نسیم دولتش — بارهٔ زرّین شاهان را بلند افسر شود

رای او را یک نظر در خانهٔ چرخ ار فتد — ماه را بینی که اندر خانهٔ دیگر شود

آفتاب از بهر خدمت هر زمان در قصر او — گه ز راه روزن و گاهی ز راه در شود

پیش نعل خنگ او را اندر آید ماه نو — خنگ زرّین نعل او چون زر ز زیور شود

ابر را ماند که هرگز پای ننهد بر زمین — برق را گیرد که در جستن بگردون بر شود

دست او شمشیر را در رنگ چنگز خان زند — چون بعزم رزم سوی لشکر آن خان در شود

گر ببند ایشان ز لشکرهای چون مور و ملخ — باک نبود مور را در وقت مردن پر شود

خسروا آبی نماند چشمهٔ خورشید را — تاب شمشیر تو گر بر گنبد اخضر شود

گر بدشمن سوختن تیغ تو میریزد بدهر — عیب نبود کائنه روشن ز خاکستر شود

آسمان با گردن خصمت رسن بازی کند — از سپهر چنبری چون پشت او چنبر شود

خون دشمن ریختن خود کمترین بازی بود — چون اجل با نوک پیکان تو بازیگر شود

نافه را سودای مشک از سر همه بیرون رود — گر نسیم خلق تو بر نافهٔ اذفر شود

هستی آن دریا که کشتیهای زر بخشی ازان — کشتی گز بار گوهر در برش لنگر شود

زان نهد ملاح کشتی را ز دریا تخته بند — کو همی دیوانهٔ آن دست پر گوهر شود

ای که در مدح تو چون کلکم شکر ریزی کند — دست وهم و دامن اندیشه پر شکر شود

بندۂ خسرو را بپرور کو جہانِ دانش است | تا ازیں پس نامِ تو شاہِ جہاں پرور شود
تا بہار از سبزۂ تر توتیا سازد بباغ | تا غباری از خزاں در دیدۂ بہر شود
چشمِ اقبالِ تو روشن بادِ از روی قدر | خاکِ پایت توتیای چشمِ ہر اختر شود

بلبل اندر گلشنی کیں نغمۂ شیریں زند
مست را دل گیرد آخر زیں شرابِ ضیا

(بحر ہزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن)

ضیا امروز پیغامِ گل آورد ست سوی من | کہ یادت میدہم وقتِ شراب و موسمِ گلشن
چو آمد در حمل خورشید بیروں کش بدستِ خود | صراحی را کہ در جوش ست خونِ فاسد اندر تن
چمن چوں خار سوزن زد بروے اطلسِ لالہ | فرو نگزاشت از آرایشِ گل یکسرِ سوزن
منم امروز و صحنِ باغ و بازی کردنے با گل | کہ بلبل از چہ گویا گشت و سوسن از چہ شد الکن
بگوے غنچہ کاندر مہد چوں طفلاں شدی بستہ | کہ آخر یوسفِ گل را چرا شد پارہ پیراہن
بنفشہ کاندریں وقتے چرا ازرق کند جامہ | مرا بارے نشد معلوم کاں شیوہ است یا شیون
ایا بادِ صبا گر تو غبارے داری از بستاں | تو دانی تند شو بر گل و لے از شاخ بر مشکن
سحرگہ خندہ کردہ گل بروے سرو آزادہ | بیارائے باد آں گل را و اندر پای سرو افگن
ہنگامی کہ بلبل بانگ دزدی می کند شبہا | بہ از غمازیِ نرگس بود خاموشیِ سوسن
سمن ہر روز در باراں چرا تر می کند جامہ | مگر ترسد کہ آتش گیردش از لالہ در دامن

نداند قدر مروارید گل بلبل کہ مرغان را
بہ از صد دانۂ گوہر بود یک دانۂ ارزن

نگارا بر نوروزی زد اندر بوستان کلّہ
اگر رای طرب داری چو گل خیمہ بصحرا زن

اگر امروز در بستان بگردن بست خواہی گل
ببین تا چند خونِ تازہ خواہی کرد در گردن

دلیلِ عیش شد کاندر قدح گل می کند بادہ
مگر افتاد عکسِ روی تو در بادۂ روشن

ہمی خواہد حریرِ سبزِ خود گلگون کند سبزہ
فرو ریزا از قدح جرعہ برویان از زمین روین[۵۱]

زر افشان کردنِ بہمن چہ دیدی در زمان وقتی
زر افشان کردن اکنون بین ز دستِ ثانی بہمن

شہنشہ اختیار الدین محمد شاہ کشلیخان
کہ گشت از زادنِ ہمتای او ہفت اختر استرون[۵۲]

چو جوشن پوشد اندر معرکہ صد صورتِ نصرت
پدید آید بجای عکس در ہر غنچۂ جوشن

بجنگ ار بیندش رستم بلرزد ہمچو تیغِ خود
ز سر تا پای گردد آب افتد در چہ بیژن

خود اندر عہدِ او در ستم نریزد خون اگر گوئی
چرا خون لمی ریزی و آن عذر آورد چون زن

سدا بی خنجرش ببرید نسلِ فتنہ بر نوعے
کہ تا محشر نخواہد شد جہان از فتنہ آبستن

چگونہ آبِ پیکانش بخونِ دشمن آویزد
چگونہ سازوار آید مزاجِ آب با روغن

نہ بیند روزنِ بدخواہ روی آفتاب الّا
بروزی کآفتابِ تیغِ او بشکستش کند روزن

فلک بزما چو در مجلس نشینی شاد در دولت
شرابِ ارغوانی در کشتی با لنعمت ارغن

عطارد شعر خوانت باید و زہرہ غزل گویت
کہ چہ زاد در کرمی بتیم و پروین بہ پیرامن

---

۵۱ نام چوبے کہ از وی رنگِ سرخ حاصل شود ہندی مجیٹہ گویند ۱۲

۵۲ زنِ عقیمہ ۱۲

مگر خورشید در عهدِ تو لافِ زرفشانی زد / که رنگ آورد لعل و آب و آتش در درونِ معدن

صدف هر روز دلتنگ ست بهرِ گوهرِ خود را / که بنگر تا کجا غلطد ز دستِ شه یتیمِ من

گهر کاندر پناهِ تیغ رفت از غایتِ جودت / نگردد ایمن از تیغت بسازد خانه از آهن

بدشمن هم رسید احسانِ تو کز تیغ گوهر کش / گهر در میکشی در مهرهای گردنِ دشمن

عدو ظن می برد کز زخمِ تیغت جان برد لیکن / دو بردش از تو ممکن کی شود یا جان برد یا تن

درختِ تند شد بدخواه و بادِ تند شد اسپت / تو بادِ تند را ران و از آن بیخ و بنش بر کن

اگر بر آخرِ خاصِ تو که از کهکشان نبود / عطارد بر کشد کیوان بکوبد ماه را خرمن

عدو بگداخت چون آب و بهاون کوفتش گردون / چو می ناید ازو کاری چه کوبد آب در هاون

حسن خلقا بمدحِ خویش حسنِ نظمِ خسرو بین / به تحسینی بجنبان سر اگر گفت ست مستحسن

ترا اقبال خواهد داد دولت باز تا دایم / نخواهد از کسی یاری مگر از ایزدِ ذوالمن

گر نقیر مایم سوادِ این ورق بر جبین را
از مبارک باد گویند انجمش صد مرحبا

(بحر رمل مثمن سالم وزن او مفاعیلن ۴ بار)

مبارک باد در دولت رسیدن شاهِ گیهان را / پناهِ لشکرِ اسلام پشتِ دینِ یزدان را

شهنشه اختیار الدین چراغِ چشمِ کشلیخان / که روشن کرد عکسِ جبهتش درگاهِ سلطان را

عدو شیطان ست در فعل و دو شاخی یاسجِ[1] تیرش / همای لا ای لاحول ست بهرِ دفعِ شیطان را

---

[1] یاسج به فتح سین مهمله جیم عربی تیر پیکان دار ۱۲

گر از خونِ عدو بے آب گردد نوکِ پیکانش
کند ہم خونِ شیطاں آب و بدہد نوکِ پیکاں را

مبیں دندانِ گوسالست پیکانش تو ایں بنگر
کہ از پستانِ گوسالہ کشد شیرِ نیستاں را

شہا از حکمِ تو گردونِ گرداں را نگردد سر
بگردد لیک از حکمِ تو سر گردونِ گرداں را

نمی بوسد لبِ اقبال جز پائے مبارک را
نمی زیبد نگینِ ملک جز دستِ سلیماں را

ز بہرِ آنکہ لافِ پُر دلی زد پیشِ تو دریا
گہر در سینۂ دریا فرو بُرد دستِ دنداں را

بر آبِ تیغ گر بہرِ عدو طوفانِ محنت شد
تو بستی بند اگرچہ کس نہ بندد بندِ طوفاں را

جہاں را آفتابِ فتنہ بستد سایہ می باید
بروں کش از میانِ بند برگِ بید لرزاں را

خراساں گیر شد صیتِ حسامِ ہندیت آری
بہندستاں کشیدی تیغ و بگرفتی خراساں را

عدو بندا ہماں بندہ است احسانِ ترا خسرو
کہ دایم بود خود بندہ شود نخچیرِ احساں را

گرش یک چند بیروں کرد حرماں از درت اینک
درونِ آں در آمد باز بیروں کرد حرماں را

نگوید جز دعائے تو کہ ابری و جہاں بے بر
چو کشت از ابر وا ماند دعا فرض ست باراں را

دُر افشاں باش تا خورشیدِ گردوں زر فشاں باشد
بپوشد از ابرِ دستِ خویش خورشیدِ زر افشاں را

اندریں نقشِ سیاہی چوں در آید کلکِ من
خضر گوئی می کند در آبِ حیواں آشنا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون محذوف وزنِ او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

بیا کہ وقتِ مِیِ لعلِ دل نواز آمد
بناز بر ہمہ خوباں کہ وقتِ ناز آمد

پیالہ برکفِ من نہ لبالب از مئی لعل | پیالۂ کہ چو لعلِ تو دل نواز آمد

کرشمہ کہ کند نرگسِ تو مگذارش | کہ آں شگافتنِ پردہای راز آمد

ز غمزۂ تو گرفت ست رسمِ پردہ دری | چنیں کہ نرگسِ بے شرم دیدہ باز آمد

تو شمعِ مجلس و لعلِ لبِ تو آتشِ شمع | بر آتشِ تو ز دندانِ بندہ گاز آمد

قبول کن کنم ار سجدۂ بپیشِ رخت | کہ طاقِ ابروئے تو قبلۂ نماز آمد

بجنگِ نے لفِ تو زاں صید گشت مرغِ دلم | کہ حلقۂ سرِ زلفت چو چنگِ باز آمد

کنوں بسایۂ زلفت چہ التفات کنم | کہ بر سرم علمِ شاہ سرفراز آمد

امید زیستنم از غمت نبود و لیک | زبانہ گشتنِ شہ عمرِ رفتہ باز آمد

مدارِ ثابتۂ چرخِ قطبِ دولت و دیں | کہ قطب نہ آمدنِ او در اہتزاز آمد

سپہر مرتبہ محمود شاہ کتلیخاں | کہ بخت بر درِ او بندہ چوں ایاز آمد

نشانۂ نظر و سایبانِ دولت و بخت | کہ فتح بر علمِ نصرتش طراز آمد

ز بستنِ کمرش آفتاب در جوزاست | کہ روز بر دولتِ او زآں سبب دراز آمد

ایا شہی کہ ز بہرِ عروسِ دولت را | ز موجِ دستِ چو دریای تو جہاز آمد

بجاہِ گشت صبا بوسہ داد پای ترا | جہاں کیست گرازندہ[2] چوں گراز[3] آمد

مخالفِ تو کہ با دارمی کند بازی | بہ پیشِ قبۂ قدرِ تو دار[1] باز آمد

فتاد سایۂ تیغت بر آفتابِ فلک | فلک ز سایۂ خود ہم در احتراز آمد

---

[1] دار باز بہندی نٹ ۱۲ [2] بناز خرامندہ ۱۲ [3] خوک نر ۱۲

عدو چو بستہ شد از آبِ چشم خویش چو یخ ‌‌ ‌ ز تفِّ آتشِ تیغِ تو در گداز آمد

خدنگِ تیرِ تو پہلوی خصم را بشکست ‌‌ ‌ چو چنگ شیر کہ بہ گردنِ گراز آمد

عدو کہ با تو ہمی کوفت آبِ رہا ورن ‌‌ ‌ بعاقبت سرش از چرخ در جواز آمد

خدایگانا منِ بندہ را دریں ایّام ‌‌ ‌ سخن بمدحِ تو آمد اگر فراز آمد

منِ غریب سخن راست التجا بدرت ‌‌ ‌ کہ آستانِ رفیعت غریب ساز آمد

اگر دعائے تو گویم سزد کہ بر ہمہ خلق ‌‌ ‌ دعائے دولتِ تو فرض چوں نماز آمد

ہمیشہ تا بود آں قصرِ کشیدہ بلند ‌‌ ‌ کہ دور او ز گل و خشت بی نیاز آمد

بلند باد ترا قصر و دشمنت در گل ‌‌ ‌ چو خشتِ پختہ کہ در زیرِ دستِ راز آمد

سوختم چنداں چراغ از سوزِ دل تا صبحِ حشر

خود بمیرد از دمِ صور ایں چراغِ دیر پا

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

شبِ برات کہ بر بام بر دیار چراغ ‌‌ ‌ ز نور گشت بہر جانب آشکار چراغ

مگر ز تابِ رخش پرتوے بشہر افتاد ‌‌ ‌ کہ شد پدید ز ہر خانہ صد ہزار چراغ

مگر از آں صنمِ شمع وش زبانی یافت ‌‌ ‌ کہ کرد سوختن و مردن اختیار چراغ

نشانِ سوختگی در سر آنچناں دارد ‌‌ ‌ کہ می بسوزد بر خویش زار زار چراغ

زباں کشید کہ من از ستارہ چیست ترم ‌‌ ‌ کہ شد ز تریِ روغن ستارہ بار چراغ

برائے آنکہ ز آتش کند زمیں گلشن — بمنجنیق نشیند خلیل وار چراغ

زہرِ بازیِ بکرانِ نعش را جوزا — ببامِ چرخ بیفروخت بر قطار چراغ

مگر کہ نورِ مہ امشب تمام قسمت شد — کہ شد شمردہ در آفاق بیشمار چراغ

ز وجہِ روشنیِ انجم نجم قسمت برد — چو شد بقسمتِ آں شب براتِ سیار چراغ

چراغ رو یاد دہانے سردمن بنگر — ز بادِ تند نگہدارد زینہار چراغ

بخانۂ تو چہ حاجت چراغ چوں بہشت — بمیردار چہ بسوزی ہزار بار چراغ

ز آتشِ دلِ من صد چراغ بتواں سوخت — و گر بکار تو ار نمی آیدت بیار چراغ

دلم بزلفِ تو ہمچوں چراغ می سوزد — نسوزد ار چہ کہ ہرگز بہ پیش یار چراغ

غلط فتد بشبِ تار زلفِ تو خورشید — اگر نباشد شب ازرائے شہریار چراغ

چراغِ دیدۂ چشمِ جہاں اختیار دولت و دیں — کہ یافتہ است ز چشمِ روزگار چراغ

جہان روشنیِ دولت علی بن ایبک — کہ ہست روشن از نور کردگار چراغ

بخانۂ کہ زر آتش حکایتے گویند — نمازِ شام چہ حاجت در آں جوار چراغ

سپہر منزلتا ہست پاسبانت قمر — کہ بر فروزد ہر شب بہ حصار چراغ

چراغ باشد غمازِ دزد و طرفہ کہ ماہ — ز طاقِ قصرِ تو دزدد بآشکار چراغ

چگونہ راہ رود ماہ در شبِ تاریک — تو گر نسوزی از آں قصرِ نامدار چراغ

چگونہ نور دہد باز نارِ خصم ترا — مگر کہ دود برآرد ز نور نار چراغ

نه از بریدنِ سرِ دشمنِ تو دارد باک — نه از بریدنِ بینی شود فگار چراغ

جهان ز رزمِ تو چون تیره گردد آتش تیز — ز مغزِ خصمِ تو سوزد بهر دیار چراغ

ز بهر سوختن سرزدن به پیشِ تو خصم — کند ز آبِ دو گلِ خویش خاکسار چراغ

فرس نگر چو به پشت چراغ پایه کند — چراغ پایه که بروی شود سوار چراغ

شراره که ز نعلِ جنیبتِ تو جهد — ظفر بخانه بسوزد از آن شرار چراغ

چراغ را نکشد در زمانِ عدلِ تو باد — تو خواه هر نفسی باد را سپار چراغ

سپهر کور چه داند که نورِ رای تو چیست — چو نامده است کسی کور را بکار چراغ

عجب نباشد اگر هر شبی بهر خانه — ز بخششِ گلِ زرّین کند نثار چراغ

قلم بمدحِ تو دودِ چراغ چندان خورد — که گشت سوخته زین کلک دود خوار چراغ

کسی که روغنش از بی زری نداشت کنون — ز دولتِ تو برافروخته ز روزگار چراغ

من این سخن چه کشم پیشِ رای روشنِ تو — به آفتاب که دادست یادگار چراغ

چو شب ثنای تو پیشِ چراغ بر خوانم — ز ماهتاب نخواهم بمستعار چراغ

همیشه تا که بود در چراغِ چرخ قرار — بقصرِ روشنِ تو باد برقرار چراغ

کی کند انگشت بر حلوای عید آخر دراز

چاشنی گیر اریں حلوا نشود انگشت ما

(بحر رمل مثمن مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

خاتمِ ماهِ نو عید شد انگشت نمای — مهرِ روزه ز نگینِ لبِ ما باز گشای

بین شهاب فلک و نیزه دوانیدن او | که شد اندر شب تار از رمهٔ نو حلقه ربای
مرده بر لهو بجنبید همی رگ بر چنگ | زنده شد عیش و در آمد نفسی در تن نای
ساقیا روزهٔ ما شب بمیان کرد و برفت | روزها شد ز میان رفته آخر باز آی
شیر دندانی و خرمالب و روز عید است | شیر و خرما قدحی زود بده دیر مپای
جامه در عید معطر بای که تر کن بگلاب | جام می در ده و تر کردن جانم فرمای
عکس خود بین همی و عکس می اندر رخ خود | روی در آئینه و آئینه در روی نمای
تو نداری دهن و لب که همی بینم چیست | می ز دستت شده در صفوت تو عکس نمای
شهسوارا بوغا گره بروی ان و بکوش | که به پیمانهٔ سهم حمله جهان می پیمای
زان کند باده سر از روزن قرابه برون | که بنظارهٔ مستان بودش هر دم رای
جرعه دانی که چرا رو بزمین می آرد | خاک می بوسد پیش ملک بزم آرای
اسد دین و دول خانهٔ خورشید شرف | کاسمانی ست نه فر قد فرقد فرسای
ارسلان آنکه چو بندد بکمر ترکش کین | چرخ گوید که زهے شیر گرستاسے همای
بس که شمشیر تو شیران ژیان را پی کرد | پیش شمشیر تو شد شیر ژیان کوته پای
تیغ تو قطرهٔ آبیست که از ابر کفت | بر سر هر که فتد و سرد شود هم بر جای
از دل پاک تو صد نکته بیک رای زدن | نزند در همه عالم کس ازین بهتر رای
زان نهان باشد و کس را ننماید سایه | که همایون ظلمت سایه بدزدیده همای
گاه بزم تو باموات رسد بوی بهشت | از نسیمی که شود جرعهٔ تو غالیه سای

خواهد از دستِ تو بیرونِ جهاں بگریزد　　بحر را گر ز حباب آبله نبود در پای

سرورا خسروِ نطقم سخنم بشنو از آنکه　　تو خداوندی و من بنده خداوند ستای

صد خیالم نه یکے روئے نماید چو ثنات　　شود از آئینهٔ خاطرِ من زنگ زدای

بدعا خواهشم اینست که بیخواست جهاں　　گر خدا خواهد چیزے که بخواهی ز خدای

بر بیاضِ کاغذیں شکّر فشانی را ببیں
راست گوئی کانگبیں با شیر گشتست آشنا

(بحر رمل مسدس مقصور　وزن او　فاعلاتن　فاعلاتن　فاعلات)

لاله رویت را چه خواند یاسمیں　　باده لعلت را چه گوید انگبیں

در دهانِ تنگِ تو گفتارِ نرم　　گوئیا موم ست در انگشتریں

گر شنیدے خندهٔ دندانِ تو　　آمدے دندانِ پرویں بر زمیں

مه بسے خواهد که باشد چوں رخت　　او چه خواهد دیگر ار باشد چنیں

در بنا گوشِ ترت زلفِ سیاه　　سایهٔ طوبیٰ ست بر ماءِ معیں

باد صندل سای شد بر سنگ کوه　　زاں قرنفل بوی زلفِ عنبریں

تا دهانِ غنچه را وا می دهد　　باد شد بر خاک راهش بوسه چیں

عارضِ گلگوں به نرگس وا نمائے　　تا نه بیند بیش روئے یاسمیں

دور کن آئنه را از پیشِ روی　　رشک می آید مرا در خود مبیں

بر سرم بر می دوی ہر دم چناں کہ — بر سرِ شاہانِ عالم تاجِ دیں

آں محامد را محمدؐ کامدہ است — عدل را نوشیروانِ راستیں

موئے را ماند سراسر عدلِ او — داند آنکس کو بود باریک بیں

قاضیِ گردوں گواہِ عدلِ اوست — خود گواہِ عدل بس باشد ہمیں

بشگفد اقبال را ہر دم گلے — چوں کشد بادِ صبا را زیرِ زیں

از سنانِ نیزۂ او در مصاف — نیزہ بالا خوں رود در روزِ کیں

شد چو ابر جامِ جودش جرعہ ریز — در صدف غلطاں شدہ درِّ ثمیں

خُلقِ او گر ناز کردی بر صبا — گل کجا در باغ بودی نازنیں

اے فلک قدری کہ بر خاکِ درت — ماہ را جبہہ است و جوزا را جبیں

خیز با دولت نشیں کاقبال را — از تو نیکوتر نخیزد ہمنشیں

از نوالِ تست دریا را یسار — اے ترا در بزم دریا در یمیں

آستینت زر بدامن می دہد — دامنت پر دست و دست از آستیں

سر ہمی گردد گلِ بزمِ ترا — بادِ مشک آلودۂ خلدِ بریں

گوش مالد بربطِ ناہید را — مطربِ بزمت بآوازِ حزیں

در زبانِ بندہ خسرو کن نظر — کو سخن میگوید از سحرِ مبیں

کلکِ او سحر آفرینِ مدحِ تست — آفریں بادا بریں سحر آفریں

منزلِ مدحِ ترا چوں حد نبود — صبحدم گاہِ دعا کردم گزیں

تا قرانِ اختراں باشد بچرخ   باتو بادا اخترِ دولت قریں

در بدایوں مُہرہ مست برخیزد زخواب
گر بیابد غلغلِ مرغانِ دہلی زیں نوا

(بحرِ رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

اے زدرگاہِ شہ اقطاع بدایوں یافتہ   مسندی بالاتر از بالای گردوں یافتہ
تاج گوہر تاجِ دیں کو از برائے تہنیت   از وجودِ خود ہمائے بس ہمایوں یافتہ
ہر کجا دستت دُر افشاں گشت خلقے بر زمیں   سنگریزہ جستہ لؤلوئے مکنوں یافتہ
ہر کجا عقلِ تو در سرِّ نہاں محرم شدہ   عیب رو پوشیدہ را از پردہ بیروں یافتہ
چوں بہ حلقہ مسلسل گشت رایت در علوم   عقل کل خود را دراں زنجیر مجنوں یافتہ
دشمنت نایافتہ در عمر آبے بر جگر   لیک ہر ساعت زبی آبی جگر خوں یافتہ
کاف و نوں در زیر و بالائے کمانت بستہ شد   ای تو از نقشِ کماں ہم کاف و ہم نوں یافتہ
دشمن از تیرت شدہ غربیل و خاکش را اجل   بیختہ زاں گوہرِ یکایں بافسوں یافتہ
دہر شش پہلو نبامت قرعۂ دولت زدہ   چرخ نہ صفّہ بروبیت فالِ میموں یافتہ
بندہ خسرو کو گہر می چیند از میزانِ شعر   در سخن سنجیِ مدحت سحرِ موزوں یافتہ
یافت یادش در جہاں عمری کہ کس مثلش نیافت   تا نباشد در جہاں نایافتہ چوں یافتہ

اندریں صفحہ چو من دادِ سخن دادم تمام
شاید ار اہلِ سخن بدہند انصافے مرا

(بحر ہزج مسدس مقصور وزن او مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل)

زہے بخشادہ بر عالم درِ داد — کسے این در کہ بکشادے تو بکشاد

جہانِ عدل فخرِ دولت و دیں — توئی کانصافِ تو کرد از تو بنیاد

فرامش گشت نوشرواں بعہدت — ندارد ہیچکس عہدے چنیں یاد

در ایّامت نکرد از ہیچ راہے — ز دستِ رہزناں جز چنگ فریاد

نہاد از بیم عدلت شیرِ شرزہ — ولیکن مادہ آہوش از شکم زاد

ہم از تیغت ہزبراں را جگر سوخت — ہم از تیرت پلنگاں را دل افتاد

ازاں آتش بجست از زخمِ تیرت — کہ پنہاں شد میانِ سنگ پولاد

چو راندی بادپا را بر سرِ خصم — سر اندر پاے اسپت داد بر باد

چو گل شد بندۂ خُلقِ تو شاید — کہ گل را بندہ گردد سروِ آزاد

ببازارِ ثنایت کلکِ خسرو — متاعِ خویش در سودا بروں داد

نیفتد بر زمیں ہرگز دعایش — کہ از بامِ بلندت یافت اسناد

بہ بینش طاقِ جہت خواہم بصد فن — کہ باشد خیمہ دہلیزت یکے باد

کشیدہ بارگاہت بر فلک سر — بحبل اللہ کہ قائم زوست اوتاد

ای خوش آوازی کہ زین نکتہ زباں را تر کند
تا ش لب اندر دہاں آید بہنگام ادا

(بحر ہزج مثمن سالم وزن او مفاعیلن ۸ بار)

سمنبر ماہِ من رخسارہ چوں گلبرگ تر دارد
شکر لب یارِ من گلخند در زیرِ شکر دارد

جمالی کاں پری دارد ندارد بر زمیں مردم
مگر خورشید گردوں دارد و آنہم اگر دارد

مرا بارے حقیقت نیست کو دارد دہاں یا نے
ولیکن گہ گہش در خندہ می بینم مگر دارد

بسوئے خود کشد سر رشتۂ عقلِ مرا ہر دم
دہانِ او کہ از سوراخ سوزن تنگ تر دارد

میانش نیست واں کش ہست در زیرِ کمر موئے
ہماں رشتہ است کو اندر گرہہائے کمر دارد

بناز آنگاہ کز حسنت خبر شد در ہمہ عالم
خبر از خود ندارم گر ہمہ عالم خبر دارد

مرا گفتی نظر کن در سوئے من تا شوی زندہ
تو خود گو چوں نہ بیند آنکس کہ آں رو در نظر دارد

ز چشم خویش خوں گریم چو روئے نیکواں بیند
کہ او ہر دم مرا ہم خویشتن را در جگر دارد

اگر غرقہ شوم زیں چشم چوں دریا عجب نبود
کہ ہر دُر کاندریں دریاست گردابی دگر دارد

بخاک اُفتادہ ام بر آستانِ دولتِ خوباں
کسے باشد کہ ایں افتادہ را از خاک بر دارد

جہانِ عدل فخر الدین کہ عدلِ ہمچو موئے او
بموئے میش بر بستہ گلوئے شیرِ نر دارد

ملک محمود بن والا حسین آں صاحب انصافے
کہ ہم عدلش بداد انصاف کو عدلِ عمر دارد

الا اے منصب آرائی کہ رنگِ تابشِ لعلت
بسرخی شفق ماند کہ پشتِ ماہ و خور دارد

قمر میخواهد از پروین شرف از ماه اعلات ‌ ‌ ‌ ‌ مگر پروین ازین گه گاه دندان بر قمر دارد

بریخ از زین بردارد زمین را بر زبردستت ‌ ‌ ‌ ‌ کسے کین خاکِ مسکین را چنین پیروز بر دارد

دو در بکشاد تیرش در دلِ خصم و دلش خون شد ‌ ‌ ‌ ‌ که جانش از پی بیرون شدن راهی دو سر دارد

بگردون رودِ شب رشته در سوزن کشد عیسیٰ ‌ ‌ ‌ ‌ که نورِ رای والایت بر گردون گزر دارد

کسے کو را بصر نبود کشد خاکِ تو در دیده ‌ ‌ ‌ ‌ نکوتر در کشد در دیده آنکس کو بصر دارد

چو دولت سر یکی کرد ست با تو کیست در عالم ‌ ‌ ‌ ‌ کند با تو دوئی در سر مگر آنکس دو سر دارد

زشکّر ریزیِ مدحت قلم در دستِ خسرو بین ‌ ‌ ‌ ‌ که سرتا پا ز شیرینی طریقِ نیشکر دارد

رهِ عمرِ تو با دا از قیامت منزلی زان سو ‌ ‌ ‌ ‌ اگر زان پیشتر را ند رضیت رهبر دارد

در تماشائے چنیں شعرے که دو قوم نیستش

کوریِ احوال اگر بینائی داری بیا

(بحر ہزج مثمن محذوف وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

کشا دم دیده در روئے تو ناگه ‌ ‌ ‌ ‌ بچشم در شدی ناکرده آگه

اگر گویم که از جورت کنم آه ‌ ‌ ‌ ‌ ز تیغم پاره کن و ز تیغم آن وه

بدان من می کنم گه گه زنخدانت ‌ ‌ ‌ ‌ ببین هر جانِ خود را می کنم چه

قدت شاخِ انار در روئے تو نار ‌ ‌ ‌ ‌ تعالی الله ربّی قد انا رکه

اگر پرتو زند خورشیدِ رویت ‌ ‌ ‌ ‌ بسوزد مه درونِ هفت خرگه

هم آخر از تو کاهش کرده با آگه — دو هفته راست کرده روے خود مه

بکن با چشمِ خود نرگس مقابل — کسے آئینه ننهد پیش اکمه

صفا از روئے تو کرد آئنه دخل — بنام ایزد زہے دخلِ موجّه

بگریم هر سحر بر یادِ رویت — که باراں خوش بود وقتِ سحرگه

نثارِ دُرّ مهیا کردم از اشک — کند آخر گهے در چشمِ من ره

ملک والانصیر الدوله محمود — که بخشش هم ملک خوانده است هم شه

ظفر با عزمِ او گوید که آخر — مرا کارے همی فرمائے گه گه

بخندد بر فلک بختِ جوانش — چو دانا کودکے بر پیرِ ابله

زہے روشن شده ز آفاق گیری — چو خورشید اندریں پیروزه خرگه

عدو با خویشتن بینائیِ داشت — سنانت چشمِ زخمش کرد ناگه

خدنگش شد سوئے دشمن دلیش گفت — درون آ ـ از کجا ـ پرسیم خه خه

چو بیروں شد ز سینه کرد فریاد — که جاں از سینه بیروں رفت وه وه

بسوزد گوهرِ تیغت کساں را — سرشکے ز آتش و خونخوارے از که

غبارِ دشمن از تیغ تو بنشست — بلے از آب بنشیند خاک در ته

نگوں شد شیرِ نر از عقدِ شستت — چنانک انگشتِ نر در عقدِ پنجه

تو ایں هم حمل کن بر مردیِ شیر — که او از حملهٔ تو می نهد زه

تصوّر کے کنم بے خنجرت فتح — نخست آئینه بارے صورت آگه

چو مَی بر دست گیری گویدت بخت | هنیئًا ما سقاک اللہ راحہ
تو چوں گل زر فشانی نے چو نرگس | کہ زر دارد ولیکن چشم کوتہ
بمدحت خسرو از خط موے معنی | مسلسل کرد اعزّ اللہ شانہ
دعا می گویم و زاں بہ دعائے حق | نمیدانیم د عی و اند منزّہ
کہ می خور میوۂ مقصود پیوست | ز شاخِ زندگانی بارک اللہ

باچنیں شعری سمالافِ بلندی میزند
لاجرم ہیں صبح آنگہ می بخندد بر سما

(بحرِ خفیف مخبون محذوف وزن او فاعلاتن مفاعلن فعلن)

روے بنمود صبح سیم عذار | ساقیِ صبح روے بادہ بیار
جام دہ رو نما بصبح کہ باز | روے بنمود صبح سیم عذار
شمع را بر سر آمدست حیات | شربتے از قینۂ بیروں آر
آتشِ مشرق از دمیدنِ صبح | می زند شعلۂ بے دخان و شرار
گر چراغِ سحر ز باد بمرد | مردن از باد لیس شگفت مدار
شمع از مردنِ چراغ بسوخت | وز سرِ سوز می بگرید زار
خاک عودی بصندلی زمیں | صندلے سودہ شد ز بادِ بہار

ز ا می گوید ۵۲ صراحی۔ شیشۂ شراب ۱۲

می رود باد صبح و می آید — زو مرا بوے لالہ و گلنار

آب را لب پُر از نبات شده است — از شکر خندۂ گل و گلنار

باز پیغامِ گل بہ بلبل گفت — چشمِ نرگس بنوکِ غمزۂ خار

کوژ گشتہ بنفشہ می جوید — دُر کہ باراں بخاک کرد نثار

از ہوا آب می خورد غنچہ — دست در پیش داشتہ چو چنار

غنچہ را بستہ گشت دل بر شاخ — تا تو نکشای اے صبا زنہار

چشمِ نرگس شود پُر آب چو ابر — بر گلِ کم بقا بگرید زار

ہر سحر گاہ روئے گل بیند — نرگس از خواب چوں شود بیدار

گرہِ غنچہ می کشاید باد — شاخ را گل ہمی کشد بردار

دہنِ غنچہ ار چہ بوے کند — چوں خورد بادہ نرگسِ عیّار

خونِ لالہ بریخت گہ اکنوں — چنگِ مرغان و دامنِ کہسار

گل بریں باد می پرید بسے — کہ نسیمِ منت مشکِ تتار

لیک دیدم کہ سر نہاد چو دید — خاکِ درگاہ شاہ چرخ شعار

نے گل از زر شتہ می کشند رحمت — بلکہ از باد می شود بیمار

بوے می ناید از صبا چو وزد — باد احسانِ شاہ گیتی دار

شاہ عالم غیاثِ دیں کہ درش — روضۂ رحمت آمد اندر بار

خواستہ روز زندگانیِ او — زندہ داران شب بہ لیل و نہار

در سخا یا یمین میمونش — ابر گرینده روے را چه یسار

گر نسیمے ز خُلق او یابد — مشک از خونِ خود شود بیزار

اے جہاں خسروی کہ صولتِ تو — افسرِ خسروان کند افسار

پیشِ تو ملکتِ سلیماں را — یاد گیرند خسروانِ دیار

از تگِ بادپاے تیزی تست — در دلِ باد صد ہزار غبار

آفتابے ست تیغِ تو کہ بتافت — در وغا روئے صد ہزار سوار

تیر چوں در کماں کشد دستت — کرگسِ چرخ را کند مردار

تا کمندِ تو خواندم از شادی — دیدم از پوستش بروں شدہ مار

خصم را از خیالِ نیزۂ تو — موئے بر تن ہمی شود مسمار

از شکوہِ سہ پایۂ علمت — ہفت کرسیِ چرخ راست مدار

خود دراں شبہہ نیست کرسی را — باشد از قوّتِ سہ پایہ قرار

می برد بازوئے نشانۂ تو — فتح خواہد گرفتنش بہ کنار

از فروغِ ہلال رایتِ تست — ماہِ نو را فزودنیِ انوار

تا بہ تیزیِ طبع بہرِ ترا — سفتم ایں چند لولوئے شہوار

ز آفتابِ ضمیرِ سلطانی — نظم را ہست گرمیِ گفتار

ہست در حلقۂ غلامانم — لعلِ کانی و دُرِّ دریابار

زُہرہ وار از زہر ست چوں ایں شعر — نامِ او کردم ازہر الانوار

گیرد سر رشتۂ دعا خسرو — زاں کہ شد گوہرِ سخن بسیار

تا بہ پیچیدہ ہفت ہیکلِ چرخ ق — کاتبانِ جلال چوں طومار

باد قدرت چناں کہ از تعظیم — سر نہد بر خطِ تو نہ پرکار

باروانیِ چنیں شعرے کہ در باغِ غلست

سرو و گل بارے چہ می جنبند چندیں از صبا

(بحر مضارع اخرب محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

باد صبا بسرو روانش کجا رسد — تنگِ شکر بکنجِ دہانش کجا رسد

سرو ارچہ در چمن بلطافت رواں شود — ہم در قدِ چو سرو روانش کجا رسد

عاشق در آرزوے میانِ چو موئے او — با آں کہ موئے شد بمیانش کجا رسد

تیغِ زرخش فروختہ دستِ ایزدست — از بادِ سر دہندہ زبانش کجا رسد

جاں گرچہ دست برد بشیرینی از شکر — در لب رسد وے بلبانش کجا رسد

ہر روز اگرچہ ماہ فزوں تر کشد کماں — در ابروے بلند کمانش کجا رسد

نرگس چو سرمہ خاکِ رہش گر کشد بچشم — عین الکمال از تیرِ قانش کجا رسد

چشمِ عشقِ سرمۂ او می شود رواں — تا خاکِ پائے شاہِ جہانش کجا رسد

عادل غیاثِ دیں کہ چو رائیش دہد فروغ — شمعِ سپہر در لمعانش کجا رسد

جائیکہ چوں ستارہ بلندست گوہرش — لولوئے بحر گوہرِ کانش کجا رسد

هر شب اگر نه ماه بود پاسبانِ او — از خوانِ چرخ گوشهٔ نانش کجا رسد

با آنکه ماه پاره کند پردهٔ کتان — از عدلش آن ستم بکتانش کجا رسد

خوانش سپهر و مهر سحری کار آفتاب — بنگر ز ریزه چینیِ خوانش کجا رسد

گردون گمان برد که رسد بر درش ولے — آنجا که آن درست گمانش کجا رسد

گر گردهٔ فلک نبود زیرِ زینِ او — یک جو ز راهِ کاه کشانش کجا رسد

بادِ صبا عنانِ وی از دست چنگ او — گیرد ولیک آن بعنانش کجا رسد

گر صد هزار نیزه شود ز آسمان بلند — خورشید هم بنوکِ سنانش کجا رسد

او در رسد بحمله چو شیرِ ژیان به تیر — لیکن بحمله شیرِ ژیانش کجا رسد

شاها کفت که از لبِ دریا سخن کند — دریاے بیکراں بکرانش کجا رسد

از خاکِ پایش ارچه بجائی رسید مشک — در بوی خُلق مشک فشانش کجا رسد

اقبال را گلے که ز روئے تو بشگفد — آسیب دستِ بادِ خزانش کجا رسد

سبزه سپید کرده محاسن درین هوس — کز خطِّ عارضِ تو نشانش کجا رسد

تا دشمنِ ترا نکند تیغِ تو قلم — از دستِ دهر خطِّ امانش کجا رسد

صیتِ ترا که تیغِ تو اندر زبان گرفت — بینی که او ز دست زبانش کجا رسد

خسرو که شد بمدحتِ تو جادوئے زماں — هر کس به جادوانِ زمانش کجا رسد

شوریست بر درت ز نفیرِ دعای خلق — در گوشِ دولتِ تو فغانش کجا رسد

تا ابر در رسد ز بلندی بلامکاں — وانجا که دستِ تست مکانش کجا رسد

بادت مکاں چناں کہ شود ابر گر بلند　　امکانِ در رسیدنِ آتش کجا رسد

ہر کہ او دردِ سری دارد برای زندگی
بس بود زیں شعر سوزان و دلنشینش دوا

(بحر مجتث مثمن مخبون مخبون مقصور　وزن او　مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

مہِ دی ست بباید نشاط را اسباب　　سماع و آتش و خرگاہ و ساقیان و شراب

ز بادہائے خنک موی آدمی ز قبا　　بروں ہمی گزرد ہمچو سوزن از سنجاب

شہِ سپہر چو میلِ ہمہ با آتش دید　　ز برجِ آبی درِ آتشیں نمود شتاب

مگر کہ تیز نماند آفتاب را شمشیر　　کہ داد از آتشِ خود خانۂ کمان را تاب

چو رشتہ کوتہ گردد ز تاب رشتۂ شب　　چرا دراز شد از تاب دامنِ مہتاب

اسیر ماند دریں رشتۂ دراز و سیاہ　　چو من کسیکہ ز تنہائیش نیامد خواب

بروئے شاہدِ بستان ہمی چکد شبنم　　ترست زلفِ شبہائے ماہتاب بہ نقاب

بچشمہائے چمن بادِ گل ہمی افگند　　ازاں بہ بست مگر چشمہائے خود را خواب

چو دید کس بلبِ جوئے مے نخواہد خورد　　دکانِ شیشہ گری را روان ببست حباب

بہ بیں بہ بوتۂ گل آب را و روشن کن　　کہ تا چگونہ تواں کرد نقرہ از سیماب

بزیر برف نگر لالہ را بدامنِ کوہ　　چو آتشے کہ نہندش میانِ پنبہ با آب

جہاں گرفتہ زمستان و بزم شاہ شدہ　　بہارِ عالم و دستش دراں میاں چو سحاب

نهاده منقل و آتش برون کشیده زبان
چو تشنگانِ فرومانده درمیانِ سراب

حکیم میوهٔ آں فصل خواند آتش را
یقیں کہ میوهٔ آں فصل ہست ہم در تاب

کدام میوه ازیں خوب تر کہ در مہ دی
ز چوبِ خشک دہد نار و دانہ و عنّاب

مثال آتش و انگشت چوں غراب و تدرو
بہم در آمده سرخ و سیه چو چشم عقاب

زہے غراب کہ آتش خورد تدرو شود
خہے تدرو کہ چوں آب خورد گشت غراب

تدرو سرخ و چہ زاغش نشانِ سوختگی
کہ سوز او دلِ درّاج و کبک کرد خراب

ستاده ساقیِ زرّیں کمر پیاله بدست
چو آفتاب کہ بر دست کرده لعل مذاب

ز تفِّ آتش گلرنگ می عجب نبود
کہ در گداختن آید پیاله ہمچو گلاب

پیاله راست بآبِ تنک ہمی ماند
کہ از مزاجِ ہوا بستہ گشت در دولاب

قرابه چنداں خونابه خورد از ساقی
کہ خوں ہمی رودش از دہان بجائے لعاب

بطِ شراب نگه کن اگر ندیدستی
بطی کہ از شکمش زاده می شود سرخاب

زہے لطافتِ می کش چو آورند ز دست
رسد کہ دست بشویند مطلق از جلّاب

خہے مزاج شناسی کہ یک زماں در پوست
درون شود و گذرد فی العروق والاعصاب

نشسته اہل طرب گر بپرده دست زنند
فرو درند بانگشت زہره را جلباب

رباب و نی ز دو دستِ چو آب ہر ساعت
دو بحر کرده رواں و ز چہار رود رباب

برائے گردنِ غم چنگیِ تو در داه است
بدستِ خویش سرِ رشتهٔ طرب را تاب

شبابِ شاخ زماں از تنی آں ہمه را
جنون گرفته و لے شعبة الجنون شباب

بنوکِ لعل شود سفتہ ایں غزل مطرب　　گشد بتارِ بریشم بسانِ دُرِ خوشاب

(المطلع الثانی فی الغزل)

چہ آفت ست نمی دانم ایں بزیر نقاب
کہ نا نمودہ نمود آنچہ سینہ گشت کباب

تو رخ مپوش کہ از ہفت پردہ بنماید　　چو آفتاب فروزندہ از چہار نقاب

تو زلف را زکلہ بفگنی عجب نبود　　کہ دل بکنگرِ خورشید بر رود بطناب

مرا ز ابروئے تو شبہہ می رود بنماز　　کہ سجدہ می کنم و صورت ست در محراب

تو می کشی و کسے را کہ می کنی بیہوش　　ذبیحہ را چہ خبر تا چہ می کند قصّاب

مرا کہ سوختہ گشتم ز آفتابِ رُخت　　ازاں لب ار بتوانی بشربتے دریاب

ولے سوالِ مرا در جواب می لنگی　　مگر کہ در شکر آلودہ است پائے ذباب

شتاب می کندم عمر در فراق کوشش　　ترا کہ از پسِ عمرے بدیدہ ام مشتاب

وگر چہ عمر نماندم بعاریت خواہم　　ز نامِ باقیِ شاہنشہِ سپہر جناب

(المطلع الثالث)

سپیدہ دم کہ دمد آفتاب روشن تاب
زمانہ را کند از آفرین شاہ خطاب

یگانہ نصرتِ دیں قاں ملک محمد راد　　خدایگانِ فلک مرکبِ ہلال رکاب

گرفتہ منزلِ رفعت بر آسماں لقبش　　اگرچہ منزل گردد ز آسماں القاب

بہ بند بازوے اوبست بہر قوتِ دیں　　زمانہ رشتۂ انصاف و گوہر خطّاب

جہاں نہ معدلتِ او ست قائم ار نہ بچرخ　　بروج منقلب اند و ستارگاں قلّاب

زغیبِ ہر چہ کند روشن اخترِ رایش — چگونہ حل کند اختر بہفت اسطرلاب

بضبطِ خویش در آمد ممالکِ روئے زمین — ہمہ بکوششِ ثابت ہمہ برای صواب

کشند گردنِ گردنکشاں برشتۂ حکم — کہ ہست مالکِ ملکے قابِ کُلّ رقاب

گہِ عتاب کہ سہمش فرو درد زہرہ — کراست زہرہ کہ پیش آیدش بگاہِ عتاب

حسود دم خورد از جادوئے بود در تیر — چو برکشد بگہِ رزم تیغ ہمچو سداب[۱]

کشد ز رشتۂ رگ مہرہائے گردنِ خصم — حمائلے دہدش خوں بہا بجائے ضراب[۲]

زمیں بیضیہ صفت مہرۂ شود از عاج — زبس ترایب دشمن کہ بشکند بہ تراب

بود دریغ درآب و گِل عدو تیغش — گہر چگونہ تواں ریختن میانِ خلاب

کند ز چرخ ترازو کہ ہیچ برنکشد — مثل چو تیر کند سوئے آسماں پرتاب

ہزار گوہرِ سیارہ را کند سوراخ — برائے شاہدِ مشرق بہ تیر ہمچو شہاب

ز پردۂ دلِ دشمن بروں جہد تیرش — بسانِ برق کہ ناگہ بروں جہد ز سحاب

سپہرِ قدر ز نورت کند جہانگیری — ز رائے روشنِ عالیت جوید استصواب

بریدِ صیت تو گشت روز چرخ بر دست — بہ پیش قاصد او مہ یکے ست از نوّاب

ز چشمِ مرحمت ار یک نظر بچرخ کنی — ہمہ وبالِ کواکب بدل شود بثواب

گہر کہ دستِ تو ریزد بروئے تختۂ خاک — حساب آں نتواں کرد تا بروزِ حساب

گم ست گوہرِ روزگار در گہرت — چو آدمی کہ بود اوفتادہ در گرداب

مگر کہ خلقِ خوشت را چراغ خواہد داد — کہ گشت بادِ صبا گنجِ غنچہ را نقاب

---

۱ نام گیاہی ۱۲ ۲ تیغ زدن ۱۲

جماعتے کہ چو قمری اسیرِ طوقِ تواند — اجل نیفگند اندر گلوئے شاں مضراب
کساں کہ راندۂ خوانِ مکارمِ تو شدند — دو دست بر سرِ خود می زنند ہمچو ذباب
خدایگانا بشنو حدیث بندہ بصدق — کہ گرچہ شاعرِ خاصم و لے نیم کذّاب
چہ سحرہا کہ بمدحِ تو کردہ ام پیدا — کہ خسروِ سخنم خواندہ اند اولوالالباب
زخامہ گرچہ چو طفلاں ہمی دواتم نے — ولیک گوئے بلاغت ببردم از اصحاب
ہمہ زکوٰۃ ستانِ منند اہلِ سخن — چو از نصیب معانیم کامل ست نصاب
سوادِ دہر بگیرم زخامہ چوں امروز — مرا بہ پشتیِ مدحِ تو ملجا است و مآب
دراز دارم بکرانِ نطق را رشتہ — کنون سزد کہ بہ پیچم طویلۂ اطناب
بحق دعائے تو گویم کہ ہر کہ آں گوید — ندای ہفت فلک بشنود کہ گشت مجاب
زہر درے کہ درآئی زبارگاہِ مراد — کشادہ باد زعونِ مفتّحِ الابواب

روز نوروز و شبِ عید ایں بیاض و آں سواد
کز تنعّم در گلاب و گل ہمی دارد مرا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون مخبون مقصور، وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

بہار بادہ کہ گل در چمن قرار گرفت — ز دست عید جہاں جامِ نو بہار گرفت
بہار گوئیِ مشّاطہ ایست از پئِ عید — کہ دستہائے گلِ سرخ در نگار گرفت
ز بہرِ رزمِ خزاں سحرِ آب را بنگر — کہ از حباب سراسر ہمہ سوار گرفت

بنفشہ حلقہ صفت گشت بہر بازی عید　　سپاہ سبزہ و گل نیزہائے خار گرفت

رسید سبزہ تماشا کناں پس از سلے　　بعرصۂ چمن و راہ جویبار گرفت

دوید آب و بغلطید سبزہ را در پاے　　بخاست سبزۂ تر آب را کنار گرفت

ستارہ بار شد ابر و قیامت این بنگر　　سر و و بید ز باراں ستارہ بار گرفت

بریخت کوہ گراں سنگ خونِ لالہ بہ تیغ　　از انست ابر کہ دامانِ کوہسار گرفت

زمینِ مردہ خدا زندہ کرد خاصہ کنوں　　کہ خاک را چمن خونِ لالہ زار گرفت

بخیرتم کہ چرا دستہای بید انجیر　　کبود گشت مگر پنجہ با چنار گرفت

چمن بروز بشت خندہ می کند کو را　　گرفت سایہ و از ابر سایہ دار گرفت

حدیثِ جودِ شہ ابر بہار خنداں گفت　　کہ گوشہائے چمن دُرِّ شاہوار گرفت

گل پیادہ بتازیِ خار گشت سوار　　عناں کشادہ رہِ بزم شہریار گرفت

شگوفۂ چمن ملک شاہ نصرتِ دیں　　کہ بر ستارہ جہاں را بہار دار گرفت

خدایگان سلاطیں محمدِ سلطاں　　کہ چوں علی رضؓ ہمہ عالم بذوالفقار گرفت

ازاں براقِ فلک بارگیر خورشید است　　کہ چتر زر بسر او بوقت بار گرفت

حسود را کہ اندر بود در شکم دنداں　　ہمہ ز خونِ جگر رنگ چوں انار گرفت

گزیدہ شد ز سنانش سپہر افسوں ساز　　دراں زماں کہ بکف نیزۂ چو مار گرفت

شبِ سیاہ کہ روئے زمیں ہمی گیرد　　جہاں ز پرچم رخش کمینہ تار گرفت

خدایگانا تیرت چہار پر دارد　　کہ چار گوشۂ عالم بداں چہار گرفت

تراست ملکِ سلیمان و تو سنت بادی — کہ دیو را بعزیمت برائے کار گرفت

دران زماں کہ سپاہِ مظفّرت شمشیر — زبہر سر زدنِ کافرِ تتار گرفت

فتاد زلزلہ از بارِ لشکرت بہ زمیں — چو کوہِ حلم تو لنگر شدش قرار گرفت

چگونہ صبح فلک را برشتہ پیماید — مگر جمازۂ صیتِ ترا مہار گرفت

نخفت بختِ تو ہرگز اگرچہ در ہمہ وقت — بیادِ مجلسِ تو جامِ خوشگوار گرفت

نگشت صاف مگر از نسیمِ مجلسِ تو — درونِ گل کہ ز بادِ خزاں غبار گرفت

شہنشہا بگلستانِ مدحِ تو خسرو — چو عندلیب نہ دستاں یکے ہزار گرفت

بہ بوستانِ دعا ہست بلبلے گل کش — کہ از صریر ہمہ نالہائے زار گرفت

ہمیشہ تا کہ بفصلِ بہار موسمِ عید — تواں پیالہ ز ساقیِ گلعذار گرفت

بہار بر تو مبارک چو عید باد کہ چرخ — بہار روئے ترا عیدِ روزگار گرفت

ہر کہ ایں صد بیت خواند جاں یکی صد گردش

شربتے بہ زمیں نباشد تشنگاں را جانفزا

(بحرِ مجتث مخبون مقطوع مسبغ وزنِ او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

دو رویہ بست کمر آفتاب در جوزا — بہ پشتِ ہفت زمیں آں تنے فگند صبا

بباد خانہ درون رفت گرم گرد مزاج — کہ سوئے باد رود ہر کہ ہست در گرما

چناں در آتشِ خورشید صبح می بد — کہ تفِ آں نہ زمیں میرود بہ اوجِ سما

خود آفتاب ندیده ز صبح جز دمِ صدق — شود که گرم شود از دو روئیِ جوزا

ز آفتاب جهان گشت نقشِ شب معدوم — که از چراغ شود ظلمتِ شبِ یلدا

مگر سه روز زمستان زمانه یک جا کرد — بخیط ابیض بر دوخت هر سه را یکجا

گر آفتاب قیامت کند بفردا گرم — قیامت اینست کامروز دیدم آن فردا

ز سنگِ کوه که در تاب شد عجب نبود — که شعله خیزد بر جای لالهٔ حمرا

بجای لاله جز شعله نامدش بدهان — چو بُز بر آخورِ سنگینِ کوه کرد چرا

اگرچه آهو ازین بیشه جسته می زد — کنون بدشت بگو بدهی بر آتش پا

اگرچه گور ز بهرِ خاک گنبدی می کرد — کنون چو گنبدِ گور ست مانده پا بر جا

شود چو کرمکِ شب تاب آتشین همه تن — میانِ روز اگر مرغ پر زند بهوا

سرودِ مرغ شنیدی بموسمِ نوروز — کنون نگر که چسان خلق می زند نوا

ز بسکه صحنِ چمن خشک دید بید انجیر — ز بهر باران بر داشت دستها بدعا

کجاست ابر که شربت بآفتاب دهد — که هم حرارتِ او غالب است و هم صفرا

بتشنگان بده اے ابر شربتے آخر — ترا گر آب بچشم ست یا بدیده حیا

کنون ز آبِ روان گر برآید آوازی — ندای العطش آید بگوش ازاں آوا

ببوستان گلِ نازک مزاج را بنگر — که بادِ گرم ز رفتے بروز بادِ صبا

کنون ز سیلیِ بادِ سمومِ گرما گرم — فرود ریخت همه خون بپوستش ز قفا

برحم بسوخت زمین را ز خوردنِ گرمی — از آتشش همی نشود زاده هیچ طفل گیا

ز بهرِ آنکه نسازد ز سردیٔ عملی — بریدِ تیزیٔ خورشید دستِ نشو و نما

کدام باد برآمد درخت را یا رب — که خشک می‌شود از فرق تا قدم اعضا

به آفتاب بگفتم که از چه تافته‌ای — بتافت روی و بگرمی جواب داد مرا

که کس دو چشم ندارد که بیندم با آنکه — کنم نگاه بیک چشم سوئے شاه و گدا

کسے که در مهِ دی جبهٔ مساکین دوخت — کشید پیرهن اکنوں ز گردنِ ضعفا

تنے که بود بسرماش تنگ پنبه بپشت — نه پیرهن کند اکنوں قبول و نے یکتا

همه ز سستیِ اندام و از کشیدنِ آب — گهے چو دق زدگان و گهے در استسقا

هوائے گرم چناں سرد گشته سایهٔ بید — که بید و سایه بهم لرزه کرد از سرما

بوقتِ گرما شاید ز چاه سایه بروں — ز سردی ارچه بلرزد بر آبِ جاں آسا

کسے که تشنه فتادست در بیابانی — درین خیال که خوش وقتِ غرقهٔ دریا

هوا چنین و مرا لشکرے و رفتنِ راه — نه بے درازِ رهی بلکه شاهراهِ عنا

غم ست زادِ رهم بر چه حمل شاید کرد — که این چه زاد بود ز امهات و از آبا

تنم ز مهرِ فلک گرم گرم می‌سوزد — دلم ز مهرِ عزیزاں و فرقتِ رفقا

نخست منزلِ من بود منزلِ سیری — که سیر دیده دراں شد جمالِ اهلِ وفا

سه چار روزِ دگر آبِ جون رها کردم — ز آه خشک‌تر از اشکها چو خون پالا

ز آبِ جون رواں کرد و شاه جانبِ کوه — که تا شود بجد جنتیه قلعه کشا

زبس که رو بقفا ماندم از پئے یاراں — قفائے من همه گشت و روئے جمله قفا

اگر دو گام بره پیش می نزدم در راه — سه چار گام پیش باز می شدم عمدا

دلم نگشت گشاده بهیچ دلبندی — تمام لشکر بہرہ مرا و من تنہا

کسے موافق طبع من مخالف طبع — بهم بهی نه مگر یک برادر و سه نیا

نخست خانِ بزرگ اختیار دیں کہ بنام — محمدیست کز و نام محمدت والا

دگر ستارۂ روشن معز دیں مسعود — کہ از سعادتِ او مشتری گرفتہ بہا

دگر بفرقِ او بخاص تاجِ دیں محمود — کہ ہم ز لفظِ خودش ہست لولوی لالا

دگر برادرِ خردم حسام دیں قتلق — کہ بر کشید شکوہ ید اللّٰہش بغزا

ز مہرِ روئے مرا ہر سہ خان گرد شدہ — سیاہ گشتہ ز خورشید و ماندہ در سودا

سیہ شود بلے از خاک روے ہر کہ شود — سپید روئے منِ ایں سہ خان بر دے نما

دو چشم خالی کردم ز مردم از پی آنکہ — سہ خان خویش دریں ہر دو در کشم عمیا

ہمی شدیم بکوہ و فرس چناں نہ دگام — کہ سنگ سرمہ شد از کوریِ ہمہ اعدا

کمیتِ چقمقِ من کاتشے ست ز آہن و سنگ — بہ نعلِ آہنیں آتش کشادہ از خارا

تنم میانۂ دو کوہ بہر ہم میانِ دو کوہ — کمر فرود شدہ می شدم میانِ حنا

بشیشہ بازیِ در کوہ می شدم بے سنگ — تنم چو شیشہ و رہ پر ز سنگلاخِ بلا

کشیدہ تیغ کشادہ درہ بہر سوے کوہ — نہیب تیغ و درہ خلق را کہ گرد سزا

خراس چرخ ہمی سود شاں میانِ دو سنگ — بلے میانِ دو سنگ آرد بُد مراد او را

ز خلق در شد در گوشہاے خلق نفیر — چناں کہ کوہ ہم اندر نفیر شد ز صدا

سفید رویان اندر مقابلِ خورشید — همی شدند ز رنگی برنگ چون حربا

هزار غره بدل کرد آفتاب بسلخ — که پوست باز شد از روئے مهوشانِ خطا

بآفتاب اگر تیز کس نگاه کند — سیاه و سرخ بچشم آیدش ز تابِ ضیا

نگر بگشت ز خورشید چشم من که بمن — نمود سرخ و سیه روئے کودک و برنا

در آفتاب از آن می برم سایۂ خویش — که هیچ گونه نیارم ز سایه گشت جدا

نه بلکه سایۂ من می رود مرا از پس — شود ز سایۂ من تو که آفتاب سها

غلط فتاد مرا سایه از کجا باشد — که شد ز پرتوِ خورشید سایه ناپیدا

زمانه خنجرِ خورشید تیز کرد ز چرخ — که نقش سایه کند حک ز عرصۂ صحرا

بسوئی سایه روانست آفتاب این چیست — بسایه می فگند آفتاب هم خود را

هوائے گرم چنین ره چنان ز بس گرمی — که قطرۂ آب شود گر بیفگنی به فضا

بآشنا شده غولانِ تشنه لب بسراب — بسانِ مردۂ آبی بجرِّ با پهنا

سرابے دیدم و گشتم نگون بخوردنِ آب — نیامد آب بدست و بمانده پشت دوتا

ز تشنگی آب چنان گشت در یکے منزل — که بود قطرۂ آبی چو دُر بیش بها

بمرد خلق ز بے آبی و کدام کس ست — که باشد او را بے آب زیستن یارا

نبات وار زبان چوب شد بهر دہنے — ز آرزوے یکے شربت از گلابِ صفا

لبوے چه شده اشکم بپشت چسپیده — چنان که خشک شده مشک خالیِ سقا

درین میانه بدیدم فرازِ چه پسری — میانِ جامۂ دیبا چو صورتِ زیبا

بنام یوسف خود از جمالِ او یوسف ‏ ‏ فرو فتاده بچه سرنگون و پا بالا

قبا کشیده بیک تو ی پیرهن بنشست ‏ ‏ که آب برکشد و کرد یک نظر بر ما

ز جامه که بچفسیده بر تنش ز تری ‏ ‏ همی نمود تنش چوں بہ شیشه در صہبا

کسے که وصف کند خود تریِ اندامش ‏ ‏ که آب می بچکید از تریِ او بالا

همی چکید ز اندامش آب در پایش ‏ ‏ ز خویش دست همی شست جانِ غم فرسا

ز بهرِ آب کشیدن چو آستیں بر زد ‏ ‏ نمود ساعدش از روشنی یدِ بیضا

به جد ببست رسن دلو را و بار دگر ‏ ‏ بچرم گاؤ در افگند عنبرِ سارا

ز عطر غالیه داں گشت چاه از دگوئی ‏ ‏ سرشته بود ز عطر آں کمند عنبر سا

ز بس کشش دهنِ چه پُر آب شد تا لب ‏ ‏ بچشمهاے چه آمد چو عکسِ آں رعنا

اگر مثل بچه کور عکس افتادے ‏ ‏ چه چشمها که شدے چاهِ کور را پیدا

ز آب حیواں سیر آمد ایں دلِ تشنه ‏ ‏ بیک نظارهٔ آں صورتِ حیات افزا

و اِن یکاد بخواندم که بر چه زخمش ‏ ‏ بود بحبلِ متیں اعتصامِ هر دانا

براں شدم که ز حبل الورید رشته کنم ‏ ‏ که دل ز چاهِ زنخدانش بر کشم مانا

چو طاقتم بستد از پس کشیدنش دهن ‏ ‏ وقد تمهن دُبُر آمد ز دل بگوش نوا

ز بوی پیرهنش چشم یافتم من کور ‏ ‏ که می زدم ز پئے او نوای یا اسفا

وے آب داد باسپ و بسوئے خانه شتافت ‏ ‏ فقد تعاقبه اللّٰه مع عاجلا و جرا

برفت یوسف و سیاره شد رواں ز چشم ‏ ‏ پُر آب کرد رهی دلوِ چاه را به بکا

نمود گرگ ربائی و خون همی گریم   بیادگار ازاں جامه ایست خون آلا

رهی ز جاے برفته بجاے باز آمد   بماند خوف بجاے و نماند جاے رجا

کنون همی روم اینک دریده از من صبر   دلم ز سینه قبا و تنم بجاں یکتا

برادراں چه فریبم دهید از دم کذب   سفید گشت مرا دیده یوسفم بکجا

دریغ نیست کسے محرم من مجنوں   که واکشامیش امروز گیسوی لیلا

کجاست تاج سر من برادرم زاهد   که از سرم نشدے دور در خلا و ملا

جز او خیال بود هر کرا کنم صورت   که گردد از من آئینهٔ طبع زنگ زدا

ردای صبا ز من بنده بندگی برساں   براں برادر و دیگر برادراں برضا

یکے سپهر دقائق شهاب دیں که بصدق   مراست علم که او راست فضل بر فضلا

دگر لطیف ملک آیتے در اقربا هم   که ختم کرد بخواندن بحلقهٔ قرا

دگر علی شه کاتب علا لقب که شده است   ز نام عالی او عین آں لقب بالا

بگو ز بعد زمیں بوس شاں که یاد کنید   ز من نه از پی من بلکه از برای خدا

غریب و عاشق و مهجور و از عزیزاں دور   تنی رفیق فراق و دلم اسیر جفا

چناں بکوه بنالم همی که می بدرد   ز تیزی شغبم گوش صخرهٔ صما[۱]

گهے بود که بپاے شما نهم دیده   بپاے هر یک بندم دو دیده را چو حنا

منم مسافر و شاید چناں بپایم لیک   حنا چو خون من آید بپای تاں سزا

سپید دیده ام آخر بپاے سواد قلم   سیه کنید مرا ایں دو چشم نابینا

۱؎ سنگِ معلق معروف در بیت المقدس ۱۲

اگر بنامه نیرزم زخاکِ ره بادے — بدست باد فرستید بهرِ دیده دوا

بشعرِ ملک سلیمانیم چه سود کند — چو هدهدے برساند بمن پیام سبا

چو یاد نیست شما را زمن نه خویش اینک — بیاد دادم تان از قصیدهٔ غرّا

بشش صد و نود این نکته را برون دادم — بشرحِ حالتِ خویش از درونِ پرغوغا

خطاب راحة الروح کردمش که نشاند — سموم محرقِ غم را نسیم روح افزا

شما هنوز نخواندن بوید گز در تاں — نخوانده در رسد این خسروِ مدیح سرا

امید هست که گر عمرِ باشدم برسم — بزودی انشاء الله وحده بشما

خواندنِ این حرف دل را ساز وار آمد چنانکه
در نمازِ شام گوشِ روزه داران را صلا

(بحر هزج مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل)

امروز فروغی که در آفاق عیان ست — از غرهٔ غرای هلالِ رمضان ست

نور مهِ رحمت که بُد اندر تتقِ غیب — در چشمِ خود امروز بدیدم که عیان ست

هر شربتِ آبی که بنوشد لبِ صائم — همشیرهٔ جوئے عسل و حوضِ جنان ست

از آئینهٔ جام کنوں روی بگرداں — بزدای دل تیره که آئینهٔ جان ست

آں شیشه که دی بود بر آب دگر از می — روشن شود امروز که قندیل همان ست

قرابه که از کفِ ترش مست شدے خلق — امروز نگه کن که چه بی آب و هان ست

بادی که بدماند ز سرِ پیروزه برون برد ... این خامشی نامی دهنِ بسته همان ست

در ناله و فریاد بهنگامِ سحر چنگ ... از دستِ مغنّی بدرِ شاهجهان ست

تاجِ سرِ شاهانِ عجم گوهرِ شمشیر ... کز آئینهٔ رای وی اختر لمعان ست

در بحرِ سپهر آب بود چشمهٔ خورشید ... از عکسِ جبینش که مهِ نورفشان ست

تا بی خورد اسپ اجل از چشمهٔ تیغش ... بر آخرکِ گردنِ بدخواه روان ست

ای شیر شکوهی که کمندِ تو بهیجا ... چنبر شده در گردنِ شیرانِ ژیان ست

سیّارهٔ اقبالِ ترا گاه عزیمت ... مه زیر رکاب ست و فلک پیش عنان ست

در رزم چو باران ست ز ابرِ کفِ تو تیر ... بشگفته گلِ فتحِ تو از شاخِ کمان ست

بر آتشِ شمشیرِ تو لرزنده چو دود ست ... این گنبدِ گردنده که چون ابرِ دخان ست

بسیار گهر لاف زد از آبِ رخِ خویش ... زان تیغ تو بگرفته مر او را بزبان ست

از گلشنِ خلقِ تو نسیمی که برد باد ... غنچه ز پئی خدمتِ تو بسته میان ست

محمود قرا بر نمطِ محمدتِ تو ... لیس سحر که بر کلکِ مه اطرافِ لسان ست

در سلکِ غلامانِ تو من گرچه خطایم ... در ملکِ سخن خسروِ اقلیم ستان ست

پیشانیِ چون ماه تو کم باد گرفته ... تا ماه گرفتار ببرجِ سرطان ست

پژمرده مبادا گلِ اقبالِ تو از چرخ ... تا نرگسِ بیمار اسیرِ یرقان ست

عینِ این شعر ست ماهِ عیدِ باریک و بلند
شادی افزا و مبارک طلعت و میمون لقا

(بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف وزن او مفعول مفاعیل مف[illegible]ل فعولن)

ای غرۂ تو نیّرِ جہان را شدہ ماہی — چشمِ تو نکردہ بمہ عید نگاہی

گر ابروی خود عاریہ ندہی بمہ عید — در شبہہ بود عید نہ یکروز کہ ماہی

ہنگامِ سپیدہ شود آرایشِ مہ کم — تو خود بسپیدہ کنی آراستہ ماہی

اندر زنخت روی توان دید ز صفوت — چون عکس کہ پیدا شود اندرین چاہی

زلفِ تو کہ شد تافتہ از صورتِ رویت — گوئی کہ در آئینہ نظر کرد سیاہی

بسے ز دمت پیش بمن رخ ننمودی — آری ز بہشت او فتد آدم بگناہی

خون خوردی و لب را دگواہی بگزیدی — کس ہنر ازین حیچ نکردست گواہی

مقصودِ من اندر شبِ غم شمعِ رخِ تست — ورنی بتوان سوختنِ شمع بآہی

زین غم برہم چون دلِ طفلان شبِ عید — بخشد اگرم در کنفِ لطف پناہی

شہ نصرتِ حق تاج سرِ ملک محمد — ای تاجوران یافتہ از ملکِ تو جاہی

آن سرو کن از تیغ کہ جوید کلہِ ملک — دانی کہ نگنجد دو سر آخر بکلاہی

گاہست فلک ثابتہ شد بلکہ ندیدست — چون گاہِ بلندت فلکِ ثابتہ گاہی

بر خاکِ جنابِ تو نباتے کہ برآید — آبش نبود جز خوی پیشانیِ شاہی

جولانگہِ اسپِ سر ہوسیت بر درست — بر فرقِ سران شانہ ز مو ساختہ راہی

غلطیدن اگر زیرِ رکابِ تو بیابد — خورشید نخیزد ز زمین ہیچ پگاہی

سگ شیر قوی پنجہ شود از توگہِ کار — شب نائبِ خورشید شود سوختہ کاہی

هر تیر نشاں کردہ زکیشِ تو بلائی | هر بند ز رمح تو گرہ بستہ سیاهی
از خدمتِ تو چرخ سر افراخت وگرنہ | بر مہ نرسیدست سرِ ہیچ دوتاہی
بارانِ نوالت بزمینے کہ ببارد | اکسیر بود گرد مد از خاک گیاهی
در بحرِ مدیحت صفتِ خامۂ خسرو | چوں نے کہ بود بر سرِ دریاش شناهی
بادا بہ بزرگی کہ چو تو نیست بزرگی | در حفظِ الٰہی کہ جز او نیست الٰہے

بود فرمانے کز نیاں باشد آں تشبیبِ شعر
ورنہ کس در شعرِ عیدی چوں کند ذکرِ غزا

(بحر ہزج مسدس وزن او مفاعیلن مفاعیلن فعولن)

چو ماہِ روزہ از اوجِ سما شد | ز دورِ بادہ دوران پُر ضیا شد
ہلالِ عید پیدا شد چو ابرو | ہلال ابروی من از من جدا شد
ازاں آبے کہ بگذشت از سرِ خم | پیالہ با صراحی آشنا شد
مرا کابِ دو چشم از سر گذشتست | عجب بنگر کہ گل بود و صبا شد
گلے را سبزہ نارستہ گیا رست | چناں مردم نگہ مردم گیا شد
ازاں محرابِ ابرو یاد کردم | نمازِ عید نیز از من قضا شد
کسے داند کہ حالِ چوں منی چیست | کہ چوں من در فراقی مبتلا شد
ہمہ گل می دمد از گریہ و چشم | خیالِ روئے او ما را بلا شد

در آبِ دیده سرگردان چه ماندست
مگر سنگین دلِ من آسیا شد

دو چشمِ خسرو از باریدنِ دُر
کفِ شاهنشهِ بارانِ عطا شد

ستوده نصرتِ دینِ محمدؐ
که بر ملکِ جهان فرمان روا شد

چه او هرگز جوان بختی ندیدست
فلک کز غایتِ پیری دوتا شد

برای چشمهاے دولتِ کور
غبارِ سبزِ خنگش توتیا شد

شها خاقان پناها صد چو خاقان
ترا بربستهٔ چینِ قبا شد

بزیرِ پاے اسپت دشمنان را
بسا سرها که بر بادِ هوا شد

چو بے سر از زوان کردی عدو را
عدو گرچه بلا بود ست لا شد

ز تیغت در جهان آوازه رفت
که از وے هفت گنبد در صدا شد

در افتادے نه دوران پیر گردون
همے رُمحِ تو در دستش عصا شد

هم انگشتِ[1] خطا گیرد ز تیزی
که از انگشتِ تو سوئے خطا شد

مغل گرچه چو موران کرد صف راست
هم از صفِ سپاهت زیر پا شد

چو در مجلس نشستی[2] زهره بر چرخ
ز دودِ مجلست عشرت فزا شد

از آن در بندِ زنجیرست دریا
ز دستِ باد گردابِ بلا شد

ندارد دستگاهِ مدح پایان
دعا گویم که هنگامِ دعا شد

مسلّم تا ابد بادا ترا ملک
خود این دولت مسلّم مر ترا شد

---

۱ همه انگشت میگیرد ۲ نشینی

از زبانِ من اگر این شعرِ عیدی بشنود
در زماں قرباں کند خود را عطاردِ بر سما

(بحرِ رمل مثمن مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

اے دو رخسارِ تو فرخندہ و میموں چو دو عید
دیدہ یک عید چو رخسارِ تو فرخندہ ندید

گرد پیشِ رخِ رنگینِ تو صد جا پارہ
گل ہر آں جامہ کہ از سوزنِ خاری بکشید

روزِ عیدست چو قربانی اگر سر ببریم
سرِ آں نیست کہ ما از تو توانیم برید

دوش زخمے بزدی بر دلِ من از مژگاں
دل نگہداشت وسے چشم ترم بترا وید

خستۂ عقربِ زلفت شدہ ام چہ تواں کرد
ناگہاں آمد و زخمے زد و در گوش خزید

مار پیچیست سرِ زلفِ تو کز دیدنِ آں
مار بر خویش بہ پیچید و لبِ خود بگزید

دل کشیدہ بدم از زلفِ تو گر بگریختہ دوش
در کشیدن چکنم زلفِ تو از پس بدوید

روزِ عیدست اگر شربتِ وصلم ندہی
نمکی ہم ز لبانِ تو نخواہم بچشید

بوسۂ چند بدہ تا کنم امروز نثار
بر درِ شاہ کہ ہر کعبۂ دیں راست کلید

نصرتِ دین محمدؐ کہ طنابِ حکمش
ہست در گردنِ شاہانِ زماں حبلِ ورید

آنکہ در پیشِ کفش دریا لب لیس شود
وز تحیر لبِ خود ہم بتواند لیسید

چیست دریا کہ اگر بر سرِ او ریزی خاک
آں فرو گیرد و بیروں نتوانیش کشید

مہ شبے گفت کہ من اے شہِ روشن وصاف
آسماں گفت مگو صبح بخواہد خندید

خسروا چشمهٔ خورشید بتیغت ماند — گوئی آں چشمه خود از بیمِ تیغِ تو چکید

باد اندر سرِ خود دشمنِ تو چنداں گرد — که هم از کردهٔ آں باد سرِ او ببرید

سخنِ خصمِ تو کس نشنود اندر عالم — بشنو ایں قصه که کس در همه عالم نشنید

داد بر باد بگلشن همه بوئے گل را — بادِ خُلقِ تو که از گلشنِ بزمِ تو وزید

گل بدو زدیده بد از گلشنِ خلقت بوئے — ناگهاں خنده بزد پردهٔ خود را بدرید

رو که بر شاخِ جوانی تو اے سروِ بلند — بلبل الحمد بخواند و گل سوری بدمید

اے که آوازهٔ تو از نغماتِ شعرا — چوں صبا رقص کناں در همه عالم برسید

خسروا از مدحِ تو هر دُر که بر اوراق بریخت — مشتری آمد و از نوکِ قلم جمله بچید

هست خوانندهٔ اقبالِ تو دُ می خواهد — مدتِ عمر ترا از مددِ غیب مدید

روزِ عیدت همه عمر مبارک بادا — بلکه هر روز ترا باد مبارک چوں عید

دو درست مغربی را مهر و مه سکّه زنند
تا سپهر از بهرِ ایں عیدم کند عیدی عطا

(بحر مجتث مخبون مقطوع وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

رخِ چو عیدِ تو دل برد بهرِ قرباں را — ازیں نشاط بیکجا دو عید شد جاں را

ز چار سوی رخت چار روزه نور گرفت — تمام شد مه ده روزه عید قرباں را

مرا تو عیدی و از انتظارِ تو شبها — بدیده خواب نبود ایں دو چشمِ گریاں را

زا طفل

قدم بہ تہنیتِ عید رنجہ فرمودی
دو دیدہ در قدمِ تست منتِ آں را

گلاب می دہمت از گلابدانِ دو چشم
گلاب اگرچہ نداد دست کس گلستاں را

چو آمدی بنشیں تا در آمدن ندہم
درونِ وزنِ خود ماہتابِ تاباں را

دو لب مبند یک امشب بروی من کہ نہ بست
شکر فروش بہ شبہائے عید دوکاں را

دگر حدیث نگوئی بگوش کن بارے
ز نوکِ خامۂ خسرو مدائحِ خاں را

ستودہ نصرتِ دیں آفتابِ برجِ شرف
کہ چتر بر سرِ او سایہ ایست کیہاں را

کجا بگرد زمیں گردد آفتاب چو او
زند بگردشِ خورشید سایہ گرداں را

چو خضر دیر بقا باد کوست گاہِ سخن
سکندری بلب آوردہ آبِ حیواں را

ز قہر و لطفش اثر گر نیابد آتش و آب
دو رکن بیش نماند چہار ارکاں را

کمانِ قامتِ خصمش کہ در کشاکش باد
شدست ساختہ خاص از برای قرباں را

دلِ پر آتشِ حاسد کہ گریہ انگیزد
تنور پیرزن ست از برای طوفاں را

فلک ز روی زمینِ دشمنِ ترا برچید
چناں کہ مرغ چند کنجد پریشاں را

زہے ز بہر اثرہاے سعد و نحسِ جہاں
چو آسماں بزمیں بر کشید ایواں را

کشید کنگرۂ اوجِ تو زباں بر چرخ
ز تیرگی کند اختر سپید دنداں را

و بہر سرائے تو بر آسماں کشاد دہاں
زباں زد آتش باز دار درباں را

اگر بطاقِ فلک سرکشی سزد زیرا کہ
ببیں چراغ توئی دودمانِ سلطاں را

ز آبِ گوہر و از خونِ لعل حیف بود
کہ دستِ خود کنی آلودہ بہرِ احساں را

گهر نه قطرهٔ نطفه است ز ابرِ نیسانی — نه لعل پارهٔ حیض است مادرِ کان را
ز رشکِ دستِ تو یارب چه دیده باز کند — اگر نه برق بخندانَد ابرِ نیسان را
محیط با تو چه ماند وگر بتو ماند — گره زند بصدف قطره‌های باران را
بباغِ مدحِ تو این مرغِ زاغ نوکِ قلم — به نغمه دل ببرد بلبلانِ بستان را
هزار دست برآرد چنار در تحسین — از این دو نغمه بود گر هزار دستان را
رهِ دعا سپرم مدح را چو پایان نیست — که هیچ به ز دعا نیست عذر گویان را
همیشه تا بجهان دورِ عید باشد باد — ز نیم جرعهٔ تو دورِ عید شاهان را
بعید روی تو هر روز تهنیت از یزدان — زمینِ روی تو هر لحظه عید دوران را

قدرِ این شعر ار ندانند ابلهان غم نیست زانکه
رونقی چندان نباشد عید را در روستا

بحر هزج مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

ای عید دوم آمده روی چو نگارت — قربان شده زان عید چو من بنده هزارت
مه را چه ولایت که کند شکرِ انجم — چون تافته شد طرهٔ خورشید سوارت
آن روز ز پرکار بشد دائرهٔ ما — کامد برون از ماه خطِ دائرهٔ وارت
آموخته شد مردمکِ دیده چو طفلان — با خطِ خوشش از تختهٔ سیمینِ عذارت
در یک دگر آورده دو ابروی تو سرها — هستند مگر از پیِ خونم شده یارت

نقشے است کز آنزا کہ تو می خوانی ابرو — اندر سرِ آں چشم کژے پُر ز خمارت

دی خندہ زناں سوئے چمن طوف نمودی — پیغام گل آورد مگر بادِ بہارت

نرگس ہمہ تن گل شد و در چشم تو افتاد — تا روشنیِ تازہ بیابد ز غبارت

لیکن ز کجا روئے تو دیدن بتواند — چشمے کہ درو نے بصرست و نہ بصارت

تو آب لطیفی کہ بیائی و نیائی — من کے بتوانم کہ بگیرم بکنارت

خانہ مکن اے شوخ دریں دیدۂ پُر نم — کس بر گذرِ سیل نکرد ست عمارت

با آں کہ بعمرے نچشد خسروِ بیدل — یا رب کہ چہ شیرین ست لبِ نوش گوارت

گوئی کہ نہد بر لبِ تو آں ہمہ حلوا — کز خوردنی شاہ برد عید بغارت

شہ نصرتِ دیں چشمۂ اقبال محمد — اے دیدہ بدریا دولت از چشم حقارت

کارِ تو بجائے ست کہ می بگزرد از چرخ — ہر چند فرو می رود اندیشہ بکارت

جائے کہ کند رائے تو بر دانش خود کار — برجیس بہ پیشِ تو نزیبد بوزارت

از رائے تو گر تافتہ شد چشمۂ خورشید — بگزارہ کہ گرم ست دماغش بحرارت

گفتم بہ ایں روشنیِ چشم تو از چیست — خاکِ درِ تو دید بدو کرد اشارت

در سایۂ قصرت فلک آسودہ شد آرے — زاں ست فرو ماندہ و آنگہ بجوارت

ہستی بتر از وے بزرگی زرِ خالص — ہم سنگِ تو باید کہ کند وزن عیارت

فردائے قیامت کہ ز بادے بپرد کوہ — لنگر نتواند شدن الا کہ وقارت

دادت قدر از دولتِ اقبالِ تو منزل — یعنی کہ بدل کرد دو عالم بچہارت

پیشِ درِ تو بستہ بیارند گہِ بار — آنرا کہ تنِ خویش نہ بستست بہ بارت

صوفیِ فلک چوں بدعائے تو بردست — اول کند از چشمۂ خورشید طہارت

اسلام بدہر از تو قرارِ ابدی یافت — بادا ابدالدہر در اسلام قرارت

پیشِ ایں سلکِ ثریّا چیست مروارید تر
کہنہ و تاریک و بے آب و حقیر و کم بہا

(بحرِ رمل مثمن محذوف وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

خطِ مشکگونت کہ بر خورشید لشکر می کشد — لشکرش خورشید را در گردِ عنبر می کشد

در دلِ من ہست ہر ساعت ہوایت گرم تر — گرچہ بر خورشیدِ تو ابرِ سیہ در می کشد

زنگیِ خط را کہ در آبِ حیاتِ روئے تو — غرقہ شد حسنِ تو موئے گیرد و بر می کشد

در تماشائی رخت جانم بروں آمد ز تن — بسکہ در پیراہنِ گل سبزۂ تر می کشد

تا کند شربت زبہرِ تشنۂ امیدوار — لعلِ تو پائے مگس گوئی کہ شکر می کشد

زلفِ تو کاندر دلم ہر حلقہ را جا می کند — چنگلِ باز ست در خونِ کبوتر می کشد

شخصِ باریکِ مرا خونابِ چشمم از غمت — راست ہمچوں رشتۂ یاقوتِ احمر می کشد

از قبایت جاں بجائے جامہ خواہم چاک زد — کانچناں اندام نازک تنگ در بر می کشد

دل کہ کوہِ غم شد و مژگانت صف بر وی کشید — گوئیا شاہِ جہاں بر کوہ لشکر می کشد

بعد ازیں از لشکرِ ہجراں نیندیشم ازاں کہ — شاہِ عالم قلعہ چوں سدِّ سکندر می کشد

نصرتِ دینِ محمد شاہ سلطاں کز شرف — برجِ اقبالش سر از نہ قلعہ برتر می کشد

آفتاب اندر پسِ کوہ از پئے آں می رود — کز برائے قلعۂ او سنگ بر سر می کشد

تا کند غربیلش از تیر و خرد بیسزد تمام — گرد کوہ از لشکرِ جرّارہ چنبر می کشد

چترِ لعل اندر سرش مانند آں سرخی کہ صبح — بامداداں بر سرِ خورشید انور می کشد

تا سپیدی و سیاہی را خطِ فرماں کشد — بر مثالِ ملک طغرائے معتبر می کشد

شہریارا تیغِ تو کز کوہہا بستد خراج — آفتابی داں کہ او از سنگ زر بر می کشد

فتح کاندر آبِ تیغت آشنا آموختہ ست — از برائے بخششت آں آب گوہر می کشد

سرہی گردد قلم را بسکہ سودائی شدہ ست — تا حسابِ بخششت بر رُوے دفتر می کشد

ہر بلا کز چرخ سوے دشمنت شد نامزد — بر زمیں می آید و تیرِ تو رہبر می کشد

بہر جیب بکر مدحت از دواتِ نافہ وش — کلکِ آہو پاے خسرو مشکِ اذفر می کشد

نیست جز مدحِ تو و یا خود دعای دولتت — ہر سخن کیں بندہ از طبعِ سخنور می کشد

تا فلک دائم بطوقِ ماہ و تاجِ آفتاب — در سرِ شام و گلوے صبح زیور می کشد

تاجِ زرّیں نہ بسر کاقبال طوقِ طاعتت — در گلوئے سرکشانِ ہفت کشور می کشد

پختگاں را گرد خاکستر شرارِ طبعِ من
از پئے ایں بر خیالِ آئینہ صورت نما

(بحرِ مجتث مثمن مطوی مخبون وزنِ او مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن)

رخ ز حجابِ زلف اگر آئینہ ساں بروں کشد — کیست مشاطہ کائینہ ز آئینہ داں بروں کشد

بسکه ز بلبلان کشد سرو بباغ سرزنش — چون ز قبائے لاله گون سرو جواں بروں کشد
چیست میانِ آں کمر بهیده تهمتِ میاں — به که کشاید آں کمر مو ز میاں بروں کشد
گر دلِ من ز غم شود درپسِ زلفِ او نهاں — شانه نگر ز سرکشی موئے کشاں بروں کشد
هر که بگوشه می کند چشم وے از متاعِ جاں — زاں خطِ عنبرینِ او فتنه نشاں بروں کشد
جاں کشمش به پیش و دل کم کشش بسوی من — هم بدلش درون وے دم گرچه که جاں بروں کشد
چونکه در آبِ چشمِ من کشتیِ صبر غرقه شد — کیست که رختِ بیکسی زاب رواں بروں کشد
من ز فراق در خورم مرده و زنده درگماں — عقل کجاست تا مرا زیں دو گماں بروں کشد
پردمِ سرد شد مرا حلق و دهاں فغاں کنم — نامه که پر ز دم شود طرفه فغاں بروں کشد
خسروِ خسته را عناں رفت ز دست و دل نشد — گر حشرِ خیالِ او دیده عناں بروں کشد
شاد از آں ست بیشتر دل که ز بر مرادِ من — گر بزمیں فرو رود شاهِ جهاں بروں کشد
قاآنِ ملک جهاں ستاں نصرتِ حق محمد آں — کآتشِ کینه هر زماں ز آبِ سناں بروں کشد
فتح کشد لشکرش تیغ و فتح داں که گر — ضبط نگردد ش جهاں لشکرِ خاں بروں کشد
خصم ز پیشِ لشکرش زیرِ زمیں فرو رود — گرچه صفی ز حد بروں مورچه ساں بروں کشد
نیزهٔ مار شکلِ او گشت زبان و از سناں — مار اجل کند سخن هرچه زباں بروں کشد
ناوکِ او عدو کشد و ز پئے خوں کماں کشاں — گرچه که زاغ بایدش هم ز کماں بروں کشد
کافرِ زرد پوش را جامه به نیل در زند — آبِ کبود رنگ چوں تا ز میاں بروں کشد
گر مثل آفتاب ساں تیغ بر آسماں زند — خیلِ ستارگانِ شب خطِ اماں بروں کشد

ہر گہ بجنبش کند کوہِ قیامت آرزو — در عرصاتِ رزم اگر گرزِ گراں بروں کشد

قلب شکن شہنشہا بندۂ کمترینِ تو — قالبِ خاک بشکند قلبِ جہاں بروں کشد

معدلتِ تو عالمے تازہ کند بچشمِ مہ — تاری اگر ز عہد تو مہ ز کتاں بروں کشد

خصم بزیرِ تیغِ تو در غلیاتِ بیخودی — ہر چہ یگاں درون برد فتح دوگاں بروں کشد

معدلتِ تو عالمے تار کند بہ چشمِ ما — تارے اگر بعہدِ تو مہ ز کتاں بروں کشد

کرۂ خنگ چرخ اگر رو بجروی آورد — رایضِ پایگاہ توش در تہِ راں بروں کشد

با گلِ خلقِ تو مگر بست بہسری کمر — غنچہ کہ پوست از سرش بادِ خزاں بروں کشد

از پی آنکہ خازنت گنج بخاکیاں دہد — خازنِ خاک ہر زماں گنجِ نہاں بروں کشد

بہرِ کفت رواں کند آب صفت بہر طرف — زر کہ بجنبد کاوکاو از دلِ کاں بروں کشد

گر بخورند بحر و کاں بادہ ز جامِ بخششت — جرعۂ تو بیک زماں گوہرِ شاں بروں کشد

ہر چہ کہ ابر پر کند گوشِ صدف ز جودِ تو — صیتِ کفِ تو در دلش در رود آں بروں کشد

ختم دعائے تو کند پیر سپہر بہرِ تو — صوفیِ صبح قرصِ خور بر سرِ خواں بروں کشد

تا کہ مہ از سبک روی در دلِ شیر در رود — ہر چہ ز برجِ خود کماں چرخ زناں بروں کشد

در کفِ چرخ زودِ تو بادِ کماں ماہ تا — پیشِ تو نادرد کہ سر شیرِ ژیاں بروں کشد

زیں شرابِ من قلم مست میگردد چنانک

گر بگیرندش رود از دست و در غلطد بپا

(بحرِ رمل مثمن مقصور وزن او فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات)

دوش سرمست آں نگارِ نازنیں آمد بروں   ہمچو طاؤسی کہ از خلدِ بریں آمد بروں

قامتِ زیبا و روئے چوں بہارِ آراستہ   راستی گوئی کہ سروِ راستیں آمد بروں

او میانِ مطلق ندارد اینکہ می بینیم چیست   تارِ موئے کز دو زلفِ عنبریں آمد بروں

نازنینا تا میانِ خویش بنمائی مرا   زانتظارم دیدۂ باریک بیں آمد بروں

پاسخِ تلخِ تو کاندر جانِ شیریں می خلد   نیشِ زنبور ستکاں از انگبیں آمد بروں

چوں سخن می گوئی از روئے تو می گوید سخن   صورتے کز خامۂ نقاشِ چیں آمد بروں

تا بدید انگشترینِ لعلِ تو ہرگز ندید   دید کز لب از لبِ انگشتریں آمد بروں

درِّ دندانت خبر کرد از لطافت گوہرے ست   کاں ز دستِ صاحبِ تاج و نگیں آمد بروں

نصرتِ دنیا و دیں کز چرخ بیروں برد نام   نام او خود نصرتِ دنیا و دیں آمد بروں

صبح در یکدم زدن صد شمع گردوں را بکشت   لیک چوں پروانہ زاں سامتیں آمد بروں

چوں بہ عزمِ مملکت گیریٔ دار الملکِ خویش   رایتِ منصورِ شاہِ شرق و چیں آمد بروں

خواند گوشش فتح و نصرت را بآوازِ بلند   از یسارش فتح و نصرت از یمیں آمد بروں

او بہ پشتِ زیں نشستہ درحقِ خورشیدِ چرخ   نیش زد آں عقربے کز زیرِ زیں آمد بروں

ترکشی پر تیرِ نصرت کردہ بر عزمِ شکار   شیر گوئی در نیستاں از کمیں آمد بروں

تیرش آزاد از دلِ بدخواہ بیروں می رود   نے کسے دیدست کز آتش چنیں آمد بروں

ناوکِ ترکاشش اندر دیدۂ دشمن نشست   پس بخدمت گردنش با ہمنشیں آمد بروں

صبح دار آفاق بستد چوں بروں آورد تیغ — تیغ او گوئی کہ خاص از بہر ایں آمد بروں

بسکہ گوہر گرد از شمشیر بہر دستِ او — گوہرِ تیغ از حصارِ آہنیں آمد بروں

رفت موجِ گوہر از دریائے دستش بر فلک — ابر را دستِ امید از آستیں آمد بروں

گر مثل بارید ابر دست او بر چاہ کور — چشمہائے روشنش عین الیقیں آمد بروں

دولتش را دید و گفت الحمد للہ آسماں — از زبانِ چرخ ربّ العالمیں آمد بروں

پادشاہا گر نبودے طیبِ خلقت در جہاں — عنبر از سرگیں بدی کز بارگیں آمد بروں

یاسمیں پژمردہ بود از رشک دم دادش صبا — خندہ آنگاہ از دہانِ یاسمیں آمد بروں

تا گفت سر رشتۂ بخشش بسوئے خود کشید — ریسماں از گردنِ دُرِّ ثمیں آمد بروں

صبحدم بختِ تو ناگہ نیزہ زد بر کوہِ قاف — چشمۂ خورشید از زیرِ زمیں آمد بروں

کژدم از دم طوق گردن ساخت بہرِ خدمتت — آدمی صورت شد و وز پوستیں آمد بروں

و آدمی بودے کہ پیشت پوست سگ در کشد — سگ بود گر در وغا شیر از عریں آمد بروں

خواستم از بہرِ شاہ آرم دعائے در قلم — ناگہ از نوکِ قلم سحرِ مبیں آمد بروں

مشتری می گفت چوں خسرو دعائے بزمِ شاہ — سوئے من دید از زبانش آفریں آمد بروں

تا دریں قصر دو در گویند کز دورانِ چرخ — گر کسے زاں در دروں آمد ازیں آمد بروں

از درِ دولت درآ ہر دم بدولت خانۂ — کارتفاعِ آں ز چرخِ ہفتمیں آمد بروں

ایں عروسی کز کرشمہ نیکواں را توبہ داد

گر نگیرندش رہ و واز دست و در غلطد بپا

(بحر رمل مثمن مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

باز روی تو خوی آلوده و جعد تو تر است — زلف مشکین ترا باد صبا جلوه گر است

گل شگفت از چمن روی تو در خندیدن — مگر اندر شب زلف تو نسیم سحر است

تا بزیر و زبر رو گل و سنبل داری — سنبل و گل شده از روی تو زیر و زبر است

پیش شمشیر خیال تو سپر میفگند — گل نوروز که هم ناوک غم را سپر است

هر که دید آن خط تر غالیه دانست از مشک — خال مشکین تو چون غالیه دان دگر است

خبرت هست که دی شب چه خرابی کرد است — چشم شوخ تو که از مستی خود بیخبر است

نازنین چشم تو هر ناشکنه بر من که کند — همه در پرشکنا دادن زلف تو درست

جز حدیث کمرت نیست میان و دهنم — جان تو کین سخن از موی تو باریک تر است

صد دل آویختی از بند کمر گفت چیست — گفت زلف تو که آویزش بند کمر است

هر کجا شد دهنت باز شکر جای گرفت — باز جائی که لب تست چه جای شکر است

نگشاید مگر آن لحظه که لب بگشائی — کار شکر که گره بر گره از نیشکر است

وصل تو هیچ فراموش نه دل می نشود — گوئیا لطف ملکزاده خورشید فر است

ملک الشرق الپ غازی بن اژدر خان — تاج دولت که از و ملک عجم تاجور است

از کف او که زر کوفته بخشید بخلق — ای بسا کوفتگی کامده بر روی زر است

از پی خنگ سیه چشم و سفید اندامش — آسمان آئنه ساز و مه نو نعل گر است

گر ندیدی که ز خاک در او سرمه کند — آن سیاهی نظر افگن که بچشم قمر است

ای جہانگیر سوارے کہ بہنگامِ مصاف — رائے تو نسخۂ تقدیر قضا و قدر ست

در نیارد بہ نظر آئینۂ گردوں را — ہر کرا آئینۂ رائے تو اندر نظر ست

صورتِ فتح و ظفر می نگرم در تیغت — تیغ و تیرت مگر آئینۂ فتح و ظفر ست

در پریدن ز عقابانِ ہوا می گزرد — تیرِ تو گرچہ کہ چوں اشکرۂ نیم پر ست

دشمنت گفت بہ تیرت کہ مشو بر من تیز — کہ ترا آخر روزی بسوی من گزر ست

خصم را خونِ جگر آب شد از ہیبتِ تو — آب آنست اگر خصم ترا چہ جگر ست

توئی آں شیر کہ غیر تو نرے نیست بدہر — ور نرے ہست ہم از قوتِ تیغ تو نر ست

بندۂ خسروم ہم ایں گلِ بستانِ سخن — کہ ز باغِ کرمت شاخِ امیدم ببر ست

در ثنائے تو سخن چوں دُرِ تر ریختہ ام — بنگر آخر سخنِ ریختۂ من چہ تر ست

سرِ موئے سخنم نیست ز باریکی دور — بلکہ در مدحِ تو باریکتر از موی سر ست

آبِ صافِ سخنِ خود نبرم بر درِ کس — تیرہ گویند ہر آں آب کہ در پیشِ در ست

وقتِ خط کیست کہ بر حرفِ من انگشت نہد — چوں کہ بر ہر سرِ انگشت مرا صد ہنر ست

ایں سخن نائبِ قرآں ست کنوں ختم کنم — بر دعائے تو کہ نزدیکِ خرد معتبر ست

سرمۂ چشمِ جہاں باد غبارِ درِ تو — تو بپا تا بجہاں نور فزائے بصر ست

مفلساں ایں سلکِ لولو را بجود بندند لیک
زیب ندہد افسرِ جمشید بر فرقِ گدا

(بحرِ مجتث مخبون محذوف وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

زهے مبارکِ شاهاں ترا سرافرازی | سرِ ملوکِ جهاں تاجِ دیں الپ غازی
چو مهرهٔ سرِ اژدر توئی روا باشد | اگر بگوهرِ والائے خویشتن نازی
گهِ کشیدنِ لشکر مهِ نشانهٔ تو | فراز پردهٔ اطلس کند سرافرازی
گهِ بریدنِ سر تیغِ آبدادهٔ تست | چناں که گوی بر آبِ رواں کند بازی
بگو به تیغ که آخر جهاں بقبضهٔ تست | بدشمن از پئے جانی زباں چه اندازی
چه گفت نالهٔ تیرت بگوشِ مرغِ هوا | که پیشِ من چه پری از بلند پروازی
چگونه مرگ تواند که خلق را بکشد | اگر نه خشمِ تو با مرگ باشد انبازی
نوای خوشدلی از دشمنانِ خود مطلب | که کس طلب نکند از خراں خوش آوازی
سپهر بگردد ز دورِ مجلسِ تو | گهے که دستِ مبارک بجامِ می یازی
تبارک الله جامِ کرم که پردازد | نعوذ بالله اگر تو بآں نه پردازی
شدست خلقِ تو غمّاز ملکِ پنهانت | کسے چه عیب کند مشک را بغمّازی
نه بوئے خلق بود در دکانِ هر عطّار | نه شیرِ مرغ بود در دکانِ شیرازی
فلک غلاما خسرو چو گشت بندهٔ تو | ز روئ بنده نوازیش به که بنوازی
چو باغِ جودِ تو نو روز لطف می آید | که برگِ بنده چناں کز تو می سبز سازی
بقات باد بدولت چنانکه هر روزی | حیاتِ رفته بیکباره از سر آغازی

هرچه از نقدِ گهر این صفحه را در دامن است
پُر گهر گردد جهانے گر کند دامن رها

(بحر مجتث مثمن مخبون وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن)

خجسته باد بدولت رسیدنت بولایت / فراز کوکبهٔ چرخ برکشیدنِ رایت

سرِ ملوک فکن تاج و دل گوهر از در / تهی ز جورِ تو عالم بشکر دکان بشکایت

به پیش رائے تو مریخ تیز چشم فلک را / برد به تیزیِ خورشید دستهای کفایت

فلک بروز و بشب بال برکشاده چو عنقا / که رستمی دگرت خواند بر سبیل کنایت

زنیم نام تو آن زینت است هفت فلک را / که هفت گنبد بهرام راست هفت حکایت

ولایتت که جهان است آفتاب چه گیرد / چو ملک تست جهان آفتاب را چه ولایت

چو خنجرِ تو ز چرخ آمد است نصرتِ حق / مزاح کن ذمِ بدخواه تیز کن بدرایت

بدرس معرکه ناخواندگانِ مکتبِ دین / زبانِ تیغ تو تلقین کند کتاب هدایت

ز آبِ تیغِ تو شور عدو شود آرے / نمک فرو دگداز دو نمش چو کرد سرایت

گهر ز بیم کفت رفت در حمایتِ تیغت / چو باز ندهد هند وفتاده را ز حمایت

حسودِ تست جنینی که در مشیمه بمیرد / که بر بدایتِ عمرش مقدم است نهایت

عدوت فارغ از اقبال چون ولی ز حیات / ولیت ایمن از اقبال چون نبی ز جنایت

ز موئے خویش رسن تافت بهر گردنِ شیران / بزی که از سگِ زنجیر یافتست رعایت

ایا دو دیدهٔ دولت که روشنی بجهانی   ببیں بجانب خسرو دلی بچشم عنایت

همیشه کار تو با نظم باد زیر رکابت   نثار کلک گهر بار من گزشته زغایت

بشکرم[۵۱] ایں سینه مه دم را چو من نسرین پرم

آری آری باکبوتر کے کند سنقر وفا[۵۲]

(بحر رمل مسدس مخبون مقطوع وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلن)

دور گردوں که تفاخر دارد   بملک غازی سنقر دارد

سیف دیں گوہر تیغ شاہی   اے که ملک از تو تفاخر دارد

صورت آں کن که نظیر چو توئی   جز در آئینه تصوّر دارد

نرگس از غیرت خلقت به غم ست   خلق داند که تکبّر دارد

تا گفت دود بر آورد ز بحر   دیدهٔ ابر تقاطر دارد

بلکه ابر از کف دریاوش تو   دامن کوه پرُ از دُر دارد

ہست از بخشش دستت که صدف   از گهر تنک دلے پر دارد

ہر دم از تیغ تو ہمچوں حربا   رنگ خورشید تغیر دارد

دولت از عنصر تو باد قوی   تا جہاں قوّت عنصر دارد

جاں ہمی گوید که من شیریں چو ایں شعر ترم

نیست شک شیریں ہست جاں لیکن ایں حلاوت از کجا

---

[۵۱] یعنی بشکنم - شکر بدیں - بمعنی شکار کردن و شکستن دشمن باشد ۱۲

[۵۲] شکره ۱۲

(بحر رمل مثمن مخبون مقطوع مسبغ وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان)

ناگهش مست ز گلزار برون آوردند ‏ وز تهٔ مقنعه رخسار برون آوردند

باز کردند گریبانش که گره بازده بود ‏ سینهٔ چون گل و گلنار برون آوردند

بلبلان ریختنی کف پاش از دل گل ‏ اے بسا زر که بمنقار برون آوردند

گل که در خاک بغلطید ز رشک اندامش ‏ پاره پاره شده از خار برون آوردند

می نیاید سخن از پستهٔ تنگش بیرون ‏ حیله کردند و بهنجار برون آوردند

دل برون ناید ازان شوخ همین بسیار است ‏ که ازان طرهٔ طرار برون آوردند

تا دعائے که بد اندر حق مسکین دل من ‏ که ازان زلف چو طومار برون آوردند

عاشقان ناله که آلوده بد از خون جگر ‏ در زمان از دل افگار برون آوردند

چون غم سوخته گشتند روان آب حیات ‏ از خط صدر جهاندار برون آوردند

شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او ‏ فضل را قیمت و مقدار برون آوردند

از پی کشتن دشمن دو زبان قلمش ‏ گوئی خود از دهن مار برون آوردند

در پناه قلمش جان برد از تیر خدنگ ‏ شرزه شیری که ز نیزار برون آوردند

تیر در سینهٔ بدخواه وے آسان بزدند ‏ لیک آن طرفه که دشوار برون آوردند

دل خصمش که به سختی بکشیدند ز تن ‏ گوئیا سنگ ز دیوار برون آوردند

اے دبیرے که پے پروانهٔ نوک قلمت ‏ تیغ خورشید ز زنگار برون آوردند

زان ولایت که دران خامهٔ تو تیره بزد ‏ علم فتنه نگونسار برون آوردند

گره کلاکِ ترا اہلِ سخن بکشادند | زاں ہمہ لولوئے شہوار بروں آوردند
روشِ آبِ روانِ سخنت را دیدند | آب را شیوهٔ رفتار بروں آوردند
ژاله چنداں زکفِ ابر بروں می آید | که گہرزاں کفِ دربار بروں آوردند
ہر کرا مہرِ تو در مغزِ سرش جائے نساخت | از سرش مغز بچمار بروں آوردند
بر سر از خاکِ جنابِ تو کلاہے دادند | مشتری را که ز دستار بروں آوردند
تا بدر زند زه از بہر کلاہت خورشید | از قبائے تو کلہ دار بروں آوردند
نافهٔ مشک ز خُلقِ تو بکہسار خزید | ہو گرفتند ز کہسار بروں آوردند
جز دعائے تو ندیدند بہر دل آناں | کز دلِ اہلِ دل اسرار بروں آوردند
تا بگویند که صبح آمد و آں خطِ سفید | از سیاہیِ شبِ تار بروں آوردند
بقلم ملک سیاہی و سپیدی گیری | که قلم از پیِ ایں کار بروں آوردند

روفتی دلہا بگیسو از ہمہ روئے زمیں
اے صنم آخر گره زن در سرِ زلفِ دوتا

(بحر مجتث مخبون مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

دو زلفِ تو که سر اندر زمیں رسانیدست | بلاله بوی گل و یاسمیں رسانیدست
دہانِ تست چناں تنگ یا کسی از موم | نشاں ز حلقهٔ انگشتریں رسانیدست
روا است در حقِ شہد ار ہزار نیش زند | بداں مگس که لبت انگبیں رسانیدست

چناں نگیں کہ لبِ تست نقش نتواں کرد　　جہاں ترا بچہ نقش از نگیں رسانیدست

خوش ست خندۂ پرویں اگرچہ دنداں را　　ز رشک خندۂ تو بر زمیں رسانیدست

اگر بکوہ نہی دل گراں کند بر خلق　　گرانیِ کہ میانت از سریں رسانیدست

ہزار نقش بیک تختہ بست نوکِ قلم　　کہ نسختِ تو بنقّاش چیں رسانیدست

کنوں غمِ تو بیارد کہ گردِ من گردد　　مرا خدای چو بر شمس دیں رسانیدست

مجیرِ لطف کہ از جامِ لطف در کفِ خلق　　نہ می کہ چشمۂ ماءِ معیں رسانیدست

سوار بختِ ز بہرِ براق دولتِ او　　ز ماہ نعل و ز خورشید زیں رسانیدست

ہزار معنی چوں موے طرۂ خطِ تو　　بچشمِ مردمِ باریک بیں رسانیدست

کجا فتاد گہر در زبانِ کلکش کو　　زبانِ طعنہ بدرِ ثمیں رسانیدست

ایا محیط زمینی کہ از کفِ تو سحاب　　نفیر و نالہ بچرخِ بریں رسانیدست

حدیثِ خلقِ تو دارد دہانِ گل ہمہ روز　　صبا بزلفِ بنفشہ چنیں رسانیدست

ترا سخن کہ نہ سحرست و آدمی صد بار　　زمانہ بر چہ تو سحر آفریں رسانیدست

دواتِ تو کہ از و مشک ریحہا فتادست　　ز خط بکلکِ تو حبلِ متیں رسانیدست

ببرد آب چہ با سیلے سر قلمت　　ازاں خطے کہ بسحرِ مبیں رسانیدست

برائے خندہ زدن ریشِ دشمنت گوئی　　کہ طفل بر خطِ تر آستیں رسانیدست

ملک دعائے تو گوید ازانکہ بس فرمان　　بریدِ غیب بروح الامیں رسانیدست

ہمیشہ تا کہ بگویند کاں فلاں چنگے　　بگوشِ زہرہ سماعِ حزیں رسانیدست

بنوش بادۂ نوشیں کہ دورِ پیت فلک | بدشمنانِ تو دورِ پسیں رسانیدست

نظم سنجاں راچو راند کلکِ من زیں معجزہ
جادُواں را میزند ہر دم کلیم اللہ عصا
بمعنی جادوگراں

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

از ما چہ دیدۂ کہ نظر بر گرفتۂ | کارِ ستم چو زلف خود از سر گرفتۂ
ہرگز دلم نخواست کہ برگیرد از تو چشم | از کارِ او اگرچہ نظر بر گرفتۂ
از غمزہ پیش چشم صفے بر کشیدۂ | ملکِ جہاں بگیر کہ لشکر گرفتۂ
زلفِ سیاہ بر طرفِ مہ نہادۂ | یا ماہ را بدام معنبر گرفتۂ
گر باد دام ماہی با قدر دی آب | تو دام ماہ یافتن اندر گرفتۂ
ما از صلیبِ زلفِ تو زنار بستہ ایم | تا نہ آئنہ تو قبلہ دیگر گرفتۂ
فریادم از نمی شنوی بر حقی از انکہ | گوشِ گراں بنالۂ زیور گرفتۂ
ہر دم برابرِ تو ہمی کوبد آفتاب | تا رخ بر آفتاب برابر گرفتۂ
ماہِ سریع سیر تو کے رسد چو تو | فتراکِ صیت خواجۂ کشور گرفتۂ
والا مجیر ملک خداوند شمس دیں | اے کز کرم جہاں ہمہ در بر گرفتۂ
گشت ست خامہ بر سرِ دفتر ہزار بار | روزے کہ خامہ بر سرِ دفتر گرفتۂ
ایں سر نوشت خامۂ تست از ازل کرد | در خطِ حکم لوح زمیں در گرفتۂ

آں خوجہ دبتا بہ پیش تو کارے ست سرسری — کافاق را بخامہ سراسر گرفتہ

خطت بدیں گوا ست کہ در گردنِ قلم — خونِ سیاہ نافہ اذ فر گرفتہ

از نظمِ گوہریں بورق بر نبشتہ — یس دُر کہ آں بہ رشتۂ مسطر گرفتہ

ابرِ آفتاب را بہ پسِ دست میکند — از شرم ساغرِ تو چو ساغر گرفتہ

تیغِ خطیب اگر نہ اے تیغِ آفتاب — از رائے خواجہ بہرچہ منبر گرفتہ

ہر روز گنبدِ فلک آواز می دہد — کاوازۂ بگنبدِ اخضر گرفتہ

گر دستِ ابر آئنہ گردست خاک را — تو خاک را چو آئنہ در زر گرفتہ

از بوئے خلقِ خویش کہ مشک ست بے خطا — روئے زمیں بغالیۂ تر گرفتہ

عنبر زخاکِ پائے تو سر بر نمی کند — تا خاک پائے خویش بہ عنبر گرفتہ

اے دیدہ از برائے چہ پی کور میکنی — آخر نہ روشنائی ازاں در گرفتہ

بدخواہ را کہ رشتہ بگردن فگندۂ — انصاف می دہم کہ قوی خر گرفتہ

آبِ حیات تا ابد نوش کز ازل — فرہنگِ خضر و فرِ سکندر گرفتہ

زلفِ پیچانِ مقامر پیشۂ آں خوب روے

پختگاں را سوزش ست و خام طبعاں را دعا

(بحر خفیف مخبون مقطوع وزن او فعلاتن مفاعلن فعلان)

خمِ زلفت کہ مشکِ چیں آمد — با گل و لالہ ہمنشیں آمد

لبِ لعلِ تو کانِ پُر از گہرست — خاتمِ حسن را نگیں آمد

گرچہ گل ناز می کند بر شاخ — نہ چو روئے تو نازنیں آمد

کوه را سایہ کس نیارد کرد — جز دو زلفت کہ بر سریں آمد

اے کہ پیکانِ تیرِ غمزهٔ تو — تشنۂ خونِ حورِ عیں آمد

صورت ایں کن کہ چینِ ابروئیت — رشکِ صورتگرانِ چیں آمد

بگزیدم لبت کہ خوں آید — خوں بروں نامد انگبیں آمد

از شبِ زلفِ تو بدست دلم — گشت روشن کہ شمس دیں آمد

آفتابِ زمیں مجیر الملک — کآسماں قدر و مہ جبیں آمد

بادے از خلقِ او بہ بستاں رفت — لالہ را بوئے یاسمیں آمد

از سرِ سروراں بہ پیشِ درش — خاک با مشک تر عجیں آمد

کلکِ او تیرِ چرخ را بشکست — چرخ را تیر در آستیں آمد

از پئے صید کردنِ دلہا — خطِ او دامِ عنبریں آمد

قلمش را بوقتِ سحر گری — یدِ بیضا در آستیں آمد

دشمنش را فلک بجامِ کشید — زانکہ او خام پوستیں آمد

اے دبیرے کہ بر سرِ قلمت — آیتِ ساحرے مبین آمد

مر صدف را چو دید در سخنت — خندہ بر لولوئے ثمیں آمد

دستِ تو تازہ کرد عالم را — ہمچو باراں کہ بر زمیں آمد

آب در چشمهائے بحر گشت — تا ترا آب در جبین آمد

خاک شد چون تو از در دو بدید — چشم گردون که دوربین آمد

تا بپوشد ز سنگ خصم ترا — دامن کوه سنگ چین آمد

ملک را آمدست ز آمدنت — آفرین باد بر چنین آمد

مکرما چون برائے مدح تو شعر — همه چون رائے تو متین آمد

آفرین بر زبان خسرو کن — زانکه در در خورد آفرین آمد

شادمان زی که بهر عمر ترا — از ازل تا ابد یقین آمد

زین دقیقه دار د آنک چاشنی قرص خور
چرخ را با آنکه جو جو پر دقیقه است آسیا

(بحر مجتث مثمن مقطوع مسبغ وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

قد کشیده دلجوی تست راست چو تیر — نشسته در دل و جان من غریب و اسیر

چگونه چشم نه بندم که در میان دو پلک — خیال قامت تو راست ایستاد چو تیر

بخواب بے تو نه بندم دو چشم اگر میرم — و لے به بندم چشم اگر بگوئیم که بمیر

ز انتظار دو ماهی ساق تو صد چشم — بزیر هر مو دارم چون دام ماهی گیر

چو جامه پوشی تاری ازاں حریر بکش — میان خویش و رو کش بجائے تار حریر

هم آخر از تو بکاهید و کور شد با آنکه — تمام نور فلک گرد کرد بدر منیر

سواد عارض خود نقش چشم بنده مکن | زمرو ماں مستاں خانہ زاں خطِ تزویر
نہ آں خطے ست خیالی ز زلف مشکینت | دراں عذار کہ آئینہ ایست عکس پزیر
سواد زلفِ تو زاں درہم ست کامد موے | بنوک خامہ چو می بست نقش او تقدیر
نفس بنبد دم از گریہ صد ہزار گرہ | گہے کہ بگزرد م یادِ زلفِ او بضمیر
نہ ایستد ز دویدن سرشک من ہرچند | کہ باد سردِ منش در کشد بصد زنجیر
سپید کردہ ام از گریہ حوض خانۂ چشم | زبہرِ آنکہ خیالت درو کند تصویر
دراشکِ خویش خیالِ لبت بدیدم آہ | کہ خوں نمود چہ بسیار دیدم اندر شیر
دلِ مشترِ دلِ من می کشد سوی زنخت | وجاں حین بعیر قحام حول البسیر
وگر بچاہ زنخدانِ تو فتد خسرو | بروں کشد ملکِ مملکت پناہ کبیر

قوام دولتِ قائم مقام پایۂ تخت
کز استقامتِ آں پایہ قائم ست سریر

سرِ سرانِ دول پردلانِ ردی سپاہ | پناہ و پشت ممالک محمد ابنِ ظہیر
ازاں ببامِ فلک صیتِ او شتاب زدہ ست | کہ گرم گرم نہد سایہ بر سپہر اثیر
گہے کہ شست ہنر را کشادہ از شستش | ز چرخ جست رداں در زمیں فرو شد تیر
بہ تیر یک چو موئے خصم کردہ دو موے | دو موکسے کہ چنیں شد چگونہ گردد پیر
اجل بصحبتِ بزمش سریع سیر شود | باآدرن کند از سوئے دشمنش تاخیر
پرندہ ناوکِ او کز ہوا دہد آوا تر | ہزار مرغ فرود آرد از صفا بصفیر

زا ہوا

زہے بدستِ تو سر رشتۂ کفایتِ ملک — اسیرِ رشتۂ تو گشتہ صد ہزار وزیر

ازاں گہے کہ ترا از زبانِ تیغ و قلم — بنامہ صاحبِ سیف و قلم نوشت دبیر

ز امنِ تیغ فرو خفت در میانِ نیام — ز سودِ خود قلم آسودہ شد دریں تدبیر

عدو بہ پیشِ تو زن شد کہ جمعِ او بشکست — چناں کہ جمع مونث شد از پئے تکسیر

دواتِ حاملِ تو صد ہزار معنی زاد — ہنوز حمل کند خامۂ تو بے تقصیر

کسے بروں نتواند کشید از قلمت — چو از دواتِ تو در چہ فتند مشک و عبیر

گل دگر شگفد ہر زماں معانی را — ازاں قلم کہ رود ہمچو باد در شبگیر

عطارد ارچہ ز تحریرِ تو در آزادیست — ولیک بندہ شدست مشتری ازاں تحریر

نظیرِ خویش در آئینہ ہم مکن صورت — ترا چگونہ بود آنچہ عکسِ تست نظیر

چہ ماند آبِ رواں با تو در جواں مردی — کہ یک روش کند آں نیز با ہزار نفیر

ندا بر دستِ تو پُر در شدہ ہزاراں دست — چناں کہ از نمِ شب برگ ہائے بید انجیر

سحابِ جود تو تقدیر کرد بار دریا — چناں کہ گوشِ صدف بار شد ازاں تقدیر

چناں بلند شد انبار ہائے دُر ز کفت — کہ در ز روی بروبا شدش بار بر مطیر

فلک ز منتِ تو خم شد و چنیں بارے — چہ طاقت آرد سقفے کہ باشدش یک تیر

درست شد ز دُرِ نظمِ من کہ در مدحت — چو قلبِ من سرہ کردند ناقدانِ بصیر

بہر دہاں نبود میوۂ دلم در خور — کہ نامدست زہر مرغ خوردنِ انجیر

ہر آں قیام کہ کلکم بکرد در دلِ شب — دعات خواند بہر سجدہ بانگِ صریر

تو دیده زی که جهاں کم کند ازاں هر روز   ز عمرِ خلق که در عمرِ تو کند توفیر

از مئی چرخ ست اے با شیشه هائے آسماں
لاف سنگ انداز آخر بر خبر دارد ترا

(بحر رمل مثمن مخبون مقطوع مسبغ وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان)

روزه نزدیک شد و موسمِ سنگ اندازست   گاهِ می خوردن و شادی و نشاط و نازست

مستی آغاز شد و وقتِ حریفاں خوش گشت   آنچه وقت خوش مستی ست هماں آغازست

اه گلبوئے من امروز که مهمانِ من ست   زلف بکشا که نسیمِ سحری غمازست

ستی و رندی و پس راز نهفتن اے دل   پاره کن پردهٔ تزویر چه جائے رازست

ختِ تقویٰ همه تاراج فنا شد حکیم   مطرب ره زنِ عشاق چه جائے جازست

زه حیراں ست پیاله بجالِ ساقی   از چه معنی ست که پیوسته دهانش بازست

چه لبها به لبت می رسد اے کوزهٔ می   اے خوش آنکس که لبش با لبِ تو انبازست

اقیا بحر کشاں را ز پیاله چه شود   سرِ خُم را شکن امروز که سنگ اندازست

ن ده آنگاه نوا جوے ز مطرب که ز می   هم تری گل و هم ترّیِ خوش آوازست

نهٔ می نگر از چرخ چه خوش ساخته است   شیشهٔ چرخ غمے دارد اگر بد سازست

ے صبا چند برانی ز درم آخر بیں   بزمِ گاهِ شه دریا کف و کاں پردازست

---

۱ منی

شہ جلال الدین کز ہیبتِ کافرشکنش
لرزہ در کاشغر و زلزلہ در انجازست

بحر دستی کہ ز باریدنِ ابرِ کفِ او ــــ شستہ شد ہرچہ کہ در طینتِ مردم آزست
قفل در بند شد و غلغلہ در زنجیرش ــــ بلکہ دروازۂ قصرش بجدِ درواز ست
عالم از خوشدلی دولتِ آں میموں عہد ــــ چوں دلِ دانا از بادِ ہنر طنازست
خسروا ایں شعر کہ بنوشت کہ بر خواہد ماند ــــ پیش ازاں خاک شد آں پیر کہ در شیرازست
جاوداں باش بریں نکتہ سخن موجز شد ــــ مدحتِ تست کہ چوں عمرِ تو بے ایجازست

زیں شرابِ نیشکر کز نوکِ کلکِ من چکید
ہم ببوئے مست گردد مردمِ معنی شناس

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

از غمزہ پیشِ چشم سنانے بر کشیدۂ ــــ ملکِ جہاں بگیر کہ لشکر کشیدۂ
در پوست می نگنجد ز اندام نازکت ــــ پیراہنِ حریر کہ در بر کشیدۂ
باریکیِ میانِ تو در گوہریں کمر ــــ گوئی کہ رشتۂ بہ گہر در کشیدۂ
ہر جا کہ گوہرے ست بر رشتہ در کشند ــــ تو چوں بجائے رشتہ بگوہر کشیدۂ
زلفت سیاہ کرد رخ را ازاں رسن ــــ در چہ فگندۂ و ترش بر کشیدۂ
بر پیچ زلف آبِ سیہ زاں بر آفتاب ــــ چوں زلف را ز چاہِ زنخ بر کشیدۂ

ای در کشیده نافهٔ اذفر بموئے خویش — آن مو مگر ز نافهٔ اذفر کشیدهٔ
بر روئے تو زباد پریشاں شدست موئے — می بینمت که مستی و ساغر کشیدهٔ
مستی و سرخوشی مگر ایں بادهٔ خوشی — در مجلسِ سپہ کشِ کشور کشیدهٔ

والا ملک نصیرِ دول ای که از فلک
در دم دلے ز دشمنِ ابتر کشیدهٔ

نورِ دو دیدهٔ ملک اینک نہی یلی — کز حمله ذو الفقار چو حیدر کشیدهٔ
آیاتِ فتح را ز پے خواندن ظفر — بر روئے تختهٔ درِ خیبر کشیدهٔ
از تیغ کردهٔ مغلاں را چو نی قلم — بس خط بار نامهٔ کافر کشیدهٔ
رمحت چو از قفائے عدو سر بروں کشد — گوئی زبانش از رہِ دیگر کشیدهٔ
پوشیده ماند اخترِ گردوں ز ابرہا — تا ابرهٔ کلاه بر اختر کشیدهٔ
بس کاب لعل ریختهٔ گاه جرعه ریز — چوں آبِ لعل در قدحِ زر کشیدهٔ
خسرو شدست بلبل بزمت نوا شنو — از کام بط چو خونِ کبوتر کشیدهٔ
حد حیاتِ خود ز پے کوری حسود — میل سه چار زاں سوے محشر کشیدهٔ
فرقِ تو بود بر فلک سیر سبز باد — آں سر که تا به گنبدِ اخضر کشیدهٔ

بسکه شیریں ست ایں نغمه عجب نبود اگر
در ادا لب لیس گردد شاعرِ مدحت سرا

(بحر مجتث مخبون مخبون مقصور وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات)

هزار شکر خدا را که بعدِ سالِ دراز	باستانهٔ مخدومِ خود رسیدم باز
خجسته سرورِ آفاق عزِ دین و دول	که شد بوجه قبایت تمام چین و طراز
چراغ چشمِ بغانخان که تابِ جبهتِ او	هزار شمع فلک را در آورد بگداز
سرافگنی که چو شمشیر درکشد بوغا	چنان زند که سرِ دشمنانش گردد باز
هزار ناز کند نصرت و ظفر بر وے	اگرچه آن نه کشد هیچگه از ایشان ناز
زہے ہمایون قدرے که باز ہمت تو	فراز سدره و طوبیٰ همی کند پرواز
دہانِ نافه گر از خلقِ تو سخن گوید	رہاش کن که نه لبست ست بر لب اعجاز
چنان کشاد در بستهٔ کرم دستت	که آن صریر ز در بند رفت تا درواز
سپهر گشت ز آوازهٔ تو پر غلغل	چنانکه گنبدِ مسجد ز صوتِ بانگِ نماز
چگونه صبح جهان را بیک نفس گیرد	اگر نباشد با رائے روشنت انباز
چو پا دراز کنی با چهار بالشِ بخت	نیاورد که کند بخت با تو پائے دراز
عدو که آب شدش خود مکوب چندینش	که بیش ازین نتوان کوفت آب را بجواز
سپهر قدرا مدح ترا چو پایان نیست	بجز دعا نکند خسرو سخن پرداز
مدام بزم فلک تا بود پر از جوهر	به بزم تیغ و جواهر فشان و عشرت ساز

بس که در هر پیچ این لوزینه پنهان لذتے ست
هر که انگشتی نهد بر وی شود انگشت خا

(بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات)

یارب اندر سرِ ہر موئے تو چنداں چہ خم ست
زیر آں موئے رخت از گلِ خنداں چہ کم ست

ہست در بندِ تو دلہائے چو ما تا فتگاں
موبہائے کہ بر آں جعدِ تو پا تاب و خم ست

چند گوئی کہ مکن صورتِ جور از چشم
مردمِ چشمِ تو خود صورتِ جور و ستم ست

ما چو از جورِ تو زنار بہ بستیم کنوں
ہم بروئے تو اگر روئے بروئے صنم ست

گاہ گاہے کہ دہی نیم دمے ہمچو مسیح
زندگانی اگرم ہست ہماں نیم دم ست

اے لبا زخونِ دلم شستہ زبہرِ خوئم
تا چہ دنداں ست کہ لبہائے ترا در شکم ست

دلِ من سوئے عدم رفت بہمراہیِ صبر
از لبِ خود خبرے پرس کہ راہِ عدم ست

ماند با خطِ تو چسپیدہ سیاہی در چشم
زانکہ خطِ تو تر و دیدۂ من پُر ز نم ست

چہ سبب خطِّ ترا ماہ بود در فرمان
مگر از خانۂ دستورِ عطارد رقم ست

آصفِ دہر علائے دول آں دستورے
کہ ہمایوں قلمش ضابطِ ملکِ عجم ست

جامِ گردوں ننمود ست جہانے چو دلش
می نماید کہ دلِ او بجہاں جامِ جم ست

ہست گوئی بہ صفت نامۂ عمرِ خصمش
ہر خطے کز رقمِ باد بر آبے رقم ست

اے جہاں بخش وزیرے کہ صریرِ قلمت
ہمہ جا بشنود کہ آوازۂ جود و کرم ست

ہست کلکِ تو جہاں گیر چو آوازۂ تو
کش سیاہی و سفیدی جہاں در قدم ست

چہ عجب گر قلمت دستِ جہاں را بر بست
با چناں سلسلہ کز خطِ تو با او بہم ست

شد رواں بر سرِ کلکِ تو رواں آبِ حیات — گرچہ ہرگز نرود رہ کہ میانِ ظلم ست

قلمت شد علمِ ملک و سوادِ خطِ تو — بہرِ سرہائے سراں سایۂ پائے علم ست

رمحِ خطی ست کہ خوانند الف محمود ت — نصب کن در محلِ رفع کہ با فتح ضم ست

تافتہ می رود از رائے چو خورشید تو روے — ماہِ شب گرد کہ او راز کواکب حشم ست

مگر از جرعۂ جامِ کرمت شستہ شود — دلِ خسرو کہ بیالودہ ز اندوہ غم ست

تا شود بزم ز جامِ مئے چوں باغِ ارم — جام می نوش بہ بزمے کہ چو باغِ ارم ست

عین ایں شعرِ رواں کز حوضِ کوثر چشمہ ایست
می زند از موجِ آبِ زندگانی را قفا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات)

می ریزد از تری تو اے جاں فزای آب — ما تشنہ ایم تشنۂ خود را نمای آب

خاکِ درِ تو بر سر و چشمِ پُر آبِ ماست — پیوستہ گرچہ خاک بود زیر پای آب

آبِ حیاتی و نشوی آشنای من — تا چشمہائے من نشود آشنای آب

چوں در کنارِ آب خرامی خیالِ تو — گوئی کہ ہست مردمکِ چشمہای آب

اے چشمۂ زلال مرو کز برائے تو — مردم چناں کہ مردمِ آبی برای آب

می نالم و برائے تو می ریزم آبِ چشم — ایں نالۂ من ست بگو یا صدای آب

آبِ رواں نمی رسد اندر سرشکِ من — خواہی ببیں تو آبِ رواں ماجرای آب

زین پیشتر بدیدهٔ من جائے آب بود — واکنون ببین که شد همه خونها بجای آب

از آبِ چشم بنده بگردد اگر چه هست — سنگینِ دل تو سخت‌تر از ماجرای آب

بگداختم چو آب و سودی مرا ز دل — کس آب را بسنگ نساید مسای آب

اکنون که آبِ چشم بلا گشت مر مرا — چشمِ مرا که باز خرد از بلای آب

دریای مکرمت شرفِ دوله فتح ملک

ای آنکه ریزی از سخنِ جان فزای آب

آبِ حیات را چه بقا پیشِ خطِ تو — ای خضر صفوتے که تو داری بقای آب

چون آب در دوات فگندی برای خط — شد خونِ مشک زان قلمِ مشک سای آب

آن تیغها که آب ز خورشید می برد — هست از پئ دوات ترا قطرهای آب

گوهر در آبِ تیغِ تو بنماید از صفا — چون سنگریزه در تهِ آب از صفای آب

اسرارِ غیب در دلِ پاکِ تو روشن ست — چون عکسِ مه در آئینهٔ رو نمای آب

از آفتابِ رائے برافروز چرخ را — در چشمِ اخترانِ فلک توتیای آب

از بهرِ تشنگانِ امید ست دستِ تو — دریا که آید و نبود منتهای آب

ای دوقت بار شاخِ کرم بیخ فضلِ او — داده ز نوکِ خامهٔ مشکل کشای آب

مپسند من پیاده و اسپ کسان چنانک — گنبد کند حباب صفت بر فضای آب

چیزے که در منت ز دیگر کسان مجوی — دانی که در سراب نروید گیای آب

القصه همچو خر بخدایم رها مکن — زیرا که هست موسمِ ابر و هوای آب

خسروا زین سپس نگذارد رکابِ تو | گو برق بار آتش و گو ابر زای آب
فرمانِ تو چو آبِ روان باد در جهان | تا در جهان ست خسروِ فرمانروای آب
سرحدِ چین ز بندِ قبائے تو بستہ باد | تا دست بادِ چین فگند در قبای آب

شعرِ این دیوان ہمہ پنجاہ و ہشتست در شمار
ہر کہ این را کم کند یا رب کہ کم بودش بقا

بگذر از شعرم کنون مہمانِ ترجیعات شو
تا ت در سرِ خانہ ہم قلوا رسد ہم زیر پا

(بحرِ مجتث مثمن مخبون مقطوع وزن او مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

شبِ برات کہ روشن کنند ہر خانہ | مرا ز روئے تو باشد چراغ در خانہ
من از رخِ تو اگر نسختے برم بہ برات | رود چراغ ز یک خانہ در دگر خانہ
مراست تیرہ ز نادیدنِ تو خانہ چشم | کہ بے چراغ بود تیرہ در نظر خانہ
ز سوز دل شدہ ام آتشی کہ خانۂ من | برای سوختن آید چراغ ہر خانہ
ز تفِ آہِ من آفاق روشنست چنانکہ | ز شمع در نظرِ شاہ نا مور خانہ

فروغ مشغلۂ ہفت چرخ و نصرت دیں
کہ نہ دیخیر من دشمن ز حملۂ آتش کیں

شبِ برات کہ در ہر طرف چراغ کنند | ہزار جا دلم از دودِ عشق داغ کنند

گماں چناں برد دم کز دلِ ہوای من — شرارہ ایست گہر کجا چراغ کنند

شبا بہ چراغ شود گلشنی دگر خواہد — ملائکہ زبرائے خلیل باغ کنند

گرفت نفطہ[1] پری چہرہ گاں کہ دربازی — ہزار خانہ بسوزند اگرچہ لاغ کنند

بیرزنند ۱۲

مگر ز مشعلہ شاہ پرتوے یابند — کہ بہ ستارہ و مہ دعوی دماغ کنند

چراغ دودۂ دولت محمدِ سلطاں

کہ روشنائی از و یافت خطّۂ ملتاں

شہے کہ از کفِ کیں آسماں برافروزد — جہاں ز لمعۂ نوکِ سناں برافروزد

حدیثِ خنجرِ او آفتاب را نرسد — چو شمع رو بہ اگر دہ زباں برافروزد

زبانِ تیغِ وے از تارکِ عدو چوں برق — فرو رود بزمیں آسماں برافروزد

زبادِ حملہ چراغِ ستارہ را بکشد — دلی ز نوکِ سناں در زماں برافروزد

خدایگانا دشمن بہ عہدِ تو نزید — اگر چراغ ز بادِ خزاں برافروزد

توئی کہ مشعلِ کفر از چراغِ دیں کشتی

چراغِ فتنہ ز آسیبِ آتشیں کشتی

تہے ز نورِ دولت گشت شمعِ دیں روشن — تو در پیچ گہے دینِ حق چنیں روشن

ظفر ز آتشِ او صد چراغ بفروزد — چو تیرِ تو ببرد ناگہ از کمیں روشن

کفِ تو بسکہ گہر ہای شب چراغ بریخت — بماند تا ابد از نورِ آں زمیں روشن

---

[1] یہ لفظ ڈھاکے نسخہ میں نفطہ بفتح نون و سکون فا لکھا ہے یہی صحیح ہے۔ نفطہ معرب ہے نفت کا بمعنی "مادۂ آتش گیر" مجازاً بارود ۱۲

جهان ز ظلمتِ بخل ار سیه شود دستت — کند ز ریختنِ لعلِ آتشیں روشن
بجود دستِ تو در هفت پرده روشن شد — چو صورتِ یدِ بیضا در آستیں روشن

مدار ز رائے تو نورے بگوشہ گیر چہ عیب
کہ شمع را نتواں داشتن نہاں در جیب

خدایگانا دولت بنامِ تو خوش باد — بدولت آنکہ نخواہد ترا مشوش باد
کسے کہ با تو بموے کژی کند در سر — چو زلفِ سیمبراں ماندہ در کشاکش باد
نگار خانۂ صیتِ تو بر بسیطِ زمیں — ز نوکِ خامۂ نقاش من منقش باد
برای چشمۂ مدح و چراغِ تحسینت — روانِ طبیعتِ خسرو چو آب و آتش باد
ترا ست دیدۂ بیدار و روز خوش بحساب — بخفت بختِ عدو تا ابد شبش خوش باد

برات بر تو مبارک بعالم افروزی
براتِ تو ز تو ہر روز بندہ را روزی

ہر دم ایں گنجِ اہلِ دل را شادیِ نو بر دہد
چوں دلِ زر دوست را تعلیمِ علمِ کیمیا

(بحر رجز مثمن سالم وزن او مستفعلن ہشت بار)

عیدست و جامِ زر فشن صورت نمای صبحدم — ساقی چو عید آراستہ صورت برای صبحدم
شد سرمۂ ظلمت نہاں از توتیائے آسماں — با چشم روشن شد جہاں از توتیای صبحدم

پیرِ سحرگه خاسته سحری ز نور آراسته — صبحے چنیں در خواسته هم در دعای صبحدم

از روزه داران مهر لب کز ماهِ نو بر دست شب — تو جامِ مهر آیین طلب وز ره کشای صبحدم

عیدست بر دریاکشان از کشتیِ مه در فشان — کو کشتیِ دریا نشان گوهر فزای صبحدم

آں راح روح آمیز کو مهدِ نشاط انگیز کو — آبستنِ خوں ریز کو خورشید زای صبحدم

هر روز بادا تا ابد عیدی ز گردوں تا برد — بر آفتاب بارید باراں عطای صبحدم

تاجِ سرِ سلطنت دولت شعارِ راستیں

بازِ سپیدِ مملکت دشمن شکارِ راستیں

ساقی نگر در آں بادهٔ شب بر آفتاب افشاندش — وز جام یاقوت سلب یاقوت ناب افشاندش

زاں خطِ مشکین گرد رو مه صید کردی مو بمو — وز چهرهای مشک بو چوں بر تراب افشاندش

بزمِ فلک خلدِ بریں قدّ ابر جوئے انگبیں — وز باغِ رضواں بر زمیں نقل و کباب افشاندش

خرم حریفِ بزمِ شه داں کز دلش بر مه نگه — وز عکسِ روئے همچو مه گل در گلاب افشاندش

بیں شیشهٔ می خوردنش طوقِ عنبر گردنش — در شیشه خوں کم کردنش وز عناب افشاندش

شکلِ پیاله در طرب مر گوهرِ جاں را سبب — وز بوسه بر یاقوت لب خونِ مذاب افشاندش

چشمِ سرانِ نامور حیرانِ شاهِ بحر و بر — زاں بخشش در خاک زر چوں آفتاب افشاندش

شه نصرة الدین کز کرم در خاک زر آرد کفش

افتادگانِ خاک را از خاک بر دارد کفش

آوازِ مزمار از طرب با مغزِ جاں سازد همی — چوں مغز اندر کالبد با استخواں سازد همی

چنگ ار چہ پوشد پوستیں بند دلباسی بر سریں — در پردہ چوں ابریشمیں دریک زماں ساز دہمی
نے دارد از سرتا قدم از باد زحمت دمبدم — زاں دست نالد بر شکم افغاں ازاں ساز دہمی
آنکس کہ دہر بدفش بگسست رگہائے تنش — از تارِ خود در ربط زنش رگہائے جاں ساز دہمی
طفلِ کمانچہ بیں دو تو ہم مو سیاہ وہم دو مو — مانند مو آواز او کز مو زباں ساز دہمی
دف کاب ریزندش بسر تا گردش آوازنز — آوازش از تری نگر مطرب چساں ساز دہمی
ہر جا کہ ترتیبِ طرب امروز جمعست ای عجب — شہ ملک عالم را سبب اسبابِ آں ساز دہمی

والا محمد کاسماں بر آستانش سر نہد
دورانِ چرخ دولتش بر فرقِ ہفت اختر نہد

ای عارضت را برگِ گل در مشک تہ گرد آمدہ — ہر روز بر گردِ گلت مشکے دگر گرد آمدہ
تو خط کشیدی بر سمن مہ را میانِ انجمن — پادر گلیم خویشتن زاں خطِ تر گرد آمدہ
در حدّ ہندستان اگر بسیار گرد آید شکر — خطِ تو ہندستاں نگر در روے شکر گرد آمدہ
شمشیر خار از چند سو پشتیت بُرد گل را گلو — ہستار چہ گرد اگر داو چندیں سپر گرد آمدہ
بستہ کمر چوں غافلی مخرام و مفگن عاقلی — ہر حلقہ میداں بیدلی گرد کمر گرد آمدہ
فردا ازاں جولانِ تو بازی کند چوگانِ تو — ہر گوشہ در میدانِ تو چوں گوی سر گرد آمدہ
اے کردہ زاں رشئے چو مہ ہر روز خونے بے گنہ — از جورِ تو در پیشِ شہ شہر دگر گرد آمدہ

ہندوستاں راکے بدانشکر کافر زیاں
از تیغِ کافر سوز او تابست آب اندر میاں

شاہے کہ اعلامِ ظفر از چرخِ والا برکند
شد چرخ ازیں عالم عَلَم کاعلامِ اورا برکند

از آب کے ماند دمے سرچشمۂ رخشانِ خور
خورشید تاجش چونکہ سر از اوجِ جوزا برکند

خنگش کہ باد آسا رود چوں پر بر بالا رود
بادِ صبا از جا رود جائی کش از جا برکند

خفت ست پائے دشمنش از دیر غم در بستنش
بجہد ز تیغِ روشنش گر بیشتر پا برکند

اے آتشیں دریا صفت خورشید در تاب از تفت
شمشیرِ تست اندر کفت کاتش ز دریا برکند

آنرا کہ بر سینہ رقم کرد از قمر محنت رقم
افسونِ سودا دمبدم در حشر تاباں برکند

زاں گو نہ کز آبِ سناں درشکرِ کافر رواں
کاں تیر آبا زموتاں سر در بخارا برکند

گو ابر بکشاد از ہوا آبے ببارد بر زمیں
بکشاد چوں ابر کفت بارد ہمہ دُرِّ ثمیں

جودِ تو چوں از آستیں دستِ زر افشاں برکشد
ابرے ست کاندر آسماں از فیضِ نیساں برکشد

بحر از تو ہنگامِ سخا زاں گونہ شد مستِ عطا
کز آب مروارید را غوّاصِ غلطاں برکشد

زیں پس ترا از بہرِ جہاں از وزنِ رباید اماں
جودِ تو از سنگِ گراں چنداں زر از کاں برکشد

ہست از کفت در قعرِ یم دنداں صدف را در شکم
غواص از نیشِ دمبدم دامن بہ دنداں برکشد

کردی بہ شمشیر و قلم دستِ بخیلاں را قلم
تا زاں قلم ہمت رقم بر خطِ فرماں برکشد

ہر سر کز اقبالِ تو فرّش در خط نیارد افسرش
منشورِ ملکت بر سرش طغرائے فرماں برکشد

بینید گہِ جولانِ تو سر در خمِ چوگانِ تو
آنکس کہ از فرمانِ تو گردن بہ طغیاں برکشد

دعوت کہ ملکت را کند پیرِ فرتوتِ فلک
از کلکِ تیر اندر زماں بر پیہ نویسندش ملک

مسند فزا تکیہ گہ خلد بریں بادا ترا — در جام نہ تلخاب از ماء معین بادا ترا

تقدیر بہ قلموں قلم کردانچہ از دولت رقم — بر جبہۂ کاؤس و جم نقشِ نگیں بادا ترا

از ہفت خنگِ بادپا گنبد کناں اندر ہوا — چوں تازیانِ دلربا در زیر زیں بادا ترا

روزے کہ بکشائی عناں بر کافرِ تاریک جاں — مشعل کہ بفروزد جہاں فخرِ جبیں بادا ترا

زیشاں کہ بر روئے زمیں بنیاد دیں گر دی متیں — ہموارہ کوشش ہمچنیں در کارِ دیں بادا ترا

آنرا کہ خواہی کشتنش یک دیدنِ چشم توبس — در کارِ خسرو ہر نفس چشمے چنیں بادا ترا

وحش و طیور و دام و دد فرمانت راشد نامزد — در ضبط فرماں تا ابد ملکِ زمیں بادا ترا

این شعر چوں آبِ رواں آب از روانی گفتمش

چوں عینِ معنی بر ہمہ عین المعانی گفتمش

این نمط ترجیع ازاں خواندکز تاثیرِ من

باز می گرداند از خوانندگانِ خود بلا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات)

پرخاست بانگِ غلغلۂ جاں فزائے عید — شبنم و در کشیم مے غم زدائے عید

شد راح گوہرینِ قدح نور بخش خاک — شد خاکِ عنبرینِ چمن عطر سائے عید

گل می کند شراب بہ بوئے تو گل سراب — بلبل شدہ است بلبلۂ خوشنوائے عید

خونِ خروس خواں می یاقوت رنگ را — کافگند سایہ بر سرِ عالم ہمائے عید

قرّابه بین که کرد برون پنبه از گوش تا بشنود ز ساقیِ رعنا صلاے عید

ریختند لعلِ رخشِ شه عید ساقیا جام زریست لعل بها از بهاے عید

چشم ستاره داند و ابروے ماهِ نو کامد غبارِ مرکبِ شه توتیاے عید

مالکِ رقابِ نصرتِ دین افسرِ ملوک

عالی نسب محمدِ سلطان سرِ ملوک

بکشاد صبحِ عید ز رخ چون نقاب را بنمود ساقی آن رخِ چون ماهتاب را

اینک رسید وقت که مردانِ آب کار گردان کنند هر طرفے کار آب را

عید مبارک آمد و از بهرِ دوستان ساقی مگر ز شیشه برون زد گلاب را

قرّابه می ز شیشه برون ریخت عیب نیست تر اد وار ز شیشه بریزی گلاب را

ساقی ازان دو چشم که در بند خفتن است صد چشم بندی است که آموخت خواب را

مطرب بپرده که تو دانی بگو بچنگ کای پیر کوژ پشت چه کردی شباب را

امروز حلقهاے بریشم چه لایق است در مجلسِ شه از پے گوشِ رباب را

از سهمِ خود چو تیرِ ظفر بر کمان نهاد

صیتش چو آفتاب سر اندر جهان نهاد

مطرب ترنّمِ ترمستان لباخته است ساقی کمیت تند طرب را نواخته است

عید آمد و شهاب بمیدانِ سبز چرخ امشب ز شام تا بسحر نیزه باخته است

هم عود در نسیم صراحی بسوخته است هم چنگ ز اسماع مغنّی بباخته است

از تابشِ شراب کہ لعلیست آبدار — گوہر چو ژالہ در دلِ دریا لبساختہ است
آوازِ مطرباں کہ شدست از شراب تر — رشکِ نوائے بلبل و آوازِ فاختہ است
شاید کہ دف بپوست نگنجد کنوں کہ باز — نائی نفس نفس بنئے خود را نواختہ است
شکلِ عنان ست ماہِ نو سبز خنگِ شاہ — امروز بر عنانِ فلک سر فراختہ است

تا تیغ آفتاب بزیرِ رکابِ اوست
اقلیمِ بے حسابِ فلک در حسابِ اوست

شاہے کہ زر ز بخششِ او در گداز شد — سروے کہ شاخِ دولتِ او سرفراز شد
خاکِ زمیں ز یادِ لبش مشکبوی گشت — شمعِ فلک ز نورِ رخش در گداز شد
بدخواہ سوے لشکرِ او گر گشاد تیر — از ہیبتش بجانبِ بدخواہ باز شد
چوں از زبانِ خنجرِ او قطع شد سخن — در مدحِ او فتاد و حکایت دراز شد
بازوئے مملکت علمِ ملک گیرِ اوست — فتح و ظفر بران سرِ بازو طراز شد
تا ابرِ بخششِ تو برآمد بر آسماں — خورشید را بسایۂ دستت نیاز شد
بادِ صبا ز گلشنِ بزمت حکایتے — در گوشِ غنچہ گفت و سرِ غنچہ باز شد

تیغے کہ بست شہ چو بخورشید می رود
اینست بستہ طرفہ کہ بس تیز می رود

خلقش سخن ز نافۂ تاتار می کند — زاں باد خاک بر سرِ گلزار می کند
خس مہرہ ایست پیشِ کفش زر چو کہربا — چوں کاہ می رباید و ایثار می کند

تا چند بر عدو زندا ز خونِ خصم رنگ　　دندانہائے تیغ گہر وار می کند

اے خسروے کہ ناوکِ خارا شگافِ تو　　سوراخہا بہ بینیِ کہسار می کند

بر کوہ بس گراں ست کہ ہر لحظہ بر رود　　کو از تو سر بزرگیِ بسیار می کند

وصفِ جہاں گرفتنِ تو می کند بیاں　　تا تیغ را برزم زباں کار می کند

میکوبِ طبل جود کہ صد بختِ خفتہ را　　آوازہائے طبلِ تو بیدار می کند

روزے اگر حسودِ تو دنداں کند سفید

شمشیرِ تو ز خشم بلرزد چو برگِ بید

اے آفتاب خاک شدہ پیش روے تو　　وے نورِ آفتاب شدہ خاکِ کوئے تو

تو نیز دولتی بجہاں ہمچو آفتاب　　زہرہ کرا کہ تیز بہ بیند بسوئے تو

چوں بر سرت کلاہ سرے دید چرخ گفت　　کاے صد کلاہ بر سرِ لحیا رموئے تو

اے کارِ بخشش از کفِ وستت رواں چو آب　　باد آب تا بروزِ قیامت بجوئے تو

وصفِ نسیمِ خلق خود از نافہ باز پرس　　تا پوست باز کردہ بگوید بروئے تو

زیں آرزو بمرد حسود کہ ہیچ وقت　　باشد شہا بمردنِ او آرزوے تو

گوئی سرِ عدو ست کہ در وقتِ باختن　　چوگانِ چرخ بازیِ یابد بکوئے تو

از گردشِ سپہر غلامِ تو اختر ست

جائش غلام گردشِ ایں چرخِ اخضر ست

راے تو بر بساطِ جہاں کامگار باد　　خاکِ درِ تو مشکِ خطا و تتار باد

تا میوه بار می دہد از بارگاہِ شاخ | در بارگاہِ چرخ ترا چار یار باد
اندر زمینِ نرم ز بارانِ تیرِ تو | بر ہر طرف شگفتہ دو صد لالہ زار باد
چوں در مصاف آتشِ تیغت زباں زند | پرّاں سرِ حسود تو ہمچوں شرار باد
در پشتِ خنگِ بخت بجولانگہِ ظفر | دایم رکابِ دولتِ تو پایدار باد
زاں مے کہ دستِ چرخ بریزد بجامِ تو | اندر دماغِ خشکِ عدو صد خمار باد
تا نصرتِ خدائے جہاں بر سریرِ ملک | عمرِ تو در عمارتِ دیں بیشمار باد

این شعرِ تر کہ یافت معانی از و کمال
آمد ز آسمان بنقشِ رویۃ الھلال

این بساط نو کہ قطع ناظمان را کردے
دور نبود گر قیامت را بہ پیچد بوریا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

اے دولتِ ترا دو جہاں در پناہِ ملک | دے بخت نیک زاد ترا نیک خواہِ ملک
بالائے قست بر سرِ بالیں بگاہ بار | سر شے بہ بالش آمدہ در بارگاہِ ملک
تا تو کلاہِ ملک نہادی بفرقِ خویش | خورشید سر نہاد چو دیداں کلاہِ ملک
سایہ ست زیرِ چترِ تو داں ظلِّ چتر نیست | ظلِّ خدا ست در تہِ چترِ سیاہِ ملک
تا بندگانت را نشود قبلہ مشتبہ | کس را نداد با تو خدا اشتباہِ ملک

تا خنگ ملک دشمن تو زیر رانت دید — کاهی شد از حسد خس آن سینه کاه ملک

بر بوی ره کند فرست زیر پای اوست — شانه که در میان سران کرده راه ملک

دعوی تو بملک درست است کز قضا — هم عدل تو براستی آمد گواه ملک

گفتم بعالم از چه ز آفات ایمنی — گفتا ازان که داشت مرا در پناه ملک

سلطان معزّ دنیا و دین کیقباد شاه
یک دیده و دو مردمک چار پادشاه

ای از سر کرم بتو داده خدای تاج — وی گوهر بلند تو زیور فزای تاج

دریاست گوییا بسر آورده تاج موج — فرق مبارکت که شده آشنای تاج

تاج ترا بسر آمده کار ملک کرد — پیشانیت که شد بجهان پیشوای تاج

گر تاج بر رود بسرت جای انس نیست — چون همت تو کرده بسر خویش جای تاج

هستی بروی سرخ جگر گوشهٔ شهان — چون لعل در خور آمده خاص از برای تاج

رنگی بچرخ ماند شفق خواندش آسمان — تا شد سرت باوج فلک لعل سای تاج

آن آفتاب نیست بگردون و بلکه هست — آیینهٔ فلک شده صورت نمای تاج

وان گونه کآفتاب بیاقوت می دهد — دریوزه کرد ازان گهری با صفای تاج

ای صبح تاج زر بغلط داده بچرخ — من گویمت که کیست بعالم سزای تاج

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاه
یک دیده و دو مردمک چار پادشاه

اے چار بالشِ تو شدہ پشتبانِ تخت ‏ پشت از تو یافت بالشِ عالی مکانِ تخت

تختِ تو چوں بگردنِ گردوں نہادہ بار ‏ گردوں خمیدہ ماند زبارِ گرانِ تخت

بگرفت جملہ بیضۂ عالم بزیر پر ‏ ہیموں ہمائے چترِ تو بر آشیانِ تخت

اطلس کہ نام یافت نہم پردۂ فلک ‏ پرکالہ ایست بر سرت از سائبانِ تخت

دستِ زمانہ بر فلکِ خویش زہ کند ‏ یک پایہ گر بدو دہی از نردبانِ تخت

بر رفت مہ بہ بختِ تو ناگہ چو بر دوید ‏ دوراں فتادہ در سرش از آسمانِ تخت

می خواست مہ ز گردشِ دوراں فرو فتد ‏ لیکن ذنب گرفت ورا بر کرانِ تخت

چرخ ست دزد گوہر و آں دزد گوہریں ‏ لیکن چہ غم ز دزد چو شد پاسبانِ تخت

سلطاں معزِ دنیا و دیں کیقباد شاہ

یک دیدہ دو مردمکِ چار پادشاہ

اے فرقِ تو بماہ رسانیدہ کارِ چتر ‏ وز رویت آفتاب شدہ سایہ دارِ چتر

چترِ تراست چوں تہ و بالا دو آفتاب ‏ سایہ چگونہ باشد اندر کنارِ چتر

تا ہر زماں باوج رسد آفتابِ ملک ‏ جوزات گوئیا کمرِ زر نگارِ چتر

حقِ جوار را بفلک سایہ بر فگن ‏ سر بست بختی فلک اندر جوارِ چتر

چترِ سیاہِ تو شبِ معراجِ دولت ست ‏ سیارگانِ شب گہر سایہ دارِ چتر

ہر در زِ چتر قطرۂ بارانِ رحمت ست ‏ تا از جہاں فرو دنشاند غبارِ چتر

شاید کہ ہم بگوہرِ پرویں شرف کند ‏ زانرو کہ بست گوہرِ خود را ببارِ چتر

تو برگرفته چرخ و عطارد ببامِ چرخ   بنوشت بر ولایتِ بالا نشار چتر

گفتم بملک چتر ترا کار شد بلند   گفتا بگو بمیت که چنیں کرد کار چتر

سلطان معز دنیا و دیں کیقباد شاه

یک دیده و دو مردمکِ چار پادشاه

اے دستِ دولتِ تو گهرچینِ دورباش   بر بازوی تو تکیه و تمکین دورباش

پولاد دورباش تو چنداں گهر فشاند   کاسوده شد علاقهٔ زرین دورباش

یا ز آبِ دورباش مگر قطرها چکید   در شد بجامهٔ گهر آگین دورباش

شد چار پایه کرسیِ نه پایه تا بود   اندر تهِ سه پایه گهرچینِ دورباش

از تابِ خنجر چو تشنهٔ خوں شد زباں کشید   خونِ عدوست شربتِ تسکین دورباش

خود جاں که داشت خصم بجا بذار خاص داد   بر جانِ خود چو دید همه کینِ دورباش

آهنگ دورباش تو بر جانِ خصم زد   تنگ آمده ازاں شده تروپینِ دورباش

نمود روی فتح و ظفر پیشگی چو یافت   آئینهاے روشن از آئینِ دورباش

هر ساعتیش سورهٔ فتح ست بر زباں   دانی که کرد ایں همه تلقین دورباش

سلطان معز دنیا و دیں کیقباد شاه

یک دیدهٔ و دو مردمک چار پادشاه

اے عهد دولتِ تو به پشتِ بلندِ پیل   بخت از پیِ نشستِ ترا عهد بندِ پیل

خورشید گویا که برآمد به پشتِ کوه   آندم که بر روی تو به پشتِ بلندِ پیل

چپک ۱۲

کوهِ گران که کوهِ قیامت برد ز باد — لنگر تو سازیش زتنِ زورمندِ پیل

از بهرِ ژاله سنگ دو هر پیل ابر را — گوئی که در هوا فگند چار بند[1] پیل

دندانش بر زمین چو عدو را فرو برد — گاوِ زمین دریده شود از گزندِ پیل

خرطوم حلقه حلقه کمندے بحلقهاست — یا رب چه حلقهاست چنان در کمندِ پیل

خود پیلِ تو ز گرم روی برج آتشی ست — جانِ عدو بر آتشِ بندت سپندِ پیل

کرده چو سرخ روی تو خون ریز دشمنان — باشد میانِ کوکبه صورت پسند پیل

سلطان معز دنیا و دین کیقباد شاه

یکے دیده و دو مردمک چار پادشاه

بادا جهان همیشه بکامِ تو شهریار — شاهانِ روزگار غلامِ تو شهریار

محمود چون بدی شدی اندر پناهِ ملک — محمود از تو باد مقامِ تو شهریار

همواره بامِ فضلِ تو از نه فلک یکی — با نه فلک یکے شده نامِ تو شهریار

آن ابلقِ زمانه که کس ندهدش نشان — بر لبشهٔ دوال ستامِ تو شهریار

تا صیتِ دولتِ تو برد شرق را بغرب — بادِ صبا اسیر بکامِ تو شهریار

تا هر زمان نشسته چه خوش بامراد و کام — هر دم می مراد بکامِ تو شهریار

از هفت شیشهٔ فلکی دور تو مدام — وآفاق مست در مدامِ تو شهریار

خسرو ز جامِ جودِ تو سیراب می که هست — امیدوار جرعهٔ جامِ تو شهریار

---

[1] کنایه از عالم و دنیا

بر روے سکہ خطبہ بنام تو شہر یار
بادا ہمیشہ سکۂ تو چوں درم درست

سلطان معزِ دنیا و دیں کیقباد شاہ
یک دیدہ و دو مردمک چار بادشاہ

می تراود آب ہر جا باشد ایں شعر از تری
منکرش خس پوش کاندر زیر آں دار د ریا

(بحر رمل مثمن مخبون مخبون مقصور وزن او فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن)

صحنِ گلزار پُر از نغمۂ مرغانِ ہوا است
خیمہ در باغ زن اے گل کہ گہِ برگ و نوا ست

غنچہ راز دلِ خود گرچہ نہاں می دارد
سخنِ سبزہ و بلبل ہمہ اندر صحرا است

ساقیا خیز کہ در پیشِ رخِ گلگونت
نرگسِ مست نخفت و گل سوزی برخاست

باد را گرد سرِ زلف بدہ گشتن از انکہ
آں پریشانیِ زلفت ہمہ از بادِ صبا ست

قدحے بخش بخسرو کہ ہواے بادہ است
آں خیالِ بخششِ ابر ست کہ بر یادِ ہوا ست

ہمہ در راست بود نالۂ بلبل در سرو
چوں کہ بر خار نشیند ہنر خود آراست

اے بنفشہ سخنِ سرو چو برخاست بگو
سر فرو چند کنی کژ منشیں راست بگو

باغ پُر غلغلۂ نغمۂ دستاں گشت است
در رخ گل ہمہ آفاق گلستاں گشت است

بوئے مشک ست کہ از سوئے چمن می آید
زلفِ سنبل مگر از باد پریشاں گشت ست

سوسن از شرم سر افگنده بماندست مگر　　تیغ بر گل بکشیدست و پشیماں گشت ست

بعد ازیں چشم نگهدار تو اے نرگس از انک　　خرمنِ باغ پر از سنبل و ریحاں گشت ست

بید را باد گرفت ست ازاں می لرزد　　یاسمیں را که گرفت ست که لرزاں گشت ست

بجگر خونِ صراحی بمن آور ساقی　　که مرا تار بریشم چو رگِ جاں گشت ست

تا گلِ روئے ترا دیده ام اے سروِ بلند　　غنچه در چشم منِ دل شده پیکاں گشت ست

شاخ شد حامله شو خاره ولایت گردا

می خور امروز که داند که چه آید فردا

دیده رخسار ترا آئینهٔ جاں گیرد　　لبِ شیرینِ ترا چشمهٔ حیواں گیرد

از برائے دلِ من گیر یکے گل بر دست　　تا گل از دست تو انگشت بدنداں گیرد

لاله کردار اگر خنده زنی دامنِ کوه　　اے بسا سنگ که در لالهٔ خنداں گیرد

دستش از بند جدا کن که گهِ گستاخی　　بندے از طرهٔ مشکین پریشاں گیرد

زلفِ مشکینِ ترا عاشق مسکیں پس ازیں　　در دلِ خویش گرفت ست که در جاں گیرد

چوں که بے روئے تو نتواں بگلستاں دیدن　　دلِ من عیب مکن ار نه گلستاں گیرد

هر که خواهد که ز دستِ تو مرا باز خرد　　در زمان پائے ملکزادهٔ گیهاں گیرد

اختیارِ دل آں شه که جهاں را جان ست

روشن ست ایں که چراغِ دلِ کشلیخان ست

شهسوارے که اگر زیں بسمند افگندست　　صورتِ نیزهٔ او بیخ عدو برکندست

دشمناں را بپراگند سمندش بوغا — باد خس را عجبے نیست کہ بپراگندہ است

بادہ خور دست نہ کاسِ سرِ دشمن تیغش — زاں سبب گوہرِ خود جملہ بروں افگندہ است

دشمنش زندہ نماندست یکے در عالم — آنکہ زندہ است ہم از بازوی او تا زندہ است

تا زگنجِ کرمش باد بنرگس زر داد — چشمِ نرگس بزمین ست مگر شرمندہ است

ابر چوں دیدہ کفش گفت بآوازِ بلند — کہ رہے دستِ ترا درگہِ بخشش بندہ است

گل بگستاخی در مجلسِ او می خندید — باد زد در دہنِ او کہ چہ جائے خندہ است

ابر نیساں زکفش چوں سخن آغاز کند
چوں بدریا برسد گوش صدف باز کند

خسروا چرخ زتیغِ تو جہاں می دارد — چرخ را دستِ تو بر نوکِ سناں می دارد

گردناں گر نہ عطائے تو بود خاک شوند — آں ہمہ سرفگناں را ہمہ آں می دارد

دشمنت در ہوسِ زندہ شدن می میرد — تو مسیحی بزبانش چہ زیاں می دارد

آبِ سیم ار برد نیست عجب چوں کفِ تو — سیم را بر صفتِ آبِ رواں می دارد

آب گردد گہر از دستِ سخائے تو و لیک — تیغِ تیزِ تو مر او را بزباں می دارد

در جہاں داشت ترا ہر جہاں داری را — یک جہاں دار کہ او ہر دو جہاں می دارد

غنچہ از غیرتِ خلقت جگری خوں کردست — لیکن از نرگسِ غماز نہاں می دارد

سرفرازاں ہمہ در پیشِ تو افسر بنہند
در کلاہِ تو بہ بینند و رواں سر بنہند

چرخ بر روئے زمیں کارِ ترا گردان کرد
بخت بر نامۂ دیں نام ترا عنواں کرد

ہر کرا گفتی کہ پیشم بزمیں بوسہ بزن
بر زمیں بوسہ زد و حکم ترا فرماں کرد

بادپائے تو چو برخاست بجولاں گفتم
خاست آں باد کہ در سایۂ گل جولاں کرد

زخم چوگانِ تو چوں دید سرِ گوے بگشت
آں چہ لعبیست کہ در بازوی تو جولاں کرد

نوکِ تیرِ تو جدا کرد بہنگامِ مصاف
کمرِ کوہ کہ از تیغ جدا نتواں کرد

پیل را گفتم خوں ریزِ حسودِ شہ را
پیل ایں خدمتِ لایق زدن دنداں کرد

عاقبت در دلش از خاکِ درت یاد آمد
ہر کہ در چشم گہی سرمۂ اصفاہاں کرد

دہر را بر درِ ایوانِ تو سر می بینم
آسماں بارگہت چو در می بینم

شہسوارا کرۂ بختِ تو در جولاں باد
جائے جولانِ کمندِ تو سرِ کیواں باد

ہر کہ ننہد چو قلم بر خطِ فرمانِ تو سر
در قلم کردنِ او تیغ ترا فرماں باد

واں کہ چوں چرخ بگردِ سرِ او می گردد
تا ابد چرخ بگردِ سرِ او گرداں باد

ہر زماں تیغِ گہر دار فلک می گوید
نصرتِ تیغِ شہ از گوہرِ کشلیخاں باد

از پئے آں کہ بد اندیش ترا آگاز[لہ] نہد
چرخ ہمچوں ارہ سرتا بقدم دنداں باد

لہ [illegible] ۱۲

تا ز باران و دز باد ست گلستاں تازہ
در گلستانِ کرم ابرِ کفت باراں باد

آں مبادا کہ نخواہد دلِ تو در عالم
ہر چہ خواہد دلِ تو در ہمہ عالم آں باد

ایں قصیدہ کہ ہمہ ورد کند اعیانش
مورد الورود نہادست معانی نامش

در ملا گویم که خلوت گاه این شعر منست
آں که بر نه چرخ گوئی لا خلا و لا ملا

(بحر مضارع مثمن محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

منت خدای را که بمنزلگهِ ظفر — آمد ببرج خود ملکِ مشتری نظر

شه اختیار دولهٔ ماه چرخ منزل آنکه — بگذشته ماهِ رایتش از منزلِ قمر

می ریخت از لگامِ براقش چو برق نور — زیں ساں لگام ریزشه آمد ببرج در

گلگونِ او بروئے زمیں پائے می نهاد — پایش چو دید کرهٔ گردوں نهاد سر

دریا چو دید بخششِ او کرد بهرِ خلق — هر دُر که در خزینهٔ آب ست جمله تر

از گردِ لشکرش که بر آمد بر آفتاب — کس را نیامد آئینهٔ آب در نظر

زر را به نیم جو چه بسنجید جودِ او — بے سنگ شد تر از دو بی وزن گشت زر

تیغ روانِ او ز عدو زاں گریخته است
آبے ست گوئیا که کس آں را نریخته است

چوں در شد بلند شهِ مشتری شعار — داہن کشاں بتیزیٔ خورشید شد سوار

چرخ از سنانِ نیزه زمیں از خیالِ نعل — گشته چو دامِ ماہی و اندامِ سوسمار

بر نیزهٔ درازِ سنانِ کبود رنگ — گوئی که آمده است برون از دہانِ مار

افتاده بر کلاه سراں سایهٔ قلم — و اسپانِ دیو گیر شده جمله سایه دار

زاں ماہیِ نشانہ کہ از زندہ شد چو آب　　پیوستہ در درونہ خالی ست خار خار

تا پای خنگِ تو بزمیں آمدست پست　　زاں روز باز در دلِ چرخ از زمیں غبار

بیہوش گشتی از فزع و بانگِ طبلِ خلق　　گر نوبتِ بلند نگفتے کہ ہوش دار

نیک اختراں سوار بر اسپانِ ماہ نعل

روئے زمیں گرفتہ سراسر کلاہِ لعل

رومی نماید آئینۂ جام آب گوں　　آئینہائے ثانیِ جمشید بیں کنوں

چوں بحرِ آب گونِ قدح موج می زند　　بے آب گشتہ می شود ایں بحرِ آب گوں

آئینۂ مراد کہ آرد بدستِ من　　بیرونِ جامِ می کہ صفا دارد از درون

جوشی کہ در دماغِ صراحی ست از شراب　　ساقی تواند آنکہ برد از سرش بروں

ساقی تمام بر صفتِ مہ برآمدہ　　وانگہ مہی کہ روز بروز ست در فزوں

زو خوں گرفت مجلس و کس نے کہ گویدش　　کائے ترک خوں گرفتہ سرت از گرفت خوں

زلفش کہ برنمی کند از ہیچ روی سر　　گوئی ز شرمِ بخششِ شہ گشت سرنگوں

بنمود چرخ را زمیں جہاں فروز

بستد ز آفتابِ فلک ملک نیمروز

صبح ست بادِ گل کہ بگلزار دادہ رنگ　　بر آبِ جوئیش آمد از آب رفت زنگ

برگیر شیشۂ می و آہستہ بکش　　دست تو گر ز کوہ غم آمد بزیر سنگ

اے چنگی کہ چنگ ببر در گرفتہ　　مگزار زینہار ز دست گرفتِ چنگ

واں نائے تنگ حوصلہ را ہیں گرِہ سخن — در تنگی افتدش نفس اندر دہانِ تنگ
از چرخ اگرچہ قامتِ دف چنبری شدست — بارے سفید پوش ہمی بینمش برنگ
ساقی پیالہ برکف و از پستہ نقل ریز — در جوز مغز پستہ تر زانِ دہانِ تنگ
تا چشمِ او ز خوابِ در آمد چناں خوش ست — گوئی کہ دید روئے سرافرازِ رومِ زنگ

جائے کہ تیغِ شاہ در آمد بسرکشی
اے تیغِ آفتاب تو بارے چہ درکشی

شاہے کہ گرم کرد چو در زیرِ راں سمند — سوزد جہاں بر آتشِ آں بادپا سپند
واں خنگ گرد مہرہ چو در باختر شود — گوئی کہ باد مہرہ بروے ہوا فگند
تیرش بلند می پرد آنجا کہ راست است — از قوّتِ کسے ست کہ او می پرد بلند
شیرینیِ بہ نیزہ دہد لعب دستِ او — از وے دہد تہی گہ نے نیزہ پُر ز قند
آوردہ سرِ او دلِ دشمن بہ بندِ خویش — تا کرد جعد پُر خمِ او زیرِ موے بند
پیچاں کمند اوست نہنگے کہ بدسگال — بر خویشتن بہ پیچد اگر بیند آں کمند
خواہد کہ ابر چوں کفِ او دُرفشاں شود — چشمک زند ستارہ کہ اے برق زو مخند

شاہا چو دید دست ترا ابر در آستین
دریا ز شرم دست کشید اندر آستین

اے کز خیالِ تیغِ تو خورشید گشت زرد — سرسبز شد ز خاکِ رخت چرخِ لاجورد
گر کرۂ زمیں نشود خاکِ پائے تو — صد نے بر آورد ز زمیں کرۂ تو گرد

شمشیرِ تست قطرهٔ آبی که روزِ رزم آن را بخورد دشمن و بر جای گشت سرد
خوش خورد آبِ تیغِ تو دشمن ز دستِ تو وانکس که آن ندید دمی آب خوش نخورد
گر هست دشمنت بمثل همچو آفتاب بر روی مشو تو تیز که هست آفتاب زرد
فریادرس شها که ز دستِ سخای تو از گریه ابر خونِ دل و لاله آب کرد
نرگس ز خاکِ مجلسِ تو توتیا کند از چشمِ زخمِ خار چو چشم آیدش بدرد

دستت که گردگاه کرم سوی سیم پشت
از تیغ زر ستاند و انگه دهد بمشت

شاها توئی که تیغِ تو با خصم بد نژاد می گفت دل ببین بده از سهم جان بداد
خسرو منم که بهرِ نثارِ تو دستِ من نقدِ معانی از گرهِ کلک برگشاد
تیغ از نهیبِ کلکِ من از دست رفته بود شد برقرار خود چو شهش دست رهت داد
گوهر که کارد از قلمِ من بدستش کرد با تیغ گوهرین همه اندر میان نهاد
می گفت بادِ شب سخنِ شعرِ من با آب از گریه آب را گره اندر دل اوفتاد
خود را ز مدحتِ تو فراموش کرده ام لیکن دعای شاه مرا دم همیشه یاد
تا آب و باد تند رود بر مرادِ خویش در صحنِ عالم اسپِ مرادِ تو تند باد

این شعر آبدار بخوبی چو شد تمام
گردون حدیقة الحدایقش نهاد نام

بسکه از خونِ شهیدان ست نقشِ این حرم
نام این نعت الغزا گفتیم فی نعت الغزا

(بحر رمل مثمن و مقصور وزن او سه بار فاعلاتن و یک بار فاعلات)

واقعه است این یا بلا کز آسمان آمد پدید — آفت ست این یا قیامت کز جهان آمد پدید

راه در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنه را — رخنهٔ کامسال در هندوستان آمد پدید

مجلسِ یاران پریشان شد چو برگِ گل ز باد — برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید

هر مژه بی دیدنِ یاران سنانی شد بچشم — تیر بالا چون ز نوکِ هر سنان آمد پدید

دل نه پیچد چون؟ ز نامه رشتهٔ صحبت گسست — دُر نه ریزد چون؟ خلل در ریسمان آمد پدید

بسکه آبِ چشمِ خلقی شد روان از چار سو — پنج آبِ دیگر اندر مولتان آمد پدید

خواستم من تا ز آتش بر زبان آرم سخن — صد زبانِ آتشینم در دهان آمد پدید

سینهٔ خاکی بکندم گریه بکشاد از دو چشم — چون زمین کاویده شد آبِ روان آمد پدید

جمع شد سیاره در چشم و دگر طوفان شود — چون ببرجِ آبی انجم را قران آمد پدید

گریه هم بی پوست روی می کند با من کزو — پوست از رویم برفت و استخوان آمد پدید

مردمان بودند تا سیرِ قران را منتظر — اینک اینک خسروا آثار آن آمد پدید

من نخواهم جز بسمان جمعیت و این کی شود
خود خیال ست این بنات النعش پروین کی شود

تا چه طالع بُد که شاه از مولتان لشکر کشید | تیغ کافرکُش برائے کشتنِ کافر کشید

چون خبر گردیدش از دشمن بر آن قوت که داشت | بے محابا خشم در سر کرد رایت بر کشید

آنچه حاضر بود لشکر لشکرے دیگر بجست | زانکه رستم را نشاید منّتِ لشکر کشید

یک کشش از مولتان تا با لُہا ور او فتاد | یعنی اندر عہدِ من کافر تواند سر کشید

من نه آن شیرم که شمشیرِ چو آبِ آتشم | از کشش بر جانشان از خاک و خاکستر کشید

بسکه برگِ خونِ ایشان سے اروان کردم چو آب | ہمچو بط بر پرِّ کرگس بر سرِ خوان بر کشید

ز اختران چشمش رسید از دست مانند شہاب | میں باید تافت و اندر چشم ہفت اختر کشید

غرۂ مہ شد محرم نے برو بر کل خلق | چون سلیخ اندر گلوئے دشمنان خنجر کشید

آن چنان رنگین امسال ست خاک از خونِ شان | کز زمیں باید شفق را گونۂ احمر کشید

او درین تدبیر آگه نه ز تقدیرِ فلک | صفحۂ تدبیر را خطِّ مشیّت در کشید

تا رسد عاشور در صفِّ غزا شد چون حسینؑ | گردِ خنگش سرمه در چشمِ مہِ انور کشید

آن چه ساعت بُد که کافر بر سرِ کافر رسید
جوق بر جوق آب را بگذشت ناگه در رسید

خنگ شه دیدی و بر گردون غبار انگیختن | باد پا بر کافرانِ خاک را انگیختن

غلغله در انجم از جوشِ سپاه انداختن | زلزله در عالم از شیرِ سوار انگیختن

از خروشِ کوس و بانگِ اسپ و آوازِ سوا | لرزه در صحرا و دشت و کوہسار انگیختن

آنچه ہیبت بود وقتِ کارزار آراستن | وانچه وحشت بود گاهِ گیر و دار انگیختن

نعل در آتش نہادن توسنانِ گرم را ۔ وز سمِ ہر آتشیں نعلے غبار انگیختن
از فروغِ تیغ در سرقفّہ تاب انداختن ۔ وز خیالِ نیزہ در دل خار خار انگیختن
پردلاں در حملہ از بہرِ مخالف سوختن ۔ بیدلاں در حیلہ از بہرِ فرار انگیختن
کار شاہ مرد پرور اندراں میدانِ کار ۔ کار مرداں کردن و مردانِ کار انگیختن
ضربتِ مردانہ در پہلوی نامرداں زدن ۔ شعلۂ آتش ز تیغِ آب دار انگیختن
دیو بندی را علم جمشید وار افراختن ۔ ملک گیری را فرس خورشید وار انگیختن
آسماں اندر تضرع زاں فزع بر داشتن ۔ آفتاب اندر تیمم زاں غبار انگیختن

اندراں میداں کہ فرق از مرد تا نامرد بود
اے بسا کس را کہ لبہا خشک و رو ہا زرد بود

روز از تاریکی آمد چوں بہم بر بافتند ۔ زرد شد خورشید چوں خنجر بخنجر بافتند
روز نزدیک فرو رفتن کہ از زنگارِ تیغ ۔ آسمانی بر سرِ خورشید لشکر بافتند
شانہ را مانند آں صفہاے تیغ از ہر دو سو ۔ سرکشاں چو مویہاے یک دگر بر بافتند
آبگوں شد خاک چوں جوشن بجوشن دوختند ۔ گلستاں شد دشت چوں اسپر باسپر بافتند
آسماں پر میکشد گوئے کہ گر بر زد ز تیر ۔ نیزہا بالائے سرزاں پر کہ در بر بافتند
صاف شد از تیغ چوں نیمی سرِ کافر تمام ۔ کافراں ہر سو کہ چوں مرغول کافر بافتند
از سرِ شاخِ خسی ہمہ یاقوت سرخ از تیغ جست ۔ تا مکلل شد علمہائے کہ در زر بافتند
ہم یگاں سر شد دوگاں شمشیر چوں برہم زدند ۔ ہم دوگاں سر شد یگاں سرہا چو در سر بافتند

کشتگان افتاده در اطرافِ آن صحرای سبز · همچو صورتها که در دیبائے اخضر بافتند

خواست شه تا نطعِ نصرت گسترد لیکن سپهر · کز فلک این نطع را بر شکلِ دیگر بافتند

یک زمان شمشیرِ قتالش نیاسود از قتال

از زوالِ روز تا شب اندران روزِ زوال

یا رب آن خون بود کاندر روئے صحرا میدوید · یا بسوئے تشنگان موجے ز دریا میدوید

آب در غربیل ریزی چون فرو ریزد و زیر · خستگان را خون بدانگونه ز اعضا میدوید

کشته اندر خاک جان میکند و بر خود می طپید · وز گلویش موج زد خون و ببالا میدوید

آن بدوزخ برد آب و این بجنت داد جوے · گرچه خونِ گبر و مومن هر دو یکجا میدوید

تیر کشتیها ز پر میراند بر دریائے خون · بیلکی می زد به تندی و کنارا میدوید

از وجودِ مرد هر خونی که آن از زیر جست · چون کسے کز تیر بجهد بے محابا میدوید

توسنان در خیز و سرهائے سواران می فتاد · مرد را سر میدوید و اسپ را پا میدوید

هر کرا از قوتِ دل بازو اندر کار بود · راست کرده تیر سوی قلبِ اعدا میدوید

وانکه از ضعفِ درونی دست و پا گم کرده بود · گه بسوی آب و گاهے سوئے صحرا میدوید

خان لشکر کش بترتیبِ صف و آئینِ جنگ · میدوانید اشهبِ اقبال را تا میدوید

بازپس می برد گردون مو گرفته فتح را · فتح هر چند از ملاعین جانبِ ما میدوید

کافر اندر انتظارِ شب که تا بیرون شود

ناگهان میزان ما را پله دیگرگون شود

تا چہ شب بود آنکہ از چرخ آفتاب افتادہ بود
دیو آتش در جہاں بیزد شہاب افتادہ بود

روز چوں باقی نبود آں آفتابِ چرخ را
روز باقی بود چیزے کافتاب افتادہ بود

گر حسین کربلا را رہ بہ بے آبی فتاد
آں محمد بُد کہ از آتش بآب افتادہ بود

دام ماہی شد دلِ مردم کہ در روستانِ دیو
دستِ جم را خاتمِ شاہی در آب افتادہ بود

کافر اندر خوں چو خر در پارگیں افتادہ بود
مومن اندر گل چو گوہر در خلاب افتادہ بود

فوج اندر آب طوفانِ بلا را می گذشت
فوجِ دیگر تشنہ در راہِ سراب افتادہ بود

ہر یکے در تختۂ خاکی فرو شد بہرِ آں کہ
کارِ شاں با دفترِ یوم الحساب افتادہ بود

جوزِ ہندی بُد منقش کردہ از شنگرف تر
کشتگاں را سر کہ اندر خونِ ناب افتادہ بود

از وداعِ جاں جراحتہای من خوں میگریست
وز فراقِ زندگانی تن خراب افتادہ بود

فعلِ ایں گرگِ کہن بنگر کہ از فعلِ سگاں
شیر در زنجیر و پیل اندر طناب افتادہ بود

نے فزع بود آں قیامت را معیّن دیدہ ام
گر قیامت را نشاں این ست بس من دیدہ ام

دائراتِ آسماں بیں گردشِ پرکار کرد
مرکزِ اسلام را سرگشتہ چوں پرکار کرد

ذرہ را دیدی کہ آبِ چشمۂ خورشید برد
سنگ را دیدی کہ کارِ لولوی شہوار کرد

تا شہ اندر کہفِ عصمت شد تنگت آں آدمی
گونہ ز افغاں خفتگانِ کہف را بیدار کرد

گر نہاں غیب رفت از پیشِ دشمن عیب نیست
مصطفےٰ از رزمِ خصماں عزمِ سوئے غار کرد

ور شرارِی آمدش از تیرِ کافر ہم رواست
خشمِ نمرود آخر ابراہیم را در نار کرد

ور بدارِ قدس رفت از اشک شاں دل بد مکن عیسیٰ از جورِ نصاریٰ سر فدای دار کرد

ور سگاں رو بہ فنی کردند با او ہم چہ باک آنچہ ترسائے بروے حیدرِ کرار کرد

ور ز دیوانش گزشت آب از سر آخر یاد کن زانچہ دیوے تہمتن را غرقِ دریا بار کرد

با مغل ہر سال بہرِ دین سر و کارش بود عاقبت جانِ گرامی در سرِ ایں کار کرد

دست تقدیر ست گہ خوں ریزد و گہ جاں دہد ناتوانا نیم نتواں کینہ بر قہار کرد

شیر نر از پیش مورے صد خروشِ صعب زد پیل مست از نوکِ خاری صد فغانِ زار کرد

جمعہ بود و سلخ ذی الحجہ کہ رفت آں کارزار

آخر ہشتاد و سہ آغاز ہشتاد و چہار
۶۸۳ھ ۶۸۴ھ

مہر و مہ بر روئے آں فرخ لقا بگریستند روز و شب بر سال آں اندک بقا بگریستند

ہمچو فرمانش رواں شد شرق تا غرب آبِ چشم بندہ فرماناں کہ بے فرمانروا بگریستند

بس کہ اندر عہدِ او ماہی و مرغ آسودہ بود ماہیاں در آب و مرغاں در ہوا بگریستند

آسمانہا با ہزاراں دیدہ بر اہلِ زمیں ہمچو بارانِ بہاری بر گیا بگریستند

شبنمے کز آسماں ہر صبح میریزد بخاک اشکِ انجم داں کہ از اوجِ سما بگریستند

خلقِ ملتاں مرد و زن گریہ کناں و موکناں کو بکوی و سو بسوی و جا بجا بگریستند

از خروشِ گریہ و بانگِ بکا کس می نخفت بسکہ در ہر خانۂ اہلِ عزا بگریستند

ہم بآبِ چشم خود کردند ترتیبِ وضو مغفرت جویاں کہ در وقتِ دعا بگریستند

دیدہ خوں افشاند بگل چوں گلوی کشتگاں بسکہ بہر کشتگانِ خویش را بگریستند

شد زبان از نالہ چوں پاے اسیراں آبلہ ۔۔۔ بسکہ از بہرِ اسیرانِ بلا بگریستند

در ازاں بندِ بلا ناگہ اسیرے باز گشت ۔۔۔ روئے او دیدند ہر کس بے ریا بگریستند

گریہ چنداں شد کہ موجِ دیدہ از جیحوں گزشت

حالِ من ایں بود حالِ دیگراں تا چوں گزشت

دستِ ظالم تا خود از دنداں کنم بازو کبود ۔۔۔ یا بپوشم جامہ زیں مینای چرخ مینو کبود

ہر کسے نامی زند سوزن سرِ بازو و من ۔۔۔ نامِ شہ خیزد چو از دنداں کنم بازو کبود

وہ کہ از چرخِ کبود او خفت پہلوی زمیں ۔۔۔ وز زمیں خفتن ہمہ آفاق شد پہلو کبود

ہم سیاہی شد ز ہند و ہم سپیدی شد ز ترک ۔۔۔ بسکہ می پوشد کنوں ہم ترک و ہم ہندو کبود

آسماں را گوئیا بدر ید وقسمت کرد خلق ۔۔۔ بسکہ اطرافِ زمیں از جامہ شد ہر سو کبود

نیل پوشیدن کنوں چوں رسم شد زیں پس رواست ۔۔۔ گر کنند اسپید بافاں رشتہ و ریا[1] کو کبود

مصر جامع را بہر کوئے رواں شد رودِ نیل ۔۔۔ شستہ شد از گریہ چنداں جامہ در ہر کو کبود

نیل گر را خود عروسی شد بخانہ بس کہ شد ۔۔۔ پیرہنہائے عروساں در عزا ہشو کبود

خوبرویاں را کہ پیشانی زدند و خوں گریست ۔۔۔ زیرِ ابرو سرخ شد بالا تر از ابرو کبود

نیل حاجت نیست خوباں را و سرخی بعد ازیں ۔۔۔ چوں نہ کندن سرخ گشت و از زدن شد رو کبود

بسکہ برکندند موے از فرقِ نازک سربسر ۔۔۔ شد ز آزارِ جہاں کندن تہِ ہر مو کبود

موے سر تا چند ازیں غم زار و گریاں برکنم

ایں تن چوں موے بارے از سر جاں برکنم

---

[1] آلۂ جولاہگان بہندی نال یا نلی ۱۲

وہ کہ دل یکبارگی خوں شد برائے دوستاں — آہ ازاں جمعیتِ راحت فزائے دوستاں

دیدہ بہرِ دوستاں شد آشنائے آب و خوں — تا میانِ آب و خوں شد آشنائے دوستاں

بسکہ خونِ بے بہا خورد ست خاک از دوستی — واجب ست از خاک جستن خوں بہائے دوستاں

خفتگانِ خاک را گر خاستن ممکن بود — عمرِ باقی می کنم وقفِ بقائے دوستاں

حیف باشد مردماں در چشم و ما از چشم دور — دیگراں را چوں تواں دیدن بجائے دوستاں

دوستاں رفتند غیرے را چہ گیرم در کنار — چوں کشم بر قامتِ ہر کس قبائے دوستاں

خاکِ شاں در دیدہ می آرم در انصافے بود — ایں چنیں بے قدر باشد خاکِ پائے دوستاں

در ہوائے دوستانم گر سرم بیروں کنند — از سرم بیروں نخواہد شد ہوائے دوستاں

خسروا ہر بار می گوئی فرو خواہم درید — جامۂ جاں تا بدامن در عزائے دوستاں

جاں کہ صد پارہ شد از غمہا کجا باشد روا — پارۂ را پارہ کردن از برائے دوستاں

دوستاں رفتند از بہرِ کہ می گوئی سخن — ختم مطلق کن سخن را از برائے دوستاں

یاد می کن رفتگاں را خاصہ در حالِ ما

کت برحمت راہ نماید گردالِ دعا

یا رب از خورشیدِ رحمت نور در جاں بادشاں — جاں ز فیضِ نور چوں خورشید تاباں بادشاں

بود شاں در روضۂ ہیجا خانِ اعظم پیش رو — پیشوائے جنۃ الفردوس ہمچناں بادشاں

در ہوائی گر ہلاک آنجا پرد گرد و مگس — پرِ طاؤساں فردوسی مگس راں بادشاں

فیضِ رحمت آبِ حیواں ہست در ظلماتِ گور — یا رب از ظلمتِ گور آبِ حیواں بادشاں

چوں ز خورشید قیامت روبہا گرد سیاہ — بر سر از چترِ ہما یک سایہ گرداں بادشاں
چوں نبی دیوانِ سیاست نامہ شاں برکف نہند — از کتابا بالیمیں بر نامہ عنواں بادشاں
قطرۂ خونی کہ گشت از حلقِ ایشاں ریختہ — بہتریں لعلے برائے تاجِ غفراں بادشاں
تشنگانے را کہ جانِ شاں ز بے آبی برفت — بر سر از بحرِ کرم ہر لحظہ باراں بادشاں
بستگانے را کہ دشواری بر ایشاں در بماند — یارب امیدِ رہائی زود آساں بادشاں
رستگانِ ہند را رنجیکہ اندر بند بود — موجب از بہرِ نجاتِ آخرت آں بادشاں
وانچہ باقی ماندہ اندوہاں بلا باز آمدہ — فضلِ یزداں بادشاں احسانِ سلطاں بادشاں

چوں محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد
کیقبادش اسعد و کیخسروش مسعود باد

از برائے لبِ خورِ ایں دشمناں خونابہ ایست
از کہن دولابِ خوں ریزِ سپہر ایں ماجرا

(بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزنش مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

اے دل بغم نشیں کہ ز شادی نشاں نماند — اے دیدہ خوں گری کہ طرب در جہاں نماند
ہم مرغِ عیش از قفسِ خاکداں بجست — ہم دُرِّ مہر در صدفِ آسماں نماند
فتنہ سپہ کشید چو لشکر شکن بخفت — آفت جہاں گرفت چو لشکر ستاں نماند
در تختِ ملک پایۂ فتح و ظفر شکست — بر فرقِ دہر سایۂ امن و اماں نماند

چشم و چراغِ خسروِ روئے زمیں برفت — پشت و پناہِ کشورِ ہندوستاں نماند

از مملکت چہ کام بر آید چو خاں بشد — وز کالبد چہ کار کشاید چو جاں نماند

خواہم زباں زپارۂ دنداں فرو برم — گر خواہد ایں حدیث بگوید کہ خاں نماند

آں دستگاہِ دولت و دیں را نگیں کجاست
واں شاہزادۂ ہمہ روئے زمیں کجاست

چشمے کہ بود بختِ جواں را بخواب رفت — شمعے کہ بود بزمِ جہاں را ز تاب رفت

پیرایۂ جلال بصندوقِ چوب ماند — سیارۂ کمال بدریائے آب رفت

انجم بخاک خفت مگر آسماں فتاد — عالم سیاہ گشت مگر آفتاب رفت

ساقی مدہ کہ طبعِ حریف از مزاج گشت — مطرب مزن کہ سازِ نشاط از خراب رفت

برخاک ریز بادہ کہ گاہِ طرب گزشت — بر سنگ زن پیالہ کہ وقتِ شراب رفت

اکنوں جوابِ خصم کہ گوید بروزِ رزم — شمشیرِ تیز را چو زبانِ جواب رفت

خسرو ہنوز چند تواں خواندن ایں کتاب — ہم شب بآخر آمد و ہم خاں بخواب رفت

پردہ فرو ہلید برخ ہمچو ماہ را
ابرہ فرو درید کلاہِ سیاہ را

ماہی گزشت و قصد بمیداں نمی کند — رغبت بگوی و میل بچوگاں نمی کند

تیغش میانِ معرکہ رخشاں نمی شود — خنگش میانِ کوکبہ جولاں نمی کند

دربار خندہ چوں گلِ بستاں نمی کند — در بزم جلوہ چوں مہِ تاباں نمی کند

درکف کتاب کردہ ندیماں نشستہ اند — آخر چہ شد کہ گوشش پریشاں نمی کند
دردل امید بستہ بزرگاں ستادہ اند — چون ست کار ملک بساماں نمی کند
نوروز عالم ست چرا از برائے جشن — مجلس گہے چو روضۂ رضواں نمی کند
عیدِ مبارک ست چرا بر طریق پار — آہنگ نیزہ بازیِ میداں نمی کند

خاں را خبر کنید کہ بر چرخ رفت گرد
کافر رسید و آبِ لہاور عبرہ کرد

خیزید و بارگاہ بصحرا بروں برید — دنبالِ شاہ رایتِ والا بروں برید
در سایۂ نشانہ دہل را نوازنید — با نعمتِ دمامہ علم را بروں برید
مست ست شاہ خفتہ بہ تختش رواں کنید — چون نیست آں خیال کہ سوارا بروں برید
قاآں ملک بجانب دم تلہ شد رواں — دریائے قلب جانب دریا بروں برید
شاہِ جہاں بسوئے کہستاں نمود عزم — لشکر گہی چو کوہ بہ صحرا بروں برید
نے نے کہ سوئے حضرتِ اعلاش خواندہ اند — رایت بسوئے حضرتِ اعلا بروں برید
اسماک ہست امیدِ نیابت بہ پیش تخت — ترتیب ملک جملہ مہیا بروں برید

تاج از مہ و نطاق ز جوزا کنید راست
خاصہ از برائے نصرتِ دنیا کنید راست

گاہے بدی کہ ایں شبِ محنت سر آمدی — خورشیدِ ما فرو شدہ ناگہ بر آمدی
از تیر کافرانچہ کہ بر غازیاں گزشت — از تیرِ غازیاں بہ سرِ کافر آمدی

آں شیر سرخ گو کہ بہ پیروزی آمدے | در زیر چتر لعل مدوّر بر آمدی
گرگرد چرخ کوکبۂ خاصگانِ شاہ | کانجم صفت بگردِ مہِ انور آمدی
نائب کجا کہ ہمچو تہمتن بہ پیشِ رخش | جولاں زناں بہ پیشِ صفِ لشکر آمدی
جاندار شہ کجاست کہ از راستاے شہ | با دور باش جلوۂ چترِ زر آمدی
کو شہ سلاح دار کہ شمشیرِ خاص را | افگندہ با حمائل زر در بر آمدی

شادی کنید شاہ بملتاں ہمی رسد
قاآن ملک محمد سلطاں ہمی رسد

کو آں جہاں گرفتن و لشکر کشیدنش | بر اوجِ آفتاب علم بر کشیدنش
ہر روزہ تیر در دل ہندو نشاندنش | ہر سال تیغ بر سر کافر کشیدنش
کو آں بگاہ بار بمسند نشیندنش | صفہائے صف دراں ہمہ تا در کشیدنش
کو آں قباہائے مرصّع فگندنش | اسپانِ نوبتی ہمہ در زر کشیدنش
کو آں ملوک خواندن و دمے نشاندنش | واں بزم راست کردن و ساغر کشیدنش
در بحثِ علم نکتۂ مشکل شنیدنش | وز دل برا یکنکتۂ دیگر کشیدنش

چوں سال و مہ تمام نگردد ثنائے او
آں بہ کہ صبح و شام بگوییم دعائے او

یا رب کہ در مظلۂ قدسش پناہ باد | در بارگاہ رحمتش جائگاہ باد
با خاکیاں بمرکزِ سفلی مقام ساخت | با عرشیان بعالم علویش راہ باد

نقصانِ عمرِ او که در اسلام رخنه کرد | افزونیِ حیاتِ شهِ دین پناه باد
تا سلطنت بود بجهان بر سریرِ ملک | سلطان غیاثِ دنیا و دین بادشاه باد
در کارِ دین محمدِ غازی چو سر نهاد | محمود بر برادرِ خود کیسه خواه باد
مخصوص شد چو تارکِ کیخسروی بتاج | بر فرقِ کیقباد ز دولت کلاه باد
بادا همیشه بر سرِ سلطان ظلالِ چتر | زان چتر بر سرِ همه ظلِّ اله باد

محفوظ بر یمین و یسارش ز نیک و بد
یک دیدهٔ دو مردمکِ دیده تا ابد

این رقم وصفِ شهِ دریادلِ دریاوشست
کابر ازو دارد ببالا بانگ و نام اندر سخا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزن او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

آوخ که تابِ جوهرِ عالم بتاب شد | دردا که آبِ گوهرِ آدم بخاک شد
بشکست نامِ مکرمت و هم گشاد چشم | بگشاد جامِ مرحمت و جم بخاک شد
ای ناله زود خیز که گردون خراب گشت | ای بخت دیر خسپ که عالم بخاک شد
ای دل ضریر مان که مسیحا بچرخ رفت | ویحان ضمیر سوز که مریم بخاک شد
گردابِ فتنه پر شد و جیحون سراب گشت | آهرمن اسپ تاخت چو رستم بخاک شد
در خاک رفت مردمکِ چشمِ روزگار | بس خونِ دل ز دیده درین غم بخاک شد

آں ماہِ آسمانِ معانی بچاہ رفت — واں یادگارِ خانِ معظم بخاک شد

اے قدسیاں وقایۂ جوزا فرو درید

وے عرشیاں سپہرِ معلّیٰ فرو درید

آں رو و بے ہلک بازوئے شاہِ جہاں کجاست — واں سرفرازِ کشورِ ہندوستاں کجاست

آں خصم بند و قلعہ کشاے زمانہ کو — آں شہر بخش و دہ دہ و کشورستاں کجاست

ترکاں نشستہ خسرو لشکر کدام سوست — اسپاں ستادہ صاحب برگستواں کجاست

بر بُرّۂ سپہر شبیخوں زدست دہر — بدرِ شہاب صولتِ جوزا عناں کجاست

بے آب شد جہاں چو صدف در ہوائے ابر — آں ابرِ گوہر افگنِ دریا نشاں کجاست

آں در دریا پاش لعل بزیرِ نشانہ کو — واں تیغ با حمائل زر در میاں کجاست

شہزادۂ جہاں ز جہاں می رود بروں — دلگیر بارگاہِ جہاں در جہاں کجاست

خیزید کاخترِ کرم انوار می دہد

عالی علای دولت و دیں بار می دہد

اے از مئ حیات تہی کردہ جام را — وے از بروں چرخ بروں بردہ نام را

بنگر خروشِ لشکر و عجزِ سپاہ را — بشنو نفیرِ چاکر و آہِ غلام را

نے صبر ماند دام و دد و وحش و طیر را — نے فرق بود روز و شب و صبح و شام را

چوں خیمہ وقت کوچ زپا اندر آمدہ — ہر کو تہی بماندہ ز کوچت مقام را

ہم وقت گریہ شد رخِ شمشیر آبدار — ہم چوب شد درونہ ز خشکی نیام را

اسپانِ پیل پیکر و کبکانِ زاغ چشم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ از تنگ بماندہ کردہ فراموش کام را

سرہا فگندہ کردہ پریشان بفرق موی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دُمہا بریدہ بستہ دگرگوں ستام را

آں چاوشانِ چابکِ بیرانہ دست کو

بسم اللہ بلند و زمیں بوس پست کو

اے جامِ چرخ بہرِ تو جم خوں گریستہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بر ذاتِ تو وجود و عدم خوں گریستہ

در مجلسِ صراحیِ زرپیش روی جام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر دم نگوں شدہ ز ندم خوں گریستہ

ابرِ گہر فشاں کہ جہانے ست از کرم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بر دستت اے جہانِ کرم خوں گریستہ

از گریۂ چشمِ شہ چو رخِ پیل گشتہ سرخ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اسپ و پیادہ خیل و حشم خوں گریستہ

تا گنجِ تو نہاں شدہ اے شہ بزیرِ خاک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بہرِ تو اژدہائے علم خوں گریستہ

سرہائے نیزہ گشتہ چو پرچم ہزار شاخ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بیرق دریدہ جامۂ جم خوں گریستہ

پوشیدہ جامۂ نمدیں طبل پس بروی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ افگندہ آستین و زغم خوں گریستہ

آمد براق لطف برانگن بر دستام

دامن کشاں بجانب دار البقا خرام

پا کا ببامِ عرش ترا پائگاہ باد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وز عونِ ذو الجلال بفرقت کلاہ باد

اینجا بہ تیغِ داد ستد دستت از فلک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ آنجا فلک بحضرتِ تو داد خواہ باد

اینجا ترا بپایۂ دولت مقام بود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ آنجا ترا بسایۂ طوبیٰ پناہ باد

بر پایۂ جلالِ تو جمشید جاہ داشت ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در سایۂ حیاتِ تو خورشید و ماہ باد

آفاق را ثنائے تو باغِ ضمیر بود | افلاک را خطابِ تو داغِ جباه باد
روحِ ترا کہ جزوے از آثارِ رحمت ست | زاں سوی عقل کل بدو فرسنگ راه باد
بر دست تو چو نامۂ اعمال بر نہند | عنوانِ او عنایتِ عونِ الٰہ باد

روحِ مقدسِ تو کہ عرش ست جائے او
بادا قبول غیب ز خسرو دعائے او

ایں عزا نامہ از آنِ شہسواری دال کہ زد
پنجۂ ہمت بفتراکِ شہید کربلا

(بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف وزنِ او مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن)

امروز گر ز تن برود جاں دریغ نیست | ور خوں شود درونہ ز افغاں دریغ نیست
بر خشک ماند کشتیِ اُمید ناروان | راندیم اگر ز ہر مژہ طوفاں دریغ نیست
تن ہمچو پیرہن ز سرِ روح بر کشم | پس بردرم بجائے گریباں دریغ نیست
رفتند دوستاں و ندیدند باز پس | گر جاں رود برابرِ ایشاں دریغ نیست
چابک سواری از صفِ لشکر بروں فتاد | گر خونِ دل زنیم بمیداں دریغ نیست

اے میر مجلس از لبِ قرّا بہ نالۂ
میراں وداع می کند آخر پیالۂ

جولاں بکن کہ ہست گہ نیزہ باختن | چوگاں بزن کہ ہست گہ گوئے باختن
با نوحہ گو بگو کہ بجنباں دمامہ را | کامروز ہست وقتِ علم برفراختن

خیز اے نقیب وصفِ لشکر خبر رساں　　　　میراں سوار گشت و رواں شد بتاختن

افسوس ازاں لطافتِ بالا که کم تواں　　　　نخلے براں نمونه خود از موم ساختن

ارزیزه وار آں تنِ چوں سیمِ خام تو　　　　یعنی بزیرِ خاک بخواهی گداختن

آں جعد چوں کمند بریزد روا بود

کس مشک را بخاک فشاند خطا بود

بخشا یکے دو نرگسهٔ خواب ناک را　　　　از ماهتاب روے چو خورشید پاک را

آں شخصِ نازنیں که ز شمشیر چاک شد　　　　جانم بساز رشته و بردوز چاک را

جائے که تیرِ مومن و کافر روانه گشت　　　　گرداب گرد رفتنِ پر خوں مغاک را

غربیل شد زمین و نیابند گردِ تو　　　　گر صد هزار بار ببیزند خاک را

خورشید را به گل نه نهفته است هیچ کس　　　　پنهاں مکن بخاک رخِ تابناک را

بنماے رو که دیدنِ تست آرزو مرا

ایں آرزو بسر برد بنمای رو مرا

اے در غمِ تو دیدهٔ جاں خوں گریسته　　　　بے مجلسِ تو جامِ جهاں خوں گریسته

یک دیدهٔ جهاں بدی و با هزار چشم　　　　چرخ از پئے تو دیده کناں خوں گریسته

هرگه که خواست آب فشاند ز دیدگاں　　　　چوں بنگریستیم همال خوں گریسته

هر تیرکاں نشست بر اندامِ نازکت　　　　پیکانِ آں ز درد رواں خوں گریسته

بگریستہ کسے کہ بدیدہ جمالِ تو وآں کو ندیدہ بہتر ازاں خوں گریستہ

تا یاد می کند دلِ من زاں قبائے چست

شستم اگر نہ بند ز بندم شد ست سست

سروِ ترا بسایۂ طوبیٰ پناہ باد ہمسایۂ تو سایۂ لطفِ الٰہ باد

رضواں چو بر سرِ تو کشد بارگاہِ نور گیسوئے حور رشتۂ آں بارگاہ باد

اکنوں کہ دور ماند کلاہِ زر از سرت از رحمتِ خدائے سرت را کلاہ باد

آں جانِ سپاریِ کہ نمودی بہ پیش شاہ مقبولِ حضرتِ شہِ گیتی پناہ باد

بستی کمر چو بندگی شاہ را بجاں صد بندہ چوں تو بستہ کمر پیش شاہ باد

خسروِ حزیں دعا نکند کز درِ الٰہ

بادت عطائے روز فزوں از بقائے شاہ

چوں زدہ ترجیع صد سلکِ گہر دیدی کنوں قطعہائے زر اگر خواہی بدکانِ من آر

ایں چہل قطعہ است و دوگر کم نویسد کس یکے

باشد ایں نقشِ چہل بر جبلِ آں جاہل گوا

روزے سخن از ستردنِ مو در زمرۂ صوف درفگندم

گفتند دریں میانہ سرّے دیدم چو نکو نظر فگندم

یعنی کہ ہر انچہ بود در سر آں موے بموز سر فگندم

وله

گروه فقر سر از بهر آن تراشیدند — که خط کشند بدین عالم ای پسندیده
ندیده که تراشند سرِ قلم کاتب — چو خط نیاید از کلکِ ناتراشیده

وله

گو هرِ فقر تیغ برّان ست — مرد باید که با حذر باشد
کے تواند که سر به تیغ دهد — هر کرا چوں قلم دو سر باشد

وله

درخت باش گہے میوہ بخش و گہ سایہ — اگر بخواہی سرسبز باشدت پیوست
نشست ہر کس در سایۂ درخت بسے — درخت ہرگز در سایۂ کسے نہ نشست
اُمید بست ہمہ کس بمیوہائے درخت — درخت ہرگز از کس اُمید میوہ نہ بست

وله

مکن تکبر اگر ہست مرترا ہستی — کہ مرد با ہمہ گردن کشد دوتو گردد
درخت بارور آرد چو سر بروی زمیں — بزیر او ہمہ کس سر کند فرو گردد

وله

اے کہ در عیبِ کساں می بینی — دیدہ از عیبِ خویشتن نابیناست
گر بگوئی کہ ندارم عیبے — ایں محال ست کہ بے عیب خداست
چوں خدا نیستی و آدمئے — نام بے عیبی بر تو زچہ خاست

خود گرفتم که ترا سر تا پاے — از گرفتاریِ هر عیب جدا است
اے که نازی تو بہ بے عیبیِ خویش — عیب من بینی و عیبے پیدا است
چوں یقیں شد که تو هم داری عیب — جستنِ عیبِ کساں بهر چه است
کوری ار کور دگر را بیند — وانگهی عیب کند عیب کرا است

ولہ

مرد می باید که چوں دنبالۂ کاری شود — در میانِ کار خود را بے محابا افگند
قطرۂ آبی که دُر خواهد شد از ابر بلند — گرد گیرد خویشتن را پس بدریا افگند

ولہ

خدایگان سلاطین عصر نصرتِ دیں — زہے بسودہ رکاب تو فرقِ فرقد را
تو آسمانی از قدر و هر زماں صد بار — بہ پیشِ قدرِ تو خم کرد آسماں قد را
زبهرِ جوِ تو دولاب هفت گردوں آب — دهد ز چشمۂ خورشید مرزبرجد را
تو پنج کوس زدی در چهار رکنِ زمیں — صدای صیتِ تو بگرفت هفت گنبد را
خدایگانا خسرو که بهرِ نثرِ دُرت — بہ سلک نظم کشد لولوے منضّد را
مباد کز کرمِ شاه تنگدست بود — ولیک بر دلِ شه یاد میدهد خود را
تو دیر زی که قضا بر جریدۂ ایام — بنامِ ملکِ تو کردست عمر سرمد را

ولہ

نصرتِ دین محمد شہ فیروز مصاف — اے ہمہ وقت بہ شمشیرِ تو پیروزی بار

شادباش اے صفت جنبش و صفوت زرائے — آفریں اے کشش شکر و کوشش درکار
تف تیغ تو برآورد ز جا ہائے دود — آتش اندر دل کانون زد و سنگ کہسار
بندگاں را کہ ز تو سنگ معل بشکستند — چاکران تو بد مرحلہ کشیدند حصار
گفت ہفت اختر و نہ چرخ کہ چشم بد دور — زاں و بازو کہ دو فتحش بدو و ہم یک بار
فتح بر راں براق تو ازاں داغی شد — کہ چو ایں را بدوانی بدود او نا چار
باد بر فرق ظفر غاشیۂ دولت تو — فتح دنبال رکاب تو دواں غاشیہ دار

[illegible]

ولہ

نصرۃ الحق شہ و شہزادۂ عصری کہ بحق — پایۂ مدح ترا بر سر جمشید کشم
چوں ہمہ اسر شدائے ذات تو خورشید کرم — با وجود تو چرا منت خورشید کشم

ولہ

سپہر معالی علائے دولت و دیں — زہے کف تو کمر بستہ دُرفشانی را
بباغ نرگس بیمار می برد بہ سر — بیاد خلق تو ایام ناتوانی را
سپہر پیر بہ بخت جوانت می گوید — کہ چشم بد نرسد یارب آں جوانی را
چو تیغ تو بعدو بہر جاں زباں انداخت — عدو فدائے سرش کرد زندگانی را
جہاں چو تیغ تو بستد بسر دکہ از کرمت — توقفے نبود و چہ پئے معانی را

ولہ

جہاں کشایا خسرو عریضۂ دارد — شود بر خصت آں خلق خوب نافہ کشائے

هزار سال بباید که آورد گیتی | چو تو کریم ستوده چو من کریم ستای
نبود تا قدِ گفتارِ من کسے زین پیش | که پیش او شوم از بحرِ نظم گوهر زای
ترا چو یافتم اکنون من و مناقب تو | چه سحرها که نمایم بکلک سحر نمای
سخن حیاتِ ابد شد بگنج زر بستان | که زر نپاید و نام از سخن بود برپای
بهائے هر سخنِ من هزار دینار است | قرار بنده باندازهٔ سخن فرمائے
هزار سال بمان تا بود قرارِ جهان | هزار سال دگر هم برین قرار بپای

وله

اے که چون خنگِ تو جولان گرفت | گرد گردا گرد گردون گرد کرد
بس که خلق از تو به سرما برد برد | برد برد و برد بردا برد و برد
چون دو در دو در و قسمت خورد گفت | درد و درد درد دردا درد درد

وله

والا مجیر ملک نه دستِ چو ابر تست | اقبال شسته روی چو گل در میانِ میغ
تا خامهٔ تو بر گهر آبِ سیاه ماند | از نوکِ خامهٔ تو سیه گشت آبِ تیغ
گر جان بری دریغ نباید چو هیچ چیز | از تو نداشتست خدائے جهان دریغ

وله

صدرا توئی که یک رقم از دفتر سخن | هر دم بصد هزار دقائق بیان کنی
نظمِ رهی که از نظرت آبِ خضر گشت | شاید اگر ز لطف برین سو روان کنی

وله

خانِ جہاں کشای معظم تتار خاں   واالانصیر حق ملکِ مملکت پناہ
آنی کہ ابرِ دستِ تو گردد چو دُر فشاں   نے زر کہ کیمیا شود اندر زمیں گیاہ
گر چرخ سوئے ہمتِ عالیت بنگرد   از فرق او بماہ در افتد کلاہِ ماہ
دارم عریضۂ و مشرّح بگویمت   گر از کرم بسمعِ مبارک دہیش راہ
دانی کہ ہیچگہ بجنابت نیامدم   تا سوئے من بدیدۂ احساں کُنی نگاہ
مدحت گہی نگفتم و بخشش نخواستم   ایں بار ناگہاں بغلط کردم ایں گناہ
کردی ز نقدِ وعدہ چناں دانم گراں   کز بارِ آں نجانہ شدم با قدِ دوتاہ
تو عمّ بادشاہی و من مادحِ شہم   شاید کہ عشوہ تحفہ برم از تو پیش شاہ
ایں بار صلّام دہ و سوگند می خورم   گر زحمتے دہم بجنابِ تو ہیچ گاہ
ایں گویمت دعا کہ ز فضلِ خدائے پاک   جاوید باد عمرِ تو در خرمی و جاہ

وله

پناہِ ملک تاجِ دولت و دیں   بملکت عارضِ لشکر نویسند
نکوتر سر بہ پشتِ چرخ باشد   چو نامت چرخ را بر سر نویسند
شود بر آبِ دیگر سکۂ زر   خطابت گر بآبِ زر نویسند
اشارت کن کہ نامِ بندہ خسرو   بحکمِ شاہ بر دفتر نویسند
بقا باد ای عرض چندانت کز تو   بقائے جملگی جوہر نویسند

وله

ابر کف تاج دول اے کہ براق ہمت — بر فلک گر بتگ تیز دوانی رسدت

در بخواہی کہ سہیلے دہی از گوہر تیغ — مر یمن را ہم ازاں تیغ یمانی رسدت

تیر تو قاصد آنست کہ گر فرمائی — در زماں از دل بدخواہ نشانی رسدت

مکرما چوں ہمہ اسباب معانی در تست — مکرمت در حق ارباب معانی رسدت

بشنو ایں قصۂ من گرچہ کہ طولے دارد — عفو کن گرچہ کہ در گوش گرانی رسدت

توئی آں کار کشائے کہ اگر ذات ترا — بخت گویند در ایام جوانی رسدت

و انکہ ایں فال چو در گوش مبارک برسید — گر بسمع شہ آفاق رسانی رسدت

وله

سرا کابر آفاق تاج دولت و دیں — توئی کہ قدر تو از اوج وہم بیش رسید

کفت کہ شور ز دریا بر آورید ازو — مخالفان جہاں را نمک بریش رسید

قلم بدست تو زنبور شہد شد کہ ازو — بدوست نوش رسید و بخصم نیش رسید

برائے دشمن تو کلک تست آں تیرے — کز و شکستگی اندر ہزار کیش رسید

نشست جوہر پاکت چو در بساط عروض — فلک نثار چو اہر ستد بہ پیش رسید

عطارد آمد و دا و آفتاب را فرده — کہ باز اختر دولت ببرج خویش رسید

یگانہ بود برا و رنگ آسماں خورشید — ہزار شکر خدا را کہ دو بیش رسید

وله

شرف الدین سر اشراف جہاں فستح الملک — اے کہ بر روئے زمیں دیدہ ندیدت ثانی

تا ز خلق تو نسیمے نرود در بستاں　　غنچہ ہا را نکشاید گرہ از پیشانی
چو ولی نعمتِ دہری بسرِ نامم کن　　کاب خویش می نخورم من زپیٔ بے نانی

ولہ

اے در شرف چو دولت اے فتح ملک و ملت　　محمود نیک نامی مسعود خوش نظامی
ماہی و گر رسیدت عین الکمال گردوں　　بر اوج خویش برشو فردا اگر ہمانی
چوں بستہ گشت دریا از سردیِ زمانہ　　اے آفتابِ دولت وقت ست اگر بتابی
تشنہ است خلق عالم از بہرِ دیدنِ تو　　اے چشمۂ مکارم یارب کشادہ مانی
خصمت کہ ساخت گیتی او را کہ ساخت گیتی　　در آبِ دیدہ باشد رخسارۂ چو آبی

ولہ

اے فتح ممالکِ معالی　　اے خاکِ درِ تو پشتبانم
ہستی غرضیکہ جوہرِ چرخ　　باروئے تو جز غرض نخوانم
چرب ست برائے مدحتِ تو　　از مغزِ سخن ہمہ زبانم
دارم بہ ثنائے تو زباں چرب　　تا مغز بود در استخوانم
ہر کس دانا بتحفۂ خود　　من ہیچ ندانم از کہ دانم
شد با کرمت حوالہ ایں کار　　داند کرم تو من ندانم

ولہ

سر دفترِ اکابرِ عالم نظامِ دیں　　اے در مناقبت بہ سخن سحر کار ریم

از مدحت تو با قلم مژده داده ام — ماندست سرنگون قلم از شرمساریم
تا کار دبار من نشود از تو استوا — بر آب کارِ خود بنما استواریم
چون شد قرار نامهٔ من از تو برقرار — خواهد رسید هم ز تو هم بیقراریم
سر بر خطت نهادم و شاید که بعد ازین — اندر حمایتِ قلم خود شماریم

ولہ

سر ملوک ملک اختیار دولت و دین — عنانِ توسنِ عهد بر سر سما برسان
ز شستِ قلب شکن تیر بی خطا بگشای — صریرِ تیرِ خود اندر حدِ خطا برسان
عریضه ایست بخدمت مرا نکو بشنو — پس التماس رهی در حدِ وفا برسان
شکسته بسته بسی بیت گفته ام ز کرم — عنایتی کن و در پیش پادشا برسان
ترا خدای رساند بمنتهای امید — امید خسروِ مسکین به منتها برسان

ولہ

صفدر گیتی الپ غازی بن اثدر ملک — تیغ تو از صف دشمن خون بیچاره بشست
تا نثار آستانت را اگر لائق شود — بس که دریا روز و شب لولوی لالا را بشست
خنگ تو پای فلک پیما نیالاید بخاک — گرچه چندین بار باران وی صحرا را بشست
گر ترا از چشم بد آلایشی بود ست شکر — کایزد از عین الکمال آن شخص والا را بشست
تو وجود پاک می شستی و میگفت آسمان — آفرین بر دست دریا بارت که دریا را بشست
چشمهٔ خورشید را در طشت زرین کرد چرخ — بر سرت بنمود گستاخی و وی پا را بشست

تا چو اسکندر دمے آئینہ سازی جام را | ساقی از آبِ خضر جام مصفّا را بشست
بندہ خسرو جز دعائے دولت در دے نخواند | شب کہ از اشکِ تضرع چشمِ بیدار ا بشست
نام تو چوں آبِ شمشیرِ تو عالمگیر باد | کابِ شمشیرت ز عالم نام اعدا را بشست

وله

ملک تاج دیں پور اژدر ملک | بچشمِ جہاں بہتریں دیدۂ
ز خُلقے کہ داری چو بادِ صبا | بسا پردۂ گل کہ بدریدۂ
ز ابرِ کرم گوہر افشاندۂ | ز دریا دکاں مہرہ برچیدۂ
تو دریا ئہ بل بذیلِ کرم | ہمہ عیبِ حاتم بپوشیدۂ
چو در راہِ بخشش روان کردۂ است | روانم کن اسپے کہ بخشیدۂ

وله

رسید نامۂ آں آرزوے سینہ و داد | بجانِ مردۂ من از جنابِ دوست اُمید
سوادِ آں را چنداں بچشمِ خود سودم | کزاں سواد سیہ گشت تا مہائے سپید
ولیک دیدہ چہ بیند اگرچہ روشن شد | شبم چو شمع ندارد ز روی آں خورشید
اُمید دیدنِ من چشم تو بسے بربست | و لے چہ سود کزاں نیست جز گرہِ اُمید
من از فراقِ تو مردم بقائے جانِ تو باد | تو بادیم کہ بمانی بخرّمی جاوید

وله

بزرگ زادۂ گیتی جمالِ دولت و دیں | من از جنابِ تو بر اوجِ لامکاں برسم

ز خردہ کاریِ مدحت بزرگوار شدم | اگر بہ نزدِ بزرگانِ خردہ داں برسم
رکابِ خاص گرفتم کہ آسماں سایہ است | کزاں رکابِ مبارک بآسماں برسم
نوائے بلبلیم ہست و گلستانم نیست | مگر زیاریِ خلقت بگلستاں برسم
مرا نہاں چناں کن کہ سر بچرخ کشم | مگر بحضرتِ شاہنشہ جہاں برسم

حیات بادا چنداں کہ تا بروز شمار
کرم حیات بود در شمارِ آں برسم

ولہ

صدرا توئی کہ از کفِ دریا نوالِ تو | گردست پُر زگوہرِ ناسفتہ آز گوش
سوئے صریرِ کلکِ تو دارند اہلِ فضل | چوں زمرۂ صلاح بہ بانگِ نماز گوش
بشنید چوں صدف صفتِ دستِ تو زابر | دندان در گرفت فلک سالہا ز گوش
چیزے بجز دعاے تو گر گوید آسماں | گویم کہ اے زمیں در و دیوار باز گوش
ور مشتری زیجِ تو گوید حکایتے | زہرہ ہزار بار بگوید کہ باز گوش
حاصل جوابِ ملتمس از تو چوں رسید | خوش گشت ازاں مکاتبہ جاں نواز گوش
لیکن روا مدار کہ سقاے خانہ ام | بے آب ماند از پئے جفتِ دراز گوش

ولہ

شاد باش اے بوعاصف شکنِ دشمن کش | غزدیں تیغ زن شیر شکار و سرکش
خضر نامی و ترا چشمۂ حیوان در جام | جام برگیر و رواں چشمۂ حیوان در کش
چوں کشی ناوکِ تیر از پئے قربانِ عدو | دل بدکیش پر از تیر کنی چوں ترکش

تیر سنجیده بزن بر دلِ سنگینِ حسود | پس ترازو کن و هم دیدهٔ او را برکش
مگر ما بہ سرِ مخدوم بخوردی سوگند | کہ دہی اسپ روان رنظرِ چاکرکش
ایں خود آں مدح کہ گفتیم ترا اول بار | شعر گفتم فرسے در نظرم دیگر کش
تو ز اقبال کرم نام برآری ز کرم | ہم سپہدار جہاں گردی و ہم لشکرکش

ولہٗ

خسروم دیوانۂ زنجیر مویاں اے عجب | در کشاکش ماندہٗ چوں تیر ترک اندر کماں
گر بگردم گرد روی نیکواں شاید ازانک | کرد بالایم چو گو ہر لاغرم چوں لکیساں

ولہٗ

نیکواں چوں شوند سرد سخن | پشت شاں دہ کہ دل کباب کنند
آں ندیدی کہ خلق در سرما | پشت را سوئے آفتاب کنند

ولہٗ

مرا سوال کنی ہر زماں کہ خر چہ بود؟ | اگر تو مے بخوری نام تو دگر چہ بود
اگر شراب خورد کونِ خر بابانگ آید | وگر نیاید در بانگ کون خر چہ بود
ز ذوقِ بادہ صراحی نہ آگہست آری | ز نقش آب بطِ کور را خبر چہ بود
ازیں سپس من و سیخِ کباب و مطرب و مے | حریف ہر کہ درآید شراب ہر چہ بود

ولہ

آں چیست کہ خام سبز باشد | در پختگی ست زردیِ روشش

خونش نه برگ وبے چو خائیش — خون از دہنت بروں دہد جوشش
هم گفته سخن ز تیزیِ جوشش — هم داده خبر ز تیزیِ گوشش

وله

اے که نظیم مرا بخود بستی — آبِ خوش در گلوئے بد کردی
زنِ تو داشتست حمل ز من — زادهٔ من از آنِ خود کردی

وله

اے پسر گنجِ خود ذخیره مکن — گنج جز کیمیا نخواهد شد
آنچه در پس فگندهٔ پیش آر — کاں همه جز بہا نخواهد شد
ایں چنیں گنجِ بیکراں که تراست
در پسِ تو رہا نخواهد شد

وله

گنده بندی ببر ز ماں کساں — دعویِ بودش از زنیت و شری
چند باشد که بر نیفتادست — ریش گاوی بدست کونِ خری

وله

اے شاعرے که بوئے دہانت گہ سخن — ہرگز دگر بسبلت تو تحفہ می[illegible]
گر تو ز شعر گنده خود می بری ردا [illegible] — ز انگیز تیز خاک بر سوی می[illegible]

زیں پس ترا بجزدہ بخواہم فروختن
گر بنگرم کدام خرت باز می خرد

ولہٗ

مردکی در کسِ زالے میکرد
مثل غزنی و تنہاں می گفت
زال را دست بہ پستاں می زد
داستانِ سگ و انباں می گفت

ولہٗ

کیرِ من پختہ شد زبس جوششں
کہ زکوں سوئے کس گریختمش
آتشش مرد بس کہ خاکستر
زیر مو شعر بیز ریختمش
سخت چوں سنگ بود شد مردا
بس کہ مردار سنگ ریختمش
تا نہ بستم ہزار دار دلیش
بہ نشد ورنہ می گسیختمش

ولہٗ

احمک را زبسِ شکم رفتن
مرگ ہر لحظہ گرد جاں گردد
گونش از لاغری بلیلہ شدہ
وز بلیلہ شکم رواں گردد

ولہٗ

واسطست از پئے حیاتِ ابد — ایں کتاب از چنیں خجستہ خطاب
در شمردن ز بیتہائے ترشش — ہشت ابر آمدست بریک آب
غیمم یعنی کہ ہشت بار بخواں — تا بیکبار دیدہ ایم صواب
چار صد چل یکیست و ہشت ہزار — ہمہ بیت از جل کشاد نقاب
۸۴۴۱

ایں شماری ست وضع بندہ نیست
ہیچکس را درو محلِ جواب